فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمِ

تو تم اتباع (پیروی) کرو سوادِ اعظم (سب سے عظیم جماعت) کی

پروفیسر طاھر ہاشمی پر ایک نظر

مولف

مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مدرس دار العلوم مدنیہ (کراچی)

جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قارئین کرام! اسلاف پر بدگمانی اور ان کے مسلمہ عقائد و نظریات پر نکتہ چینی گمراہی کا پہلا زینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی گمراہ فرقے گزرے ہیں اور آئندہ ظہور پذیر ہوں گے انہوں نے اپنی نت نئی تحقیقات کو عوام کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اسلاف کو مجروح کیا اور یہ دعوی کیا کہ جب ہم خود قرآن و حدیث کو سمجھ سکتے ہیں تو ہمیں کسی کی پیروی کی کیا ضرورت؟۔

چونکہ قرآن يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ہے اس لئے اس سے ہدایت کے موتی آپ اسی وقت لے سکتے ہیں جب آپ اسے جمہور سلف و صالحین کی آرا کی روشنی میں سمجھیں گے۔

امام محمد بن سیرین تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان ھذا الحدیث دین، فانظروا عمن تاخذوہ۔

یہ حدیث دین ہے، لہذا تم دیکھو کہ کس سے دین لے رہے ہو۔

(الجرح والتعدیل الابن ابی حاتم: ۱۵/ ۲، وسندہ صحیح)

اسی طرح امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاسناد من الدین، ولو الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

سند دین ہے، اگر سند نہ ہوتی تو ہر کہنے والا، جو اس کے جی میں آتا، کہہ دیتا۔"

(مقدمہ صحیح مسلم: ۹/ ۱، رقم: ۳۲، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ "سند یعنی اسلاف" وہ کڑی ہے جس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کیا چیز دین ہے اور کیا چیز دین نہیں ہے؟۔ یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں نے امت مسلمہ کو سب سے پہلے اس "کڑی" سے توڑنے کی کوشش کی اور جب ایک دفعہ اسے اس کڑی سے جدا کر دیا گیا تو پھر اس کیلئے اسلاف تو کیا قرآن و حدیث پر بھی ہاتھ صاف کرنا آسان ہوگیا۔

آپ اپنے گرد و پیش میں نظر دوڑائیے آج جو ملحد آپ کو نظر آئیں گے وہ ماں کے پیٹ سے ملحد پیدا نہیں ہوئے ان کے دلوں میں سب سے پہلے اسلاف اور امت مسلمہ کے جلیل القدر ائمہ

اہل سنت، حضرات محدثین وفقہا، مفسرین و متکلمین کی نفرت ڈالی گئی اس کے بعد ان کے دلوں میں حدیث کی حیثیت کو مجروح کیا گیا اور جب یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا تو قرآن کو تختہ مشق بنایا گیا۔ اور یوں وہ الحاد کے ایسے اندھیروں میں گم ہو گئے کہ اب لوٹنا ناممکن ہوگیا۔

روافض، خوارج، معتزلہ، قدریہ، منکرین فقہ، منکرین حدیث، مرزائی، اہل بدعت یہ جتنے فرقے پیدا ہوئے خدا لگتی کہیئے کہ اگر قرآن و حدیث کی تشریح میں یہ اسلاف کی تحقیقات پر ایمان رکھتے تو کیا ان کو اپنے باطل نظریات گھڑنے کی ضرورت پیش آتی؟

معتزلہ جو علم کلام میں سب سے مشہور گمراہ فرقہ گزرا ہے ایک زمانے میں مذہبی اختلافات کی گرما گرمی انہی کی بدولت تھی ان کے وجود کا سبب حضرت حسن بصری کا یہ مشہور قول ہی تو ہے

قد اعتزلنا

یعنی وہ ہم سے (اسلاف) سے جدا ہو گئے۔

صرف ایک مسئلہ میں اعتزال کی راہ اختیار کرنے والے پھر اسی ایک مسئلہ پر نہیں رکے بلکہ دین کے قریبا ہر مسلمہ عقیدے پر انہوں نے کمند ڈالی حتی کہ نہ قبر وحشر محفوظ رہا نہ، قرآن و حدیث اور نہ اللہ کی ذات وصفات۔

اسی لئے قرآن و حدیث میں سلف صالحین کی اتباع کا واضح حکم ہے۔ قرآن مجید نے خود اپنے سے پہلوں کی پیروی کا حکم ان الفظ میں دیا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام۔ ۹۰)

یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے راستے کی پیروی کرو۔

بلکہ ایک مقام پر تو اسلاف و اجماع امت سے ہٹنے کی روش پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (سورہ نسا ۱۱۵)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمہور اسلاف کی پیروی کا حکم ان الفاظ میں دیا:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ النَّضْرِ .(ثقة)، أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ صَفْوَانَ الْبَرْذَعِيُّ [صدوق حسن الحديث] ,قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ الصَّائِغُ [ثقة عارف بالحديث] ,قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْقَرَنِيُّ [صدوق حسن الحديث] ,قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ [ثقة] ,عَنْ أَبِيهِ [ثقة] ,عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ [ثقة] ,عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ,قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا يَجْمَعُ اللَّهُ هَذِهِ الأُمَّةَ عَلَى ضَلالَةٍ أَبَدًا". قَالَ: "يَدُ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ, فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمِ, فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ".

(شرح أصول اعتقاد أہل السنة والجماعة، لللا لکائی « سیاق ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... رقم الحدیث:135(154))

خلاصة حکم المحدث: سندہ حسن (اس حدیث کی سند حسن یعنی اچھی ہے)

(شرح أصول اعتقاد أہل السنة والجماعة، لللا لکائی ۱/ ۱۰۶، تحقیق: ڈاکٹر احمد سعید حمدان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں کہ:" نہیں جمع (متفق) کرے گا اس (میری) امت کو کسی گمراہی پر کبھی"، (پھر) فرمایا:" اللہ کا ہاتھ (سایہ مدد) جماعت پر ہے، تو تم اتباع (پیروی) کرو سوادِ اعظم (سب سے عظیم جماعت) کی، بس جو اس سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ کیا جائے گا آگ (جہنم) میں (داخل کرنے کو).

ایک اور روایت میں ہے:

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ ,حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ ,حَدَّثَنَا مُعَانُ بْنُ رِفَاعَةَ السَّلَامِيُّ ,حَدَّثَنِي أَبُو خَلَفٍ الْأَعْمَى ,قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ,يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,يَقُولُ: "إِنَّ أُمَّتِي لَنْ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ ,فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ".

(سنن ابن ماجہ : کتاب الفتن، باب السواد الاعظم ... رقم الحدیث:3948(3950))

حضرت انس بن مالکؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میری امت کسی

گمراہی پر جمع (متفق) نہیں ہوگی، بس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم (سب سے عظیم جماعت) کو لازم پکڑلو (یعنی اس کی اتباع کرو)۔

انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حویلیاں کے ریٹائرڈ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب نے سواد اعظم سے اپنا دامن کاٹ کر اپنے خود ساختہ نظریات وعقائد کو پھیلانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنی کتابوں میں اسلاف و اکابر کو خوب منہ بھر بھر کر گالیاں دی۔ اکابر اہل سنت میں وہ کون ہے جو ان کے قلم کے نشتر سے بچ پایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ« فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: »إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَلُبِسَ الْحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا

(الجامع الصغیر)

جب میری امت میں پندرہ کام عام ہو جائیں گے تو ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ پندرہ کام کون سے ہیں؟ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ۱۔ جب سرکاری خزانے کو لوٹ کا مال سمجھا جانے لگے۔ ۲۔ جب امانت میں لوگ خیانت کرنے لگیں۔ ۳۔ جب زکوٰۃ کو لوگ تاوان سمجھنا شروع کر دیں۔ ۴۔ جب آدمی اپنی بیوی کا کہا مان کر ماں کو ستائے گا۔ ۵۔ جب آدمی دوستوں سے اچھا سلوک اور والدین کے ساتھ برا سلوک کرے۔ ۶۔ مساجد میں آوازیں بلند ہونا شروع ہو جائی۔ ۷۔ قوم کا لیڈر ذلیل ترین آدمی بن جائے۔ ۸۔ آدمی کی عزت صرف اس لئے کی جائے تا کہ اس کے شر سے بچا جا سکے۔ ۹۔ شراب

پی جانے لگے۔ ۱۰۔ ریشم کا لباس پہنا جائے ۱۱۔ گھروں میں گانے بجانے والی عورتیں رکھ لی جائیں۔ اور آلات موسیقی سنبھال سنبھال کر رکھے جائیں۔ ۱۲۔ اس امت کے آخری لوگ پہلوں پر لعن طعن اور تنقید کرنے لگیں۔

تب سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے یا شکلیں بدلنے کا انتظار کریں۔

اس حدیث میں اسلاف پر ''نقد'' کرنے ان پر لعنت طعن کرنے ان کی گستاخی کرنے پر مختلف عذاب آنے کی وعید سنائی گئی ہے۔ اور اسے قرب قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ اسلاف سے دلیل کی بنیاد پر اختلاف اپنی جگہ لیکن یہ حق کس نے دیا ہے کہ بعد کے آنے والے جو علم و عمل میں ان کے قدموں کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکیں ان پر لعن طعن شروع کر دیں اور انہیں گستاخ کہنا شروع کر دیں۔ افسوس کہ طاہر ہاشمی اسی راہ پر گامزن ہیں اور بعید نہیں کہ ملک پاکستان کو جو طرح طرح کی آفتوں کا سامنا ہے اس کا ایک سبب طاہر ہاشمی صاحب کا یہ بے باک قلم بھی ہو۔

پھر یہ سب کچھ اسی خود ساختہ ''تحقیق'' کی زعم میں کیا گیا جس نے ان سے پہلوں کو گمراہ کیا۔ جس طرح ہر باطل نے اپنے باطل نظریات کیلئے کوئی خوش نما نعرہ وضع کیا کسی نے ''ان الحکم الا للہ'' کہا تو کسی نے محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا، کوئی کربلا پر رویا، تو کوئی قرآن و حدیث کی پیروی کی دہائیاں دیتا رہا۔ اسی طرح طاہر ہاشمی نے اپنے ماننے والوں کو ''ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم'' کا خوش نما نعرہ دیا، اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی آڑ میں ساری زندگی صحابہ کی ناموس کا دفاع کرنے والوں کی ناموس کو تار تار کیا۔

جب ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ''کیا وہ معصوم تھے؟''۔ ہم کہتے ہیں بالکل بھی نہیں۔ لیکن کیا آپ معصوم ہیں؟ جنہوں نے اپنی ساری زندگیاں قرآن وحدیث کی تعلیم وترویج میں کھپا دی، جو قرآن وحدیث، صرف ونحو بلاغت وتاریخ پر ''سند'' کی حیثیت اختیار کر گئے، جنہوں نے اس دین کو بچانے کیلئے ہر قربانی دی ہر سختی کا سامنا کیا حیرت ہے وہ تو معصوم نہ ہو سکے ان سے تو غلطی نہیں ''غلطیاں'' سرزد ہو گئی اور آج چودہویں صدی کے یہ محققین جو آدھے صفحے کی عربی عبارت صحیح طرح پڑھ کر اس کا ترجمہ نہیں کر سکتے وہ معصوم عن الخطا ہیں؟ ان سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی؟

یہاں ان اسلاف کی کرامت بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ خود ان کے نظریات پر ساری زندگیاں نکتہ چینی کرنے والوں سے اگر ان کا علمی شجرہ نسب پوچھا جائے تو ان اسلاف کے نام لئے بغیر ان کا علمی شجرہ کامل نہیں ہوسکتا۔

اب طاہر ہاشمی صاحب ہی کو لے لیجئے انہوں نے اپنے شجرہ فکری میں ان اسلاف کا ذکر کیا:

(۱) فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۳) امام اہلسنت حضرت عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) محدث اعظم ہند حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

اور پھر ان کے متعلق بانگ دہل کہا:

احب الصالحین و لست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

اولئك ابائي فجعئني بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(سرگذشت ہاشمی، ص ۹)

یعنی میں (ان جیسے) نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہوں اگر چہ ان میں سے نہیں۔ شاید اسی طرح مجھے نیکو کاری حاصل ہا جائے۔

اے جریر! یہ ہیں میرے آباء و اجداد، ان کی مثل لا کر دکھاؤ جب مجمعے ہی جمع کریں۔

لیکن افسوس انہی صالحین اور ایسے آباء و اجداد جن کے مثل لانے پر موصوف دوسروں کو چیلنج دے رہے ہیں کو موصوف اپنی کتب میں سبائی فتنے سے متاثر، رافضی پروپگینڈے سے مرعوب، تحریف قرآن کے مرتکب، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام سے نابلد، ان پر طعن و تشنیع کرنے والے، صحابہ پر تبرا کرنے والے، صحابہ کے متعلق گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کرنے والے کہتے رہے، الزامی تراشی کرنے والے، جھوٹ گھڑنے والے، جھوٹ پھیلانے والے۔ (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) لکھ رہے ہیں۔

ہاشمی صاحب جواب دیں کہ کیا ایسے آباء و اجداد واقعی فخر کے لائق ہیں؟ ہم یہاں ہاشمی صاحب سے سوال کریں گے کہ جو حضرات اتنے سنگین جرائم میں ملوث ہوں کیا وہ بھی صالحین ہو سکتے ہیں؟

جب اس سب کے بعد بھی یہ آپ کے روحانی ابا قرار پائے تو ملا باقر مجلسی، خمینی، غلام حسین نجفی کو اپنا روحانی ابا کہنے میں آپ کو تردد کیوں؟ آپ کی نظر میں تو جرائم معاذ اللہ دونوں کے ایک ہی جیسے ہیں۔

پھر دلچسپ بات یہ کہ موصوف نے ان کو اپنے "فکری شجرہ" میں شمار کیا۔ یعنی موصوف جس فکر کے ترجمان ہیں وہ انہی کا دیا ہوا ہے۔ تو ہاشمی صاحب! ان کو تو آپ ساری زندگی سبائی پروپگینڈا سے متاثر کہتے رہے۔ گستاخانہ صحابہ کہتے رہے اس کا تو سیدھا و صاف مطلب یہ ہے کہ آپ بھی اسی "سبائی فکر" کو لئے پھر رہے ہیں بس فرق یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں اس فکر کو اپنایا اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت میں اس فکر کو اپنا لیا۔

نیز یہاں یہ سوال بھی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت پر آپ کو فخر ہے یہ تو آپ کی نظر میں باوجود اس جلالت علمی، عظمت و شان سبائی فکر سے متاثر ہو گئے تو آخر آپ ان کی اس سبائی فکر سے متاثر کیوں نہ ہوئے؟

عجب پھنسا ہے سینے والا چاک داماں کا

جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ٹانکا تو یہ ادھڑا

ہم طاہر ہاشمی کے خلاف کیوں؟

مفتی نجیب اللہ صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم طاہر ہاشمی کو کیوں رد کر رہے ہیں۔؟ کمنٹ میں اور پرسنل میں ہم سے بعض دوست بار بار یہ بات پوچھ رہے ہیں کہ آخر طاہر ہاشمی سے آپ کا اختلاف کیا ہے؟

تو جواب سنیں!

طاہر ہاشمی صحابہ کرام کا نام استعمال کر رہا ہے طاہر ہاشمی خود کو مسلمان ہونے کا دعوے دار ہے تو پھر ہمارا ان سے اختلاف کیا ہے؟

طاہر ہاشمی کے بقول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ایک متنازع شخصیت ہیں یعنی وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ امت مسلمہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے اور امت مسلمہ کی مندرجہ ذیل بڑی بڑی شخصیات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص اور تحقیر کا ارتکاب کیا ہے۔

طاہر ہاشمی اور اسکے یزیدی و ناصبیت زدہ ٹولے کا نظریہ

اسکی نظر میں امت مسلمہ کے مندرجہ ذیل بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ تھے۔

(1) بخاری کے راوی عبد الرزاق

(2) تفسیر کبیر کے مصنف امام رازی

(3) مستدرک حاکم کے مصنف

(4) ھدایہ کے مصنف

(5) علامہ تفتازانی

(6) سید شریف جرجانی

(7) مولانا عبد الرحمن جامی

(8) ملا علی قاری

(9) شاہ عبد الحق محدث دہلوی

(10) ملا جیون

(11) قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(12) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

(13) بانیٔ دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی

(14) فقیہ الھند مولانا رشید احمد گنگوہی

(15) علامہ انور شاہ کشمیری

(16) ابو حنیفہ ثانی مفتی کفایت اللہ دھلوی

(17) مولانا ابو الکلام آزاد

(18) امام اھلسنت مولانا عبد الشکور لکھنوی

(19) آغا شورش کاشمیری

(20) مولا سعید احمد اکبر آبادی

(21) شیخ الحدیث مولا عبد الرشید نعمانی

(22) مولانا امین صفدر اکاڑوی

(23) قاضی مظہر حسین

(24) سید نفیس الحسینی

(25) مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل

(26) اور مولا ضیاء القاسمی نے غلام حسین نجفی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا تھا۔

(27) اور مولانا اعظم طارق شہید شیعت سے متاثر تھے۔ رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین فالعیاذ باللہ۔

درحقیقت یہ ناصبی ٹولہ اپنے پیٹی بند بھائی رافضی کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ دنیا میں کوئی مسلمان تو درکنار کوئی اسلامی پیشوا بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحیح نہیں مانتا۔ فالعیاذ باللہ۔

واضح لفظوں میں یہ گندہ نظریہ رافضیت کے کفریہ اور نظریہ تبرا کی حمایت ہے۔

جس سے روافض کو یہ رستہ مل رہا ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ خود مسلمانوں میں ہی ایک متنازعہ شخصیت ہیں۔گویا طاہر ہاشمی کسی سنی عالم کی تردید کر کے اسلام کی خدمت نہیں کر رہا بلکہ وہ روافض کے اس مقصد اور اس نظریے کو تقویت پہنچا رہا ہے کہ جس نظریے سے وہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک متنازعہ شخصیت ہیں ہم طاہر ہاشمی کو اس لئے رد کر رہے ہیں کہ ہمارے سادہ مسلمان بھائیوں کو یہ بات پتہ چلے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ایک غیر متنازع شخصیت، ایک جلیل القدر صحابی اور امت مسلمہ کے ایک عظیم لیڈر جناب نبی کریم ﷺ کے برادر نسبتی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کے برادر مکرم حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادے اور ایک بہت بڑی اسلامی حکومت کے خلیفہ اور اسلام کے ایک عظیم الشان انسان تھے۔

لیکن طاہر ہاشمی ہمارے یہ سب کہنے کے باوجود ہمیں توہین صحابہ کا مرتکب کہہ رہا ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ درحقیقت روافض کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔

دوسری وجہ:

اور قارئین کو یہ بات سن کر انتہائی حیرت ہوگی کہ طاہر ہاشمی کی کئی سالوں کی محنت کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں جس بھی عالم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں کوئی تحریر یا کتاب لکھی ہے یا روافض کے رد میں کوئی کام کیا ہے یا تقریر اور تحریر میں شیعیت کا رد کیا ہے یا روافض کو جواب دیا ہے وہ توہین صحابی کا مرتکب ہوا ہے۔طاہر ہاشمی نے اپنی کتاب میں صرف انہی بزرگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ کہا ہے۔

کبھی اس نے ان بزرگوں پر گستاخئ امیر معاویہ کا الزام نہیں لگایا جن بزرگوں نے ان تین میں سے کوئی کام نہ کیا ہو اس کی رافضیت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟

طاہر ہاشمی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”وفات شدہ گان میں یقینا بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جو زندگی بھر ”مدح صحابہ“ ورد قدح صحابہ کی تحریک میں مصروف ومشغول رہے لیکن انکی زبان وقلم سے سہوا یا لاشعوری طور پر حضرت امیر معاویہ کے خلاف انکی توہین وتنقیص پر مبنی کلمات صادر ہوگئے“۔

(سیدنا معاویہ اور انکے ناقد ـ ص ۴۶۴)

نعوذ باللہ۔

مدح صحابہ کی تحریک چلانے والے تو توہین صحابہ کے مرتکب ہوگئے!!!

اور یہ ”ویلا ہاشمی“ صحابہ کو ماننے والا ٹھہرا۔

استغفراللہ۔

کیا طاہر ہاشمی صاحب نے اکابر پر صرف نقد کیا ہے؟

مفتی صاحب اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ ان کے چاہنے والے یہ تاویل کریں کہ انہوں نے ان پر صرف نقد کیا ہے گستاخی یا اس قسم کا دوسرا کوئی جارحانہ لب ولہجہ اختیار نہیں کیا تو اس تاویل کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیں:

طاہر ہاشمی نے اکابر کو صرف ناقد نہیں بلکہ گستاخ لکھا ہے جس نے بھی طاہر ہاشمی کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اور خاص طور پر ناقدین امیر معاویہ کتاب کا تو ناصبیت زدہ ٹولہ انکو فریب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ انکے گرو طاہر ہاشمی نے اکابر کو گستاخ تھوڑی کہا ہے صرف ناقد ہی تو کہا ہے۔اس بات کی وضاحت کے مندرجہ ذیل عبارات پڑھیں۔حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔جسمیں خود طاہر ہاشمی نے اقرار کیا ہے کہ اکابر صرف ناقد نہیں بلکہ گستاخ صحابہ ہیں۔

حوالہ۔نمبر۔1

طاہر ہاشمی لکھتا ہے:”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سنی ناقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب کے علاوہ طعن کی جملہ قسمیں بھی پائی جاتی ہیں۔ناقدین۔صفحہ۔12

حوالہ نمبر۔2

زیر نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہ فضائل ومحاسن میں تو ہرگز شمار نہیں ہوسکتے ان کا شمار یقینا توہین وتنقیص ہے عیب چینی اور عیب جوئی میں ہی میں ہوگا جو ان کی صریح توہین وتنقیص پر دلالت کرتے

ہیں ۔ناقدین ۔صفحہ۔ 13

حوالہ نمبر۔3

علاوہ ازیں تصوف تفضیلیت اور شیعیت نوازی کے روپ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں ۔ناقدین ۔صفحہ۔ 11

حوالہ نمبر۔4

معلوم نہیں کہ یہ ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کے تیر برسا کر کس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ناقدین ۔ص۔ 15

حوالہ نمبر۔5

زیر نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تنقیص پر مبنی اکابر کے جو اقوال پیش کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں ان کی تاویل" خطاء اجتہادی" کے مفہوم سے ہرگز نہیں کی جا سکتی کاش کہ یہ اکابر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں "تنقیصی الفاظ" استعمال کرنے کے بجائے اپنے قلم کو خطائے اجتہادی کی اصطلاح تک ہی روک لیتے جس میں تحقیر و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا لیکن صد افسوس کہ وہ اس پر اکتفا نہ کر سکے ۔ناقدین ۔ 22

حوالہ نمبر۔6 اکابر کے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی کے بارے میں یہ "تنقیصی کلمات" خود انکی بار بار شائع ہونے والی کتب سے ماخوذ ہیں ۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۔صفحہ۔ 454

حوالہ نمبر۔7

اسی طرح یہاں "توہین و تنقیص" پر مبنی کلمات کے بارے میں قائلین کی" نیت ومراد" کا سہارا بھی نہیں لیا جا سکتا ۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۔صفحہ۔ 452

حوالہ نمبر۔8

اکابر کے زیر بحث کلمات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف" سبائی پروپیکنڈے" سے متاثر ہو گئے ہیں اور یہ خیال کچھ بعید بھی نہیں ہے ۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ۔صفحہ۔ 454

ان حوالہ جات سے صاف واضح ہے کہ موصوف اکابرین اہلسنت و علماء اہلسنت کو سبائی

پروپگینڈے سے متاثر ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کی توہین و تنقیص کا مرتکب اور غلام حسین نجفی سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جانے والا قرار دے رہے ہیں ۔معاذ اللہ ۔اب خود پروفیسر صاحب ہی کی زبانی میں اہل سنت کے خلاف اس قسم کا جارحانہ انداز کوئی شیعہ ہی اختیار کر سکتا ہے ۔

اسلاف کے خلاف طاہر ہاشمی کا بے باک قلم

ہم یہاں طاہر ہاشمی کے مودودیت زدہ قلم کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں اور فیصلہ ان اکابر کے چاہنے والوں پر چھوڑتے ہیں کہ ان اکابر پر ایسی جرح لکھنو کے امام باڑے اور بریلوی کے بدعت کدہ سے تو ہو سکتی ہے خود کو اسلاف کا جانشین، دیوبندی اور اہل سنت کہنے والا اہل سنت ہی کے اکابر پر اس قسم کے سوقیانہ الزام تراشی نہیں کر سکتا۔

امام المحدثین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر طاہر ہاشمی نے مروان جیسے بدبخت بدعمل ظالم کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت کرنے کیلئے پوری کتاب لکھی اور اس میں یہ جھوٹ لکھا:

''وہ یعنی سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں''۔

(مروان بن حکم، ص ۸)

اب شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہلسنت کے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ''مدار الحدیث'' ہیں کا نظریہ مروان کے بارے میں یہ نقل کرتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا شمار شاہ صاحب کے نزدیک صحابہ و تابعین تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ موصوف مرتکب کبیرہ اور فاسق کو تو مستحق لعنت نہیں سمجھتے جبکہ حضرت مروان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستحق لعنت ہی نہیں بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے ہیں گویا حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا درجہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ، باغی اور فاسق سے کچھ زیادہ ہی ہے''۔

(مروان، ص ۱۹۰)

مزید لکھتے ہیں:

''سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو نہ صرف ''برا'' کہنے کی اجازت دی بلکہ خود بھی اپنے فتاویٰ عزیز کامل میں دو مرتبہ۔۔۔میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ''علیہ اللعنۃ'' اور شیطان لکھا ہے''۔

(مروان، ص ۲۷۲، ۲۷۳)

طاہر ہاشمی جواب دینا پسند کریں گے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قسم کی سخت جرح کرنے کے بعد خود حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کیا ہوئے؟

محدث العصر حضرت امام انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

موصوف نے شیعہ کی پیروی میں حضرت محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری پر معاذ اللہ تحریف قرآن کا الزام لگایا حضرت امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شہید اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو منہ توڑ جواب دیا اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے حضرت شاہ صاحب کا دفاع کرتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ اس عبارت میں فیھا کو فیہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اہل تشیع شاہ صاحب پر تحریف قرآن کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اب ان بزرگوں کی اس تاویل کی رو سے اگر استاذ کی برات کریں تو شاگرد (مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔ ساجد) تحریف قرآن کا قائل نظر آتا ہے اور اگر شاگرد کو بے قصور ٹھہرائیں تو پھر استاذ پر گھناؤنا الزام عائد ہوتا ہے۔ لیکن شاگرد نے تو فیض الباری شرح صحیح بخاری میں اپنے استاذ ہی کے فرمودات نقل کئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ لفظی تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں یا معنوی کے ہر دو صورتوں میں امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کی تاویلات کی روشنی میں اشکال برقرار ہے''۔

(سیدنا مروان بن حکم، ص ۳۳۷)

آخری جملہ پر غور کریں: ''اشکال برقرار ہے'' یعنی شیعہ نے جو حضرت محدث کشمیری پر معاذ اللہ تحریف قرآن کا الزام لگایا ہے وہ برقرار ہے۔ اس وقت ہاشمی صاحب کی جہالتوں، خباثتوں، کا رد کرنا مقصود نہیں ورنہ ان شاء اللہ انہوں نے جو خامہ فرسائی کی اس کا ایسا بھرکس نکالتے کہ یاد رکھتے سر دست آنجناب سے صرف یہ سوال کرنا مقصود ہے کہ معاذ اللہ اگر آپ کے بھائی شیعہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر تحریف قرآن کا الزام لگاتے ہیں اور وہ الزام اتنا درست ہے کہ دفاع کے باوجود

بھی اشکال باقی ہے تو معاذ اللہ اسی محرف قرآن حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ اپنا فکری و روحانی پیشوا، صالح کہہ کر ان پر فخر کر چکے ہیں تو ایسے شخص کو بڑا امان کر آنجناب خود کیا ہوئے؟

ایک اور جگہ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر برستے ہوئے لکھتے ہیں:

’’کیا مذکورہ عبارت میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ترین توہین اور تنقیص نہیں پائی جاتی؟ کیا اکابر پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اس غارت ایمان عبارت کو قبول کر لینا چاہئے‘‘۔

(سیدنا مروان، ص ۱۹)

جی بالکل قبول کر لینا چاہئے کیونکہ مروان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ صحابہ کا قاتل شقی بدبخت تھا اس کے بارے میں جو ’’اکابر‘‘ نے کہا دلائل کی روشنی میں ہمیں واقعی اس پر ’’اندھا اعتماد‘‘ ہے، لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ ان گستاخان صحابہ کو اپنا فکر پیشوا کہہ کر آپ اپنا ایمان غارت کر چکے ہیں پہلے اس کا جواب دیں۔

اس کتاب میں دیگر بھی کئی جگہ حضرت محدث کشمیری اور ان کے داماد مولانا احمد رضا بجنوری پر جگہ جگہ تبرا بازی کی گئی ہم نے صرف چند مثالیں دل پر بوجھ رکھ کر لکھ دی ہیں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

موصوف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر صحابہ کی توہین کی فرد جرم یوں عائد کرتے ہیں:

’’مذکورہ عبارت میں موصوف نے جو انداز و لب و لہجہ اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز فاتح عرب و عجم خال المسلمین مدبر اسلام بانی اسلامی بحریہ کاتب وحی اور امیر المومنین سیدنا معاویہ کے شایان شان نہیں ہے بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہؓ اور ان کے موقف کے حامی دیگر صحابہ و تابعین کی صریح توہین و تنقیص کے زمرے میں آتے ہیں‘‘۔

(سیدنا مروان، ص ۱۹۷، ناقدین معاویہ، ص ۱۷۰)

آگے حضرت پر برستے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بہرحال حضرت گنگوہی نے چودہ صدیاں بعد فاسد نیت اور صریح خباثت کا فتویٰ صادر کر کے شرعی حدود سے یقیناً تجاوز کیا ہے‘‘۔

(مروان، ص ۱۹۹)

نیز ہاشمی صاحب جگہ جگہ حضرت مولانا گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ’’موصوف‘‘ جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اہل قلم حضرات جانتے ہیں کہ ہمارے عرف میں یہ اصطلاح کس قسم کے فریق کیلئے استعمال کی جاتی ہے؟۔

بہرحال موصوف جس کو توہین صحابہؓ کا مرتکب کہہ رہے ہیں انہی کو اپنے شجروں میں بھی فخر سے ذکر کر رہے ہیں اس دورنگی کی وضاحت موصوف پر قرض ہے۔

مفتی اعظم پاکستان سمیت اکابر کے ایک پورے پینل پر گستاخی کا فتویٰ

موصوف حضرت مفتی اعظم پاکستان کو اماں عائشہؓ کا گستاخ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جہاں تک عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت کا مسئلہ ہے تو حضرت مفتی صاحب (مفتی رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ) کے ساتھ مکمل اتفاق ہے اور ذرہ بھر بھی کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کتاب میں زیر عنوان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل از ص ۳۵ تا ص ۴۴ بعض مندرجات کے ساتھ شدید اختلاف ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سخت توہین پائی جاتی ہے۔ پھر زیادہ حیرت ان جید اور ممتاز علما کرام پر ہوئی جنہوں نے اس مضمون کی تصدیق و تائید کی چنانچہ کتاب مذکور کے آخر میں تصدیق کنندگان کے تحت مندرجہ ذیل علما کرام کے اسما گرامی درج ہیں

(۱) حضرت مولانا مفتی ولی حسن

(۲) مولانا مفتی رشید احمد

(۳) حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

(۴) حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانوی صاحب

(۵) حضرت مولانا اطہر نعیمی

(حدیث حواب کا مصداق، ص ۷،۸)

’’حضرت مفتی صاحب نے حضرت عائشہؓ پر اہل تشیع کے عائد کردہ الزامات کو صحیح سمجھ کر آں

معظمہؓ کے موقف کو غلط قرار دے دیا ہے“۔

(حدیث حواب، ص ۵۵)

”تعجب ہے کہ حضرت مفتی اعظم صاحب ام المومنینؓ کے ہی جائز، صحیح، اور شرعی مطالبے پر بھی آں معظمہؓ کے اقدام کی بتکرار تغلیط فرما رہے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت ان علمی حلقوں اور علما کرام پر ہے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے متعلق مبنی بر توہین اور دل آزار مضمون کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی تائید و تصدیق کی“۔

(حدیث حواب، ص ۷۰، ۶۹)

”حضرت مفتی اعظم صاحب اور جناب مولانا لدھیانوی صاحب کے مضمون سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عائشہؓ صحابہؓ کی رائے سے متاثر و مغلوب ہوگئیں اور انہوں نے آں معظمہؓ کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا نیز جب ام المومنینؓ نے بصرہ روانگی کے بعد راستہ سے واپسی ہونے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکیں۔۔ اس جملے میں جہاں ام المومنینؓ کی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے وہاں اکابر صحابہؓ پر الزام عائد ہو رہا ہے“۔

(حدیث حواب، ص ۱۰۲)

اس کے علاوہ بھی اس شخص نے جگہ جگہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ اور ان کی تائید کرنے والے دیگر اکابر اہلسنت پر تبرا کیا کہ وہ سبائی سازش کا شکار ہو گئے شیعوں کے ہم نوا ہیں، اماں عائشہ کے گستاخ ہیں معاذ اللہ۔ مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوگیا کہ موصوف نے پورا زور اس بات پر لگا لیا کہ حضرت مفتی اعظم پاکستان معاذ اللہ حضرت اماں جی عائشہ صدیقہؓ کی گستاخی و توہین کے مرتکب ہیں۔

میرا قارئین کرام سے سوال ہے کہ کیا آپ حضرت مفتی اعظم صاحب کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا اس نے تاثر دیا؟ اگر نہیں تو پھر کیا یہ آدمی اپنی کتب سمیت در برد کرنے کے لائق نہیں؟

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ما قبل میں آپ نے پڑھ لیا کہ حدیث حواب کی خود ساختہ تشریح کے ذیل میں ان پر بھی

گستاخی کا الزام موصوف نے لگایا لیکن اپنی ایک اور کتاب ”سیدنا مروان“ میں ہاشمی صاحب نے کھل کر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تبرا بازی کی مثلاً ص ۵۰۹ میں انہیں ”صریح کذب و افترا“ کی اشاعت کرنے والا کہا۔ ص ۵۱۰ پر انہیں ”پاکباز صحابیات پر بہتان عظیم“ کا مرتکب ثابت کیا معاذ اللہ۔ ص ۵۱۳ پر انہیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کفی بالمرء یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات پر یقین کرلے کا مصداق ٹھرایا معاذ اللہ۔

اور آخر میں تو شرم و حیا کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو صحابیات پر زنا کا الزام لگانے کے جرم میں ”حد قذف“ کا مرتکب ٹھرا کر انہیں اسی ہزار کوڑوں کی سزا کا مستحق قرار دیا۔ العیاذ باللہ۔

(ملاحظہ ہو سیدنا مروان بن حکم، ص ۵۱۹، ۵۲۰)

معارف السنن بنوری اور کشف الباری کے بارے میں لب ولہجہ

موصوف معارف السنن کے مولف حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ادارے علامہ بنوری ٹاون اسی طرح کشف الباری اور اس کے مولف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے عظیم ادارے جامعہ فاروقیہ کو اپنے نشانے پر لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر ایسا مکروہ ترین اور گھٹیا ترین الزام چودہ صدیوں کے بعد کسی دینی و مذہبی ادارے یا کسی دار العلوم کے اساتذہ و طلبہ یا کسی روحانی خانقاہ یا مذہبی جماعت کے قائدین، معتقدین پر عائد کیا جائے تو ان کی آنکھوں میں بھی خون اتر آئے اور مرنے مارنے پر تل جائیں۔ جب کہ یہی الزام قرن اول کے اخیار الناس و اخیار امت اور پاکباز تابعیات کے معاملے میں نہ صرف یہ ہے کہ کمال تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے برداشت کیا جارہا ہے بلکہ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اسے معارف السنن اور کشف الباری جیسی کتب حدیث کے توسط سے آنے والی نسلوں کو منتقل بھی کیا جارہا ہے“۔

(سیدنا مروان، ص ۵۲۱، ۵۲۲)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"کاش معارف السنن شرح ترمذی اور صحیح بخاری کی شرح کشف الباری میں اس توہین آمیز عبارت کا ذکر ہی نہ کیا جاتا۔ اے کاش ان کا قلم یہ تفصیلات لکھنے سے عاجز آجاتا"۔

(سیدنا مروان، ص ۵۰۸)

سوال یہ ہے کہ جب ان کتابوں میں توہین آمیز عبارات ہیں تو آخر ان کے لکھنے والے کون ہوئے؟ نیز ان کتب وکتب شیعہ میں کیا فرق رہا؟

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

موصوف اپنی کتاب میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب کو اپنے خود ساختہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ان پر لعنت کرنے کے جرم عظیم کا مرتکب ٹھہرانے کے بعد (ص ۵۳۱) ان کے کلام پر "بے موقع، بے محل، لغو، باطل" کی فرد جرم عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عسقلانی، سہارنپوری اور نعمانی کو حضرت مروان ؓ کے قریشی لڑکوں پر لعنت کرنے کی وجہ سے تعجب ہو رہا ہے۔ انصاف اور حق کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس بالکل بے موقع، بے محل، اور لغو، باطل، اور موضوع روایات کے ذریعے حضرت حکم ؓ اور ان کی اولاد کو ملعون کہنے پر سخت تعجب ہو رہا ہے"۔

(سیدنا مروان، ص ۵۳۲)

اگر بالفرض کسی نے غلط فہمی پر کسی پر کلام کر بھی دیا تو کیا اصاغر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کا رد یوں کریں؟

اسی کتاب میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پر یوں پھبکی کستے ہیں:

"ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کی تعصب وعناد پر مبنی یہ توجیہ"۔

(سیدنا مروان، ص ۵۳۰)

اکابر پر جھوٹ اور تعصب کا الزام

پروفیسر صاحب کی زبان ملاحظہ ہو:

"حضرت مروان ؓ کے متعلق ایک رائے تو وہ ہے جس کا اظہار تیرہ چودہ سو سال کے بعد شاہ

عبد العزیز، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری نے محض تعصب اور جھوٹے اور من گھڑت الزامات کی بنیاد پر کیا"۔

(سیدنا مروان، ص ۴۵۸)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور جامعہ فاروقیہ کے جملہ اساتذہ پر فرد جرم

موصوف لکھتے ہیں:

"اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور متخصصین نے بھی حضرت مفتی صاحب کے تغلیطی قول کی تغلیط نہ کر کے گویا ان کے فتوی کی تصدیق وتائید کر دی اس طرح حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ کے ساتھ کفایت المفتی کے جامعین ومرتبین اور دیگر تصدیق کنندگان بھی صحابہ کرام ؓ کے ساتھ "سوظن" کے جرم میں برابر کے شریک ہوئے"۔

(ناقدین حضرت معاویہ ؓ، ص ۱۹۶)

امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام المتکلمین علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ طاہر ہاشمی کے نشانے پر

طاہر ہاشمی درس نظامی میں شامل عقائد کی معروف، مستند ومتداول کتاب شرح عقائد کی ایک عبارت پر اپنی جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ"۔

(شرح عقائد ص ۱۱۷)

ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اس کے سارے یاروں مددگاروں پر۔

علامہ تفتازانی کے اس عقیدے میں سیدنا معاویہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم واضح تبرا اور لعنت کی گئی ہے۔ اعوان وانصار کے عموم سے ان حضرات کو کون مستثنی

کر سکتا ہے۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ص ۳۱۶، ۳۱۷)

طاہر ہاشمی کے دل میں اہل سنت کا بغض اس قدر موجزن ہے کہ خواہ بات کوئی بھی ہو اس نے کھینچ تان کر تان یہی توڑنی ہے کہ اس نے گستاخی کر دی۔ سوال یہ ہے کہ اگر علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اس قدر شدید توہین کی ہے تو اس کتاب کو پڑھنے والے، اسی درس نظامی میں داخل کرنے والے اور آنجناب کی طرح اسے رحمۃ اللہ علیہ لکھنے والوں کا کیا حکم ہے؟

اور یہ بھی عجیب کوڑھ مغزی ہے کہ اعوان و انصار میں حضرت امیر معاویہؓ و حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور صحابہ و تابعین داخل ہیں۔ یہ عبارت شہادت حسینؓ پر بحث کے بارے میں علامہ تفتازانی لائے ہیں اگر طاہر ہاشمی کی غیرت مر نہیں چکی تو ثابت کرے کہ شہادت حسینؓ میں حضرت امیرؓ یا کوئی دیگر صحابی شامل تھا۔ بہرحال اس وقت علامہ تفتازانی کا دفاع اور ہاشمی کی جہالت پر گفتگو مقصد نہیں۔ اب آیئے اصل مقصد کی طرف۔ امام اہلسنت مولانا عبد الستار صاحب تونسوی رحمہ اللہ نے یہی عبارت ایک شیعہ کے سامنے اپنے عقیدے کے طور پر پیش کی ملاحظہ ہو:

''مولوی اسمعیل صاحب حسب فرمان جناب علی المرتضیٰ حضرات خلفا ثلاثہؓ کو مان لیں اور یزید کے متعلق یہ خوف نہ کھائیں کہ یہ اہل سنت کا امام و پیشوا ہے یہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے دیکھئے اہل سنت کی عقائد کی کتب نبراس (شرح عقائد نسفی) کے ۵۵۳ پر لکھا ہے:۔

واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به واجازه ورضی به

ترجمہ: اور ہمارے علما ان لوگوں پر لعنت کرنے کے جواز پر متفق ہیں جنہوں نے امام حسینؓ کو قتل کیا یا امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا یا امام حسینؓ کے قتل کی اجازت دی اور ان کے قتل پر راضی و خوش ہوئے۔

اور اس کے بعد اسی نبراس کے ص ۵۵۴ پر ہے

لعنة الله علیه وعلی اعوانه وانصاره

ترجمہ: اللہ کی لعنت ہو یزید پر اور اس کے معاونین اور مددگاروں پر جنہوں نے امام حسینؓ کو شہید کرنے میں اس کی امداد کی''۔

(مناظرہ باگڑ سرگانہ ص ۲۱۶)

وہی عبارت امام اہلسنتؒ نے پیش کی جسے طاہر ہاشمی جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کی توہین پر مشتمل سمجھ رہے ہیں۔ اب جواب دیں کیا علامہ تفتازانی اور تونسوی جلیل القدر صحابہ کی گستاخی کے مرتکب ہوئے؟

طاہر ہاشمی اپنے ہی فتوے کی زد میں

موصوف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''علامہ سعد الدین تفتازانی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں''۔

(تذکرہ امیر معاویہ ص ۳۵۵)

اور پھر علامہ تفتازانیؒ سمیت کچھ علمائے اہلسنت کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ زیر نظر کتاب کا مطالعہ ''سلف صالحین'' کے مذکورہ بالا ارشادات اور قرآن مجید کے درج ذیل حکم کی روشنی میں کریں''۔

(تذکرہ امیر معاویہ ص ۳۵۶)

گویا موصوف کے نزدیک علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ''سلف صالحین'' یعنی امت کے نیکوکاروں میں سے ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب کے ص ۵۵۳ پر تفتازانی کیلئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھ کر ترحم ربانی کی دعا مانگتے ہیں۔

مگر موصوف ایک اور جگہ لکھتے ہیں؛

''لیکن قسطلانی اور تفتازانی کے مذکورہ عقیدہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر صحابہ و تابعین پر واضح تبرا اور لعنت کی گئی ہے''۔

(تذکرہ امیر معاویہ ص ۸۲)

قارئین کرام! ہمارا تو عقیدہ ہے کہ جو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر لعنت کرے اس سے بڑا لعنتی ملعون یہودی بدبخت کوئی نہیں۔ مگر طاہر ہاشمی اسی تفتازانی کو جو معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد بقول طاہر ہاشمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر واضح تبرا اور

لعنت کر رہا ہے اسے صلحائے امت میں شمار کر رہا ہے اس کیلئے ترحم کی دعا مانگ رہا ہے۔اب میرا یزیدیوں ناصبیوں طاہریوں سے سوال ہے کہ جو امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر لعنت کرنے والے کو صلحائے امت میں شمار کرے تمہارا اس پر کیا فتوی ہے؟ اگر امیر معاویہ پر لعنت کرنے والے بھی صلحائے امت ہو سکتے ہیں تو شیعوں کا کیا قصور ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ جس قسطلانی کو وہ اس جرم میں شریک کہہ رہے ہیں خود اس کا ذکر یوں کرتے ہیں: ”علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ“۔

(تذکرہ امیر معاویہ،ص۱۲۰)

پھر موصوف خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

”اب وہ لوگ جو ایسی جلیل القدر شخصیت کے ساتھ بغض وعناد رکھتے ہیں یا ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں یا ان کی توہین وتنقیص کرتے ہیں وہ یقینا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی توہین اور تکذیب کے مرتکب ہو رہے ہیں“۔

(تذکرہ امیر معاویہ،ص۱۲۱)

اب معاذ اللہ لعنت سے بڑی توہین وتنقیص کیا ہو سکتی ہے؟ گویا بقول طاہر ہاشمی تفتازانی و قسطلانی اللہ ورسول ﷺ کی توہین وتکذیب کے مرتکب ہوئے (معاذ اللہ) اور اللہ ورسول ﷺ کی توہین وتکذیب کا مرتکب کسی طرح مسلمان نہیں ہو سکتا۔ایسے گستاخوں کو صلحائے امت کہنے والا خود اللہ ورسول ﷺ کی توہین وتکذیب کرنے والا لعنتی جہنمی ہے۔اگر طاہر ہاشمی میں جرات ہے تو خود کو اس کفر کی دلدل سے نکال کر دکھائے۔فھل من مبارز

اہل السنۃ والجماعہ (سپاہ صحابہؓ) کے قائدین پر الزام تراشیاں

الحمد للہ اہل سنت والجماعت اہل حق کی جماعت ہے۔جس سے اس دور میں اللہ تعالی نے دفاع صحابہؓ اور رد دشمنان صحابہؓ کا وہ عظیم کام لیا ہے۔جو صدیوں میں بھی نہ ہو سکا۔جماعت کی مقبولیت کے پیش نظر بعض ناصبیت زدہ نوجوان جو ”سپاہ صحابہؓ“ کو آڑ بنا کر اپنی ناصبیت پھیلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔حالانکہ جماعت کے کئی قائدین سے اور نظریاتی کارکنان سے

بندے کے ذاتی روابط ہیں جو اہل بیت، جملہ صحابہ، رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور یزید پلید کے بارے میں وہی موقف رکھتے ہیں جو اکابر علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔پروفیسر طاہر ہاشمی کے چاہنے والوں میں سے بعض ناصبی سوشل میڈیا میں اپنی نسبت جماعت کی طرف کرکے لوگوں کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔لہٰذا احباب کی خواہش پر ایسے تقیہ باز لوگوں کے منہ سے نقاب ہٹانے کی غرض سے بندہ اس مضمون میں پروفیسر طاہر ہاشمی کے وہ سوقیانہ، گستاخانہ اور جارحانہ اقتباسات پیش کر رہا ہے جو اس ظالم نے اس جماعت کے قائدین کے بارے میں اپنی کتب میں لکھے ہیں۔

قارئین کرام پروفیسر طاہر ہاشمی نے اپنی کتاب ”تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ مع سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ، مطبوعہ ادارہ مطبوعات سلیمانی طبع اول اپریل ۲۰۱۰“ میں بڑے فخر سے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میں نے پیر محمود شاہ محدث ہزاروی کے خلاف آٹھ سال تک حضرت امیر معاویہؓ کی ناموس کیلئے مختلف عدالتوں میں مقدمات لڑے۔اسی طرح اس کتاب کے مقدمہ نگار نے حضرت امیر معاویہؓ کے دفاع میں اس کتاب کے لکھے جانے پر پروفیسر صاحب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

میرا ایک عام سا سوال ہے کہ پروفیسر طاہر ہاشمی نے اگر صرف آٹھ سال کسی عدالت میں گستاخ صحابی کے خلاف کوئی مقدمہ لڑ لیا اور ایک صحابی رسول ﷺ کے دفاع میں چند سو صفحات کی ایک کتاب لکھ لی تو خود پروفیسر صاحب اور ان کے حواری اس بات پر پھولے نہیں سمارہے ہیں کہ اس سے بڑا ناموس صحابہؓ کے دفاع کرنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا اس نے سبائیوں رافضیوں کی ناک میں نکیل ڈال دی یہ اہلسنت کا سب سے بڑا چیمپئین ہے۔

تو سپاہ صحابہؓ کے ان قائدین جنہوں نے صرف ایک محدث ہزاروی نہیں بلکہ لاکھوں سبائیوں کے خلاف مقدمہ لڑے، ان کی زبانوں کو لگامیں دیں، جنہوں نے ہاشمی صاحب کی طرح صرف کتاب ہی نہیں لکھی بلکہ پوری جماعت صحابی کی ناموس کیلئے جیلیں کاٹیں، کوڑے کھائے، بچے یتیم کئے، پھانسی کے پھندوں کو چوما، بموں اور گولیوں سے جسموں کو چھلنی کیا، ایسے اولوالعزم اور صحابہؓ کے عاشقوں کو اگر آج کوئی معاذ اللہ شیعہ افکار سے متاثر کہہ دے انہیں غلام حسین نجفی سے بڑا گستاخ

کہہ دے اس سے بڑا ظالم کوئی اور ہوگا؟

ایک آدمی نے ساری زندگی مرزائیت کے رد میں کام کیا لیکن کوئی اس کے مرنے کے بعد کہہ دے کہ وہ تو معاذ اللہ مرزائی نواز تھا، خود مرزا کے عقائد سے متاثر تھا!!! کیا اس سے بڑا ظلم اور کسی کی قربانیوں کا مذاق ہوسکتا ہے؟

پروفیسر طاہر ہاشمی وہ انسان ہے جس نے سپاہ صحابہ کے قائدین پر یہ تبرا بازی کی کہ وہ تو خود شیعی افکار سے متاثر تھے، وہ تو گستاخیوں میں معاذ اللہ غلام حسین نجفی سے بھی بڑھ کر تھے۔ معاذ اللہ۔ ایسی مقدس شخصیات کے بارے میں اس قسم کی زبان کوئی رافضی ملعون تو استعمال کرسکتا ہے صحابہ کا عاشق نہیں۔ حیرت ہے آج اگر ہم طاہر ہاشمی کو ناصبی کہہ دیں تو اس کے حواری ہم پر رافضیت کا الزام لگا دیں کہ اہلسنت کو ناصبی رافضی ہی کہتے ہیں تو ساری زندگی صحابہ کے ترانے گانے والوں کو یہ آدمی اگر شیعہ افکار سے متاثر اور غلام حسین نجفی ملعون مردود سے بڑھ کر گستاخ لکھ دے تو میں اسے رافضی سبائی کیوں نہ کہوں؟

بہرحال میں اب مزید آپ کا وقت نہیں لوں گا اور طاہر ہاشمی کے وہ دل آزار اقتباسات دل پر بوجھ رکھ کر آپ کے سامنے پیش کرنے جارہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خطیب اسلام علامہ ضیاء القاسمی رحمہ اللہ

''خطیب پاکستان ترجمان اہل سنت اور چیئرمین سپریم کونسل سپاہ صحابہ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی اپنی بے نظیر اور محققانہ کتاب ''خطبات قاسمی'' (جس نے علماء وخطباء کے لیے جمعہ پڑھانا آسان کردیا ہے) میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے پر خطیبانہ جوہر دکھاتے ہوئے زیرعنوان ''ہندہ کا وعدہ'' فرماتے ہیں''

(تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص:49)

''یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے یہاں تلبیس سے بھی کام لیا ہے''

(تذکرہ امیر معاویہ۔ص 49)

''خطیب کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا کیونکہ عبداللہ بن سبا کی روح ابھی تک پوری خوش نہیں ہوئی کاش کوئی خطیب کے ''گوڈے پھڑ لیتا'' لہذا خطیب جلال کے نقطہ عروج پر دکھائی دیتے ہیں ملاحظہ ہو خطیب کہتا ہے (تبرا کرتے ہوئے برستا ہے) الخ''۔

(تذکرہ امیر معاویہ ص۔50)

نوٹ: بریکٹ کے اندر ''تبرا کرتے ہوئے برستا ہے'' کے الفاظ بھی طاہر ہاشمی ہی کے ہیں۔

''اس خطبے کو بار بار پڑھیئے یقین نہیں آتا کہ یہ تقریر'' ضیاء القاسمی'' صاحب نے جھاڑی ہوگی الفاظ کی بناوٹ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیع کا کوئی'' ضیاء القاسمی'' نامی ذاکر مرکزی امام بارگاہ میں مجلس شریف پڑھ رہا تھا تو مکتبہ قاسمیہ والوں کو اس کی تقریر پسند آگئی تو انہوں نے اس خطبے کو اہل تشیع سے بھاری قیمت وصول کرکے ''خطبات قاسمی جلد اول'' کا حصہ بنادیا پھر اسی کتاب کے آخری صفحہ پر یہ اشتہار بھی دے دیا کہ ''خطباء اور علماء کے لیے جمعہ پڑھانا آسان ہوگیا''۔

(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔صفحہ 51)

''سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی'' مدلل تقریر'' بھی یقینا سیدہ کی توہین پر مبنی ہے۔ چودہ سو سال بعد کسی صحابی یا صحابیہ کا اس طرح ذکر کرنے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں پھر جس واقعے کی بنا پر ان کی توہین وتذلیل کی گئی وہ سراسر جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے حیرت ہے کہ ضیاء القاسمی صاحب نے اسے کس طرح یقینی اور متواتر خیال کرلیا ہے''۔

(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔صفحہ:54)

''جناب ضیاء القاسمی صاحب نے خطبائے اہل سنت پر یقینا احسان کیا ہوگا مگر زیر بحث خطبہ میں موصوف نے غلام حسین نجفی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے چودہ سو سال بعد ایک صحابیہ ایک مجاہدہ آنحضرت ﷺ ساس (جو ماں کا درجہ رکھتی ہیں) کا ذکر اس بھونڈے اور حقارت آمیز انداز کے ساتھ'' اہا اہا ہنستی جاتی منہ بناتی جارہی تھی یہ۔ جگر حمزہ کا دانتوں سے چبارہی تھی یہ۔ جگر تھا اس کا منہ میں، خون باچھوں سے ٹپکتا تھا۔ نہ اترا۔ حلق کے اندر، گلے میں یہ جگر اٹکا۔ بالآخر اس نے اگلا اور زمین پر اس کو دے ٹپکا'' اس کے بعد کس قدر گستاخانہ انداز کے ساتھ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر علمی جواہرات اور خطابت کے شکر پارے (بلکہ غلاظت ونجاست کی پوتھیاں) بکھیرتا ہے کہ ایک مسلمان

کا سر ندامت وشر مندگی سے جھک جاتا ہے۔ ایک ماں کے حضور، پیغمبر کی ماں (ساس)، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے حضور کیا نذرانہ۔۔۔؟ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو! یہ الفاظ کسی عام خطیب کے نہیں ہیں بلکہ سپاہ صحابہ کی سپریم کونسل کے چیئرمین کے ہیں جو ساری زندگی بدعت ورفض کا مقابلہ کرتے کرتے بالآخر غیر شعوری طور پر انہی کے اسیر ہو گئے۔ اور یہ بات قطعا باعث تعجب نہیں ہے ہمارے اکثر علماء وہی "شیعی انداز فکر" اپنائے ہوئے ہیں۔ محرم میں شادی وغیرہ۔ پنج تن پاک۔ امام اور علیہ السلام کے علاوہ دمادم مست قلندر وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں"۔۔۔

(تذکرہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ صفحہ:52

طاہر ہاشمی نے حضرت قاسمی صاحب پر کیا کیا الزامات لگائے:

(۱) تلبیس سے کام لیا
(۲) عبد اللہ ابن سبا کی روح کو خوش کرنے والا
(۳) تبرا کرنے والا
(۴) کسی شیعہ امام باڑے کا ذاکر ضیا القاسمی
(۵) سیدہ ہندرضی اللہ تعالی عنہا کی توہین وتنقیص کرنے والا
(۶) غلام حسین نجفی کا ریکارڈ توڑنے والا
(۷) حضور ﷺ کی ماں کا درجہ رکھنے والی کا بھونڈے اور حقارت سے ذکر کرتا ہے
(۸) غلاظت ونجاست کی پوتھیاں بکھیرتا ہے
(۹) روافض کے اسیر ہو گئے

العیاذ باللہ یہ ہیں وہ سوقیانہ الزامات جو اس نے اکابر سپاہ صحابہ پر لگائے کیا کسی نظریاتی کارکن کی غیرت جاگی یا غیرت ہی مر چکی ہے؟

جرنیل صحابہ حضرت علامہ اعظم طارق شہید رحمہ اللہ

"موصوف (یعنی مولانا اعظم طارق شہید رح) وجد میں آگئے اور فرمایا:" امن ہو یا جنگ ہم

ہیں صدر کے سنگ" اور اب" دمادم مست قلندر ہوگا" یہ خالص شیعی انداز فکر اور سبائی نعرہ ہے کیونکہ اس کا دوسرا حصہ" علی دا پہلا نمبر ہے" شیعیت کے اثرات کہاں کہاں پہنچے ہوئے ہیں لا شعوری طور پر بعض علماء بھی وہی اصطلاحات استعمال کر دیتے ہیں تعجب تو مولانا اعظم طارق صاحب پر ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی" دفاع صحابہ" کے لیے وقف کر رکھی ہے اور دشمن ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے مگر کا شعوری طور پر توہین صحابہ کا ارتکاب ان سے بھی ہو جاتا ہے"

(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفحہ: 52)

"جو بات شیعہ بھی ایسی محفل میں نہیں کہہ سکتا تھا وہ ایک ذمہ دار ممتاز و جید عالم دین سنی (مولانا اعظم طارق شہید رح) نے کہہ دیا آج تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ یزید کو صرف "قتل حسین" کی بنا پر مطعون کیا جاتا ہے اس نے قتل کیا ہے یا نہیں یہ ہماری بحث سے خارج ہے اور پیش بندی کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ" قاتلان حسین اور قاتلان عثمان پر ہزار بار لعنتیں ہوں" یہ ملحوظ رہے کہ جس شخص کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو اس وقت اس پر لعنت کرنا جائز نہیں البتہ عمومی طور پر لعنت کی جا سکتی ہے جیسے قاتلوں پر کافروں پر جھوٹوں پر اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو لیکن مولانا محمد طارق اعظم صاحب نے جو فرد جرم مرتب کیا ہے اس کی زد میں صرف یزید نہیں آتا بلکہ سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین کرام آتے ہیں اس قرارداد میں سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لاتعلق ہونا ثابت کیا گیا ہے علاوہ ازیں شیعی انداز فکر کے تحت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ" امام" کا سابقہ بھی لگا دیا گیا ہے علاوہ ازیں اس قرارداد میں" خیر القرون" کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس سے یقینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن داغدار ہو جاتا ہے"

(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ صفحہ:53 / 54)

طاہر ہاشمی نے مولانا شہید پر جو الزامات لگائے:

(۱) شیعہ افکار سے متاثر تھے
(۲) شیعہ نعرے لگاتے تھے
(۳) توہین صحابہ کا ارتکاب کرتے

(۴) مولانا اعظم طارق صاحب نے سینکڑوں صحابہ پر فرد جرم عائد کی اور ان کا دامن داغدار کیا۔ معاذ اللہ۔

مورخ اسلام علامہ ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمہ اللہ

”کیا اب فاروقی صاحب اور سپاہ صحابہ پاکستان کا ترجمان رسالہ ماہنامہ خلافت راشدہ بھی اس رفض کے پروپیگنڈے کا شکار ہوگیا ہے؟ کیا یہاں بھی رفض اپنا کام کر دکھا گیا ہے؟ جب سپاہ صحابہ کا ترجمان رسالہ بھی رفض کے اثرات سے محفوظ نہیں تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ یا پھر کیا فاروقی صاحب نے قاضی مظہر حسین صاحب کے طعن و تشنیع ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی غالی گروہ“ سے مرعوب ہو کر اپنا سابقہ موقف تبدیل کر دیا ہے؟ بہر حال یہ بات انتہائی قابل افسوس ہے کہ فاروقی صاحب کے زیر سرپرستی شائع ہونے والے اور سپاہ صحابہ کے ترجمان رسالے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام زمرہ خلفائے راشدین سے خارج کر دیئے گئے ہیں وہ بھی محض دو چھٹیوں جیسی انتہائی گھٹیا اور معمولی قیمت پر۔ فیا حسرتا فیا اسفا! اس اداریے کو بار بار پڑھیں یہاں کوئی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی نہ ”صورتا“ اور ”حقیقتا“ کی توجیہ کام دے سکتی ہے اور نہ فاروقی صاحب خلفائے اربعہ کی فضیلت کا سہارا لے سکتے ہیں راقم کے نزدیک ان دور از کار تاویلات نے جہاں ”صفائی“ کا کام دیا ہے وہاں ضلالت اور گمراہی کے لیے بھی راہ ہموار کی ہے“

(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ صفحہ: 206)

طاہر ہاشمی نے جو الزامات لگائے

(۱) فاروقی صاحب اور ان کا ترجمان رسالہ خلافت راشدہ رافضیوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گیا

(۲) سپاہ صحابہ اور اس کا ترجمان رسالہ شیعہ افکار سے متاثر ہے۔

(۳) حضرت حسن و معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما کی گستاخی کی اور ضلالت و گمراہی کا راستہ ہموار کیا۔

یہ ہے وہ غلاظتیں جو اس نے ان عظیم شخصیتوں کے پاک دامن پر بکھیرنے کی ناکام کوشش کی۔ کیا کوئی ادنی سا مسلمان بھی اپنے لئے اس قسم کے الزامات کو برداشت کر سکتا ہے؟ تو پھر وہ

عظیم ہستیاں جنہوں نے اسی راہ میں اپنی جان دے دی ان کے بارے میں ہم یہ الزامات کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ اگر آپ واقعی اس جماعت کے نظریاتی کارکن ہیں تو اپنے حلالی خون کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ان اکابر کی ناموس کا دفاع کرنے کیلئے ہمارا ساتھ دیں اور اس طاہر ہاشمی کے فتنے پر لعنت بھیج کر اس کی گمراہوں سے عوام کو آگاہ کریں۔

ایک ضروری وضاحت

قارئین کرام! یاد رہے کہ طاہر ہاشمی کے قلم سے چودہ سو سال کے کوئی بھی مقتدر شخصیت نہیں بچتی جو ان کے اصول کی روشنی میں توہین صحابہ کرام کا مرتکب نہ ہو۔ موصوف چونکہ اپنی نسبت علمائے دیوبند سے جوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے ہم نے یہاں صرف اکابر دیوبند کا تذکرہ کیا جو ان کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنے۔ یہاں موصوف کی ایک عبارت کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا موصوف لکھتے ہیں:

”تعجب بالائے تعجب یہ کہ ہمارے کچھ علما و مشائخ تو اس صریح کذب و افترا کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں جبکہ باقی حضرات ”سکوت“ اختیار کر کے اس کی تائید و تصدیق کے مرتکب ہیں“۔

(سیدنا مروان، ص ۵۰۹)

اس اصول کی بنیاد پر گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محدث عبد الرزاق ؒ سے لیکر موجودہ اکابر و مشائخ تک جن جن پر موصوف نے گستاخی کا الزام لگایا ۱۲۰۰ سال تک کہ یہ تمام اکابر و اصاغر جنہوں نے ان اکابر پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں لگایا جو موصوف لگا رہے ہیں سب کے سب اس توہین کے مرتکب قرار پائے۔ اب اس کا جواب ہمیں قارئین ہی دیں کہ جس آدمی کی نظر میں بارہ سو سال کے محدثین، مفسرین، فقہا، مشائخ بدترین توہین صحابہ کا مرتکب قرار پائیں کیا وہ خود گمراہ نہیں؟

مولوی اسحق سندیلوی نے طاہر ہاشمی جیسوں کیلئے کیا ہی خوب کہا

طاہر ہاشمی اپنے ایک ہم مشرب کی توثیق کرتے ہوئے ان کا نام ان الفاظ میں لکھتے ہیں:
''مفکر اسلام اسحق سندیلوی''۔
(تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، ص ۱۶۸)

اب طاہری ٹولے کا یہ مفکر اسلام مولانا اسحق سندیلوی مودودی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسلاف خصوصاً صحابہ کرامؓ کی تحقیر اور ان پر بے اعتمادی خود ضلال ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی گمراہیوں کا دروازہ ہے۔ اس سے قطع نظر ہمارے نوجوانوں میں اس بے اعتمادی اور تحقیر اسلاف سے جو جذبہ ''خود حقارتی'' پیدا ہو گا وہ خود ایک مستقل وادی ہلاکت ہے جس میں یہ کتاب انہیں دھکیل رہی ہے''۔
(تجدید سبائیت، ص ۲۵)

سندیلوی صاحب نے یہ تبصرہ مودودی کی کتاب پر کیا تھا مگر اس کا ایک ایک لفظ خود طاہر ہاشمی کی کتابوں پر صادق آ رہا ہے، امام بخاریؒ صحابہ کی ناموس سے ناواقف، امام ابو بکر جصاص حضرت معاویہ کا دشمن و گستاخ، علامہ تفتازانی تبرا باز، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا علی قاری حنفیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت انور شاہ کشمیری، مولانا ضیا القاسمی، مولانا اعظم طارق شہید، مولانا ضیا الرحمن فاروقی شہید، مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی صاحب، شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب، مفتی اعظم پاکستان مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ، محدث عصر مولانا عبد الرشید نعمانی صاحبؒ، امام اہلسنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، وغیرہم یہ سب گستاخان صحابہ پر طعن کرنے والے، روافض سے متاثر، العیاذ باللہ پھر ان کے سینکڑوں ماننے والے ان کی ان بزعم خویش گستاخیوں پر چپ سادھے بھی ان گستاخیوں میں برابر کے شریک، سب اکابر پرست، سب صحابہ کے دشمن، قرآن و حدیث کو سمجھنے والا صحابہ کی ناموس کا دفاع کرنے والا کون؟ پوری اسلامی ذخیرہ میں صرف تین آدمی ایک ملتان

کا لال کرتی ٹولہ، ایک حویلیاں کا پروفیسر اور ایک ان کا فیس بکی کمپو!!! یا للعجب۔ تعجب تو یہ ہے کہ ساری زندگی قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے والے، روافض کے خلاف لکھنے والے مناظرے کرنے والے تو صحابہ کی ناموس نہ سمجھ سکے، ان سے تو غلطی ہو گئی اور آج کے دو عبارتیں عربی کی ٹھیک طرح سے پڑھنے والوں پر کیا وحی اتری ہے کہ ان کا موقف بالکل درست ہے؟

کیا پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب آف حویلیاں رافضی سبائی ہیں؟ ثبوت حاضر ہیں

طاہر ہاشمی نے آج سے کوئی بیس بائیس سال پہلے ایک کتاب لکھی بنام''شیعت تاریخ افکار'' اور اس کتاب میں طاہر ہاشمی نے غیر مقلد عالم شوکانی کے بارے میں لکھا کہ

''شوکانی زیدی شیعہ عالم ہے اور ایک شیعہ عالم سے اہل سنت کے خلاف اسی جارحانہ انداز ہی کی توقع ہو سکتی ہے''۔
(صفحہ نمبر 193)

یعنی اہل سنت کے خلاف جارحانہ انداز میں لکھنے والا کوئی شیعہ تو ہو سکتا ہے اہل سنت نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں کہ اسی طاہر ہاشمی صاحب نے اپنی بدنام زمانہ کتاب میں اہل سنت کے مندرجہ ذیل علما و اکابر کو گستاخ امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ لکھا اور ان کے خلاف انتہائی جارحانہ، گستاخانہ، وطنزیہ لب و لہجہ اختیار کیا:

طاہر ہاشمی اور اسکے یزیدی و ناصبیت زدہ ٹولے کا نظریہ ہے کہ اسکی نظر میں امت مسلمہ کے مندرجہ ذیل بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ تھے۔

(1) بخاری کے راوی عبد الرزاق
(2) تفسیر کبیر کے مصنف امام رازی
(3) مستدرک حاکم کے مصنف
(4) ھدایہ کے مصنف
(5) علامہ تفتازانی
(6) سید شریف جرجانی

(7)مولانا عبدالرحمن جامی

(8)ملا علی قاری

(9)شاہ عبدالحق محدث دہلوی

(10)ملا جیون

(11)قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(12)شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(13)بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی

(14)فقیہ الھند مولانا رشید احمد گنگوہی

(15)علامہ انورشاہ کشمیری

(16)ابوحنیفہ ثانی مفتی کفایت اللہ دھلوی

(17)مولانا ابوالکلام آزاد

(18)امام اھلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی

(19)آغا شورش کاشمیری

(20)مولا سعید احمد اکبر آبادی

(21)شیخ الحدیث مولا عبدالرشید نعمانی

(22)مولانا امین صفدر اکاڑوی

(23)قاضی مظہر حسین

(24)سید نفیس الحسینی

(25)مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل

(26)اور مولا ضیاء القاسمی نے غلام حسین نجفی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا تھا۔

(27)اور مولانا اعظم طارق شھید شیعت سے متاثر تھے۔فالعیاذ باللہ۔

موصوف نے ان اکابر اہلسنت کے خلاف جس قسم کا جارحانہ لب ولہجہ اختیار کیا اس کی مختصر وضاحت ہم ما قبل میں کر چکے ہیں۔

طاہر ہاشمی کا گستاخ صحابہ ہونا اپنے اصولوں کی روشنی میں

طاہر ہاشمی کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر،صغرے کبرے اور خود ساختہ اصول بنا کر اکابر اہلسنت کو معاذ اللہ گستاخان صحابہ بنانے کا عجیب مشغلہ ہاتھ آیا ہے۔ہم ہاشمی ہی کے خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر اب خود ہاشمی صاحب کو بھی گستاخ صحابہ ثابت کرنے جا رہے ہیں سو ملاحظہ ہو تفصیلی

پہلی گستاخی

طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

’’اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مسند خلافت پر فائز رہا پورے شہر کا نظم ونسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا انہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور حضرت علی،حضرت زبیر،حضرت طلحہ،حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کیلئے زور ڈالنا شروع کر دیا لیکن ان سب نے انکار کر دیا پھر انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کئے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔۔۔چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشتر نخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی۔

(البدایہ والنہایہ،ج ۷،ص ۲۲۶)۔۔۔۔یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے بلکہ بعض صحابہ کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کیلئے مجبور کیا گیا۔باغی حضرت طلحہ کو بیعت کیلئے بجبر پکڑ کر لے گئے۔(طبری،ج ۴،ص ۴۳۵)

(تذکرہ امیر معاویہ،ص ۴۸۲)

یہاں طاہر ہاشمی نے کئی جھوٹ بولے مثلا یہ کہنا کہ غافقی نماز پڑھاتا رہا اور لوگ اس کی امامت میں نماز پڑھتے رہے بالکل جھوٹ ہے۔البدایہ والنہایہ میں ایسی کوئی بات نہیں۔پھر یہ پوری

روایت بے سند ہے۔ علامہ ابن کثیر اس کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

وَذَكَرَ سَيْفُ بْنُ عُمَرَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ شُيُوخِهِ قَالُوا

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۵۳)

یہ سیف بن عمر ایک نمبر کا کذاب راوی ہے اس کے بارے میں صرف ذہبی کی رائے ملاحظہ کرلیں کہ کس قسم کے القابات واعزازات سے اس کو نوازا ہے:

سَيْفُ بْنُ عُمَرَ التَّمِيمِيُّ الأُسَيِّدِيُّ، وَيُقَالُ: الضَّبِّيُّ الْكُوفِي. [الوفاة: 171 - 180 ه]

صَاحِبُ كِتَابِ "الْفُتُوحِ"، وَكِتَابِ "الرِّدَّةِ"، وَغَيْرُ ذَلِكَ.

رَوَى عَنْ: جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ، وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، وَإِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عمر، وطائفة كبيرة من المجاهيل والأخباريين.

رَوَى عَنْهُ: النَّضْرُ بْنُ حَمَّادٍ الْعَتَكِيُّ، وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الزُّهْرِيُّ، وَشُعَيْبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْكُوفِيُّ، وأبو معمر إسماعيل القطيعي، وجبارة بن المغلس، وآخرون.

قال يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: مَتْرُوكٌ، بَابَةُ الْوَاقِدِيِّ.

وَقَالَ أَبُو دَاوُد: لَيْسَ بِشَيْءٍ.

وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ: اتُّهِمَ بِالزَّنْدَقَةِ.

وَرَوَى عَبَّاسٌ عَنْ يَحْيَى قَالَ: سَيْفُ بْنُ عُمَرَ الضَّبِّيُّ يُحَدِّثُ عَنْهُ الْمُحَارِبِيُّ، ضَعِيفٌ.

وَكَذَا قَالَ النَّسَائِيُّ.

وَقَالَ الْحَاكِمُ: سَيْفُ بْنُ عُمَرَ الضَّبِّيُّ اتُّهِمَ بِالزَّنْدَقَةِ، وَهُوَ سَاقِطٌ فِي رِوَايَةِ الْحَدِيثِ.

وَرَوَى ابْنُ حِبَّانَ بِإِسْنَادٍ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيثَ.

(تاریخ الاسلام للذہبی ج ۴، ص ۶۴۱)

دوسروں کو روایت پرستی اور شیعی اثرات کا حامل کہنے والوں کو شرم نہیں آتی کہ خود اس قسم کی موضوعی روایت سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی روایت کے اوپر امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقال إِنَّ أَوَّلَ مَنْ بَايَعَهُ طَلْحَةُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى وَكَانَتْ شَلَّاءَ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ

(البدایہ، ج ۷، ص ۲۵۳)

سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے اپنے اس دائیں ہاتھ کے ساتھ بیعت کی جو جنگ احد میں شل ہو چکا تھا۔

پھر یہ بھی طاہر ہاشمی کا حضرت علیؓ سے بغض ہے کہ باغیوں ہی نے سب سے پہلے آپ کی بعیت کی حالانکہ اس طبری میں ہے کہ اصحاب رسول ﷺ آپ کے پاس مسجد میں آئے اور فرمایا کہ حضرت عثمان غنیؓ قتل کر دئے گئے اور ہم آپ کو اس منصب کے سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں اس لئے بیعت کیلئے ہاتھ آگے کیجئے حضرت علیؓ نے شروع میں کچھ پس و پیش کی مگر پھر مہاجرین و انصارین اور ان کے بعد تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(طبری، ج ۴، ص ۴۲۷)

نیز مہاجرین و انصار میں آپ کی بیعت کیلئے پیش پیش حضرت طلحہؓ و زبیرؓ تھے۔ (طبری، ج ۴، ص ۴۲۷)

طبری نے بھی یہ لکھا أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْبَيْعَةِ يَدٌ شَلَّاءُ

(طبری ج ۴، ص ۴۲۸)

اور یہ جو لکھا کہ باغی بجبر حضرت طلحہؓ کو لیکر گئے تو اس روایت کی سند سے قطع نظر اگر اس کو روایت کرنے والے طبری ہی کو لے لیں تو موصوف ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"داستان کے ناقل جناب طبری خود بھی قابل اعتبار نہیں علما رجال نے ان کے متعلق بھی یہ وضاحت کر دی ہے کہ یضع للروافض وہ روافض کیلئے روایات وضع کیا کرتا تھا جب اس کی وفات ہوئی تو مسلمانوں کے قبرستان میں میں اسے دفن تک ہونے نہیں دیا گیا۔

(حدیث حواب کا مصداق کون ص ۳۷)

مگر آج طاہر ہاشمی اسی رافضی اور جھوٹے کی روایت کردہ روایت کی بنیاد پر حضرت علیؓ پر طعن کرتا ہے کہ حضرت طلحہؓ سے حضرت علیؓ نے زبردستی بیعت لی۔ یہ دوغلی پالیسی کیوں؟

دوسری گستاخی

طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کی ابتدا نہیں کی بلکہ وہ تو اس بات کے شدید حریص تھے کہ مسلمانوں میں باہم قتال وخونریزی نہ ہو۔ بہر حال یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان جنگ میں اپنے دفاع میں مجبوراً آنا پڑا ارشاد باری تعالی ہے اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا

جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے انہیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے

اس آیت میں مظلوم کو اپنی مدافعت میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے مگر اذن جنگ کی علت کفر نہیں بتائی گئی بلکہ ظلم اور زیادتی بتائی گئی ہے''۔

(تذکرہ امیر معاویہ، ص ۵۰۷، ۵۰۸)

استغفر اللہ العظیم یعنی طاہر ہاشمی صاحب اصل میں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی تو اس کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس آیت میں مظلوم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف اور زیادتی کرنے والے کے خلاف جنگ کرے اب سوال یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ کیا وہ معاذ اللہ ظلم کرنے والے اور زیادتی کرنے والے تھے؟ کیا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مظلوم بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ ظالم بنا کر پیش کرنا کھلی ہوئی سبائیت، ناصبیت نہیں؟

تیسری گستاخی

طاہر ہاشمی صاحب کی کتاب میں ہے:

''باغی۔۔۔ایسے سوقیانہ، احمقانہ، جاہلانہ اور گستاخانہ الفاظ سے تبرا بازی کرتے ہیں''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ، ص ۲۴)

گویا حضرات صحابہ کرام کو باغی کہنا بقول طاہری ٹولہ:

(۱) سوقیانہ (۲) احمقانہ (۳) جاہلانہ (۴) گستاخانہ (۵) اور تبرا بازی ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں طاہر ہاشمی صاحب خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے جب ایک حامی کی زبان سے اہل شام کے متعلق نازیبا کلمات سنے تو فرمایا:

(لاتقولوا فانھم زعموا انا بغینا علیھم وزعمنا انھم بغوا علینا فقاتلناھم)

(تاریخ ابن عساکر ص ۳۲۹، منہاج السنۃ ص ۶۱، ج ۳)

کہ ایسے مت کہو کوئی کلمہ خیر ہی کہو ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اس اس پر قتال ہوا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ، ص ۵۰۹)

یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے خود حضرت امیر معاویہ کے متعلق اپنا یہ گمان ظاہر کیا کہ ہم انہیں باغی سمجھ بیٹھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا گمان اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ وہ ہمیں باغی سمجھ بیٹھے یعنی دونوں ایک دوسرے کو باغی سمجھ رہے تھے۔ اب جو فتوے کتاب کے شروع میں اس لفظ پر طاہری ٹولے نے نقل کئے کیا ان سب کا مصداق معاذ اللہ یہ جلیل القدر صحابی بن رہے ہیں یا نہیں؟

طاہر ہاشمی نے یہاں یہ تاویل کی کہ اس سے اصطلاحی باغی مراد نہیں۔ جناب جو بھی مراد ہو ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں آپ نے فتوی لگاتے وقت کہیں بھی اصطلاحی ولغوی کی تقسیم نہیں کی پھر خود آنجناب لکھتے ہیں:

''حیرت ہے کہ صحابہ وتابعین کو تو یہ دلیل نہ سوجھی لیکن سبائی مورخین ابومخنف، کلبی، واقدی، دینوری، طبری، مسعودی، اور ان کے ہم خیال لوگوں کو صدیوں بعد سینہ بہ سینہ علم باطن کے ذریعہ سے یہ دلیل نظر آگئی اور بعد کے ''سنی علما'' نے طبری وغیرہ کو مفسر، محدث، مورخ اور محقق گردانتے

ہوئے اس پر ایمان لانا ضروری سمجھا اور تاویل در تاویل کے ذریعہ سے آں محترم کو باغی اور طاغی تک کہہ دیا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ، ص ۵۲۴)

ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں تاویل کے ذریعہ بھی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''باغی'' کہنا موصوف کو ناگوار گزر رہا ہے تو آخر ان کو کس نے یہ حق دیا کہ حضرت علی کے قول میں کسی قسم کی تاویل کر کے بچ جائیں؟ بہر حال موصوف نے اپنے فتوے کے ذریعہ ان دونوں صحابہ کی شدید توہین کی ہے۔

نیز ہمارا طاہر ہاشمی سے مطالبہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر لفظ ''باغی'' کا اطلاق لغوی اعتبار سے کرنا درست ہے؟

چوتھی گستاخی

طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کی طرف ''سلطان جائر'' کی نسبت خواہ کسی تاویل سے کی جائے انتہائی نامناسب اور احترام صحابیت کے خلاف ہے''۔

(سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناقدین، ص ۱۰۳)

اب دیکھیں موصوف لکھتے ہیں:

''مخالفین کے متعلق خود حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ: زید بن حارث کہتے ہیں کہ میں جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں تھا اس طرح کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ٹکراتا تھا ایک آدمی نے کہا کفر اہل الشام شامیوں نے کفر کیا تو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

لَا تَقُولُوا ذٰلِكَ نَبِيُّنَا وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ، وَقِبْلَتُنَا وَقِبْلَتُهُمْ وَاحِدَةٌ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، ص ۲۹۰)

ایسا مت کہو ہمارا ایمان اور ان کا نبی ایک ہمارا اور ان کا قبلہ بھی ایک ہے''۔

(تذکرہ امیر معاویہؓ ص ۵۱۷)

معلوم ہوا کہ طاہر ہاشمی کے ہاں یہ روایت درست ہے تبھی وہ اس کو اپنے استدلال میں پیش کر رہے ہیں لیکن افسوس اس روایت کو مکمل پیش نہ کیا پوری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كُنْتُ إِلَى جَنْبِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ بِصِفِّينَ، وَرُكْبَتِي تَمَسُّ رُكْبَتَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: كَفَرَ أَهْلُ الشَّامِ، فَقَالَ عَمَّارٌ: "لَا تَقُولُوا ذٰلِكَ، نَبِيُّنَا وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ، وَقِبْلَتُنَا وَقِبْلَتُهُمْ وَاحِدَةٌ، وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ مَفْتُونُونَ جَارُوا عَنِ الْحَقِّ، فَحَقٌّ عَلَيْنَا أَنْ نُقَاتِلَهُمْ حَتَّى يَرْجِعُوا إِلَيْهِ

ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمار نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں اور ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور امر حق سے متجاوز ہو گئے ہیں، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تا کہ وہ حق کی طرف پلٹ آئیں۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۹۰)

یہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پورے گروہ کو ''جائز'' کہا نہ صرف جائز بلکہ مفتونون کہا۔ طاہر ہاشمی کے ہاں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ کی طرف خطائے اجتہادی بھی منسوب نہیں کی جا سکتی مگر یہاں تو حضرت عمار بن یاسرؓ ان کی پوری جماعت کو جاروا عن الحق کہہ رہے ہیں اور اس روایت کو طاہر ہاشمی درست سمجھتے ہیں تو کیا صاحب ہدایہ کی طرح صحابی رسول ﷺ حضرت عمار بن یاسر بھی معاذ اللہ مقام صحابیت سے ناواقف تھے؟ اگر موصوف یہاں تاویل کر سکتے ہیں تو صاحب ہدایہ کے باب میں تاویل کرتے ہوئے انہیں موت کیوں آ رہی تھی؟

پانچویں گستاخی

طاہر ہاشمی ایک تاریخی کتاب کی عجیب انداز سے توثیق کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا نام ''العواصم من القواصم'' رکھا یعنی وہ چیزیں

جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں ۔ان سے محفوظ رکھنے والے حقائق ۔اسی وجہ سے جدید
عربی میں عاصمہ چھاونی کو کہا جاتا ہے اور قواصم قاصم کی جمع ہے توڑ دینے والی ۔یعنی انسان کیلئے
کمر توڑ حادثہ ،اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں ۔کیونکہ بعض اسلام دشمن لوگوں نے اسلام میں
ایسی چیزیں درج کر دیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے ۔اور
عاصمہ یعنی اس حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے ۔عاصمہ کا معنی
حفاظت کرنے والی ہے ۔علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں زیر بحث حدیث کے
بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے ۔گویا آں محترم کے نزدیک اس حدیث کی صحت کا
قائل ہونا بھی کسی کمر توڑ حادثے سے کم نہیں‘‘ ۔

(تذکرہ امیر معاویہ،ص ۱۷۹)

گویا ابن العربی نے اگر اپنی اس کتاب میں کسی بات کو غلط کہہ دیا تو اس کو صحیح ماننا یا جس بات
کو صحیح کہہ دیا اس کو غلط ماننا کسی کمر توڑ حادثے سے کم نہیں اور جو ابن العربی کی بات مان لے اسی کا
ایمان بچ گیا۔اب ذرا ملاحظہ ہو یہی طاہر ہاشمی اپنی اسی کتاب میں لکھتا ہے :

’’رئیس المورخین ابن خلدون‘‘

(ص ۱۲۸)

اور پھر ابن خلدون کی مقدمہ ابن خلدون کے جلد دوم اردو ترجمہ مطبوعہ شاہ نفیس اکیڈمی کا حوالہ
دیتا ہے ۔اب یہی رئیس المورخین اپنی اسی مقدمہ ابن خلدون کی اسی جلد دوم کے ص ۱۳۱ مطبوعہ
شاہ نفیس اکیڈمی لاہور پر لکھتا ہے :

’’ابن عربی کی غلطی :اس سلسلہ میں ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب ’’العواصم والقواصم‘‘ میں جو یہ
لکھا کہ حسین اسلامی شریعت کی رو سے قتل ہوئے سراسر غلط ہے‘‘ ۔

گویا ابن عربی کے نزدیک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو جو یزید نے قتل کیا وہ بالکل
برحق اور جائز قتل تھا کیونکہ وہ باغی تھے ۔ان کی سزا اسلامی شریعت کے مطابق یہی بنتی ہے ۔
معاذ اللہ ۔اب طاہر ہاشمی ہی کے اصول وطرز استدلال کے مطابق گویا آں محترم کے نزدیک
حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا قتل اس قدر جائز امر تھا کہ اسے ظلم سے تعبیر کرنا یا انہیں مظلوم

شہید کہنا ہی اسلام کی کمر توڑ دینا اور امام حسین کو برحق تسلیم کرنا کسی کمر توڑ حادثے سے کم نہیں ۔
قارئین کو اب سمجھ آ گئی ہو گی کہ موصوف نے اس العواصم والقواصم کی اتنی تعریف اور توثیق
کیوں کی ؟ کیونکہ اسی کتاب میں اس کی ناصبیت زدہ روح کو سکون دینے والا مواد جو موجود ہے

چھٹی گستاخی

ناصبیت زدہ پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب حضرت مولانا اعظم طارق شہید رحمہ اللہ پر برستے ہوئے
لکھتے ہیں :

’’لیکن مولانا محمد اعظم طارق صاحب نے جو فرد جرم مرتب کی ہے اس کی زد میں صرف یزید
نہیں آتا بلکہ سیکڑوں صحابہ اور لاکھوں تابعین کرام آتے ہیں ۔اس قرارداد میں سینکڑوں صحابہ اور
لاکھوں تابعین کا حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے لاتعلق ہونا ثابت کیا گیا ہے ۔علاوہ ازیں شیعی
انداز فکر کے تحت حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے نام کے ساتھ ’’امام‘‘ کا سابقہ بھی لگایا گیا ہے‘‘ ۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ص ۵۳)

یہ طاہر ہاشمی صاحب کی بدترین جہالت و ناصبیت ہے کہ وہ عالی مقام امام حسینؓ کے نام کے
ساتھ ’’امام‘‘ کے سابقہ کو ’’شیعی انداز فکر‘‘ سے تعبیر کر رہے ہیں ۔یعنی اس شخص کے دل میں امام
حسینؓ کا بغض اتنا بھرا ہوا ہے کہ اسے امام عالی مقام کے ساتھ ’’امام‘‘ کا لفظ لگانا بھی گوارا نہیں ۔
حیرت ہے کہ پروفیسر صاحب خود دویلیاں کی ایک مسجد کے امام وخطیب ہیں ۔موصوف خود تو امام
بن جائیں لیکن نواسہ رسول ﷺ کا امام بننا ان کو گوارا نہ ہو ۔اگر شیعہ حضرت امام حسینؓ کے نام کے
ساتھ امام لگاتے ہیں تو اہلسنت کیلئے یہ کیسے ممنوع ہو گیا ؟ کیا اس پروفیسر کو اتنا بھی علم نہیں کہ کتب
بلاغت میں ’’انبت الربیع البقلی‘‘ ،جیسی مثالوں کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ نسبت بدل
جانے سے حکم ومطلب بدل جاتا ہے ۔

اپنی اسی کتاب میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں :

’’قرآن کریم ،احادیث اور عام محاورات واستعمالات عرب میں خلیفہ ،خلفا ،امام وائمہ ،ملک و
ملوک ،،سلطان وسلاطین ،امیر وامرا استخلاف فی الارض ،وراثت ارضی ،اور تمکین فی الارض ۔۔۔ یہ سب

الفاظ اپنے مصداق میں مترادف اور ہم معنی ہیں۔ جو کسی قوم کے اور ملک کے بڑوں، سرداروں اور سربراہوں کیلئے استعمال ہوتے ہیں“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۵۲)

تو خدا کے بندے! حضرت امام حسینؓ کے نام کے ساتھ ”امام“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے سردار ہیں وہ ہمارے بڑے ہیں۔ اگر طاہر ہاشمی یا اس کا ٹولہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سردار و بڑا نہیں مانتا تو کھل کر کہیں اس منافقت کی کیا ضرورت ہے؟

حیرت ہے کہ اس سے صرف ایک صفحہ قبل یعنی ص ۱۵۱ پر موصوف لکھتے ہیں: ”امام بن عابدین شامی“، ”امام ابوالحسن ماوردی“ ہائے افسوس امتی تو امام ہو سکتے ہیں اگر نہیں ہو سکتا تو نواسہ رسول ﷺ !!!۔

اگر اسی قسم کے ہتھکنڈوں سے شیعیت ثابت ہوتی ہے تو موصوف نے جو حضرت امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ”سید“ لکھا تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناصبی افکار سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

ساتویں گستاخی

نوٹ: ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ہم نے اب تک طاہر ہاشمی کے خلاف جو کچھ لکھا اور لکھیں گے وہ سب اسی کے اصول و معیار کے مطابق ہے لہذا طاہر ہاشمی اگر جواب دینا چاہیں تو اس بات کو بطور خاص ملحوظ رکھے۔

طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

”آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے“

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۲)

یہ طاہر ہاشمی صاحب کا جھوٹ ہے اور محض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو متنازعہ کرنے کیلئے ایسا کہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے مہاجر و انصار صحابہؓ پیش پیش تھے تفصیل طبری و البدایہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ میں جو

بات کروں گا طاہری اصول کے مطابق اس لئے مجھے اس کا بھی جواب دیں کہ ایک حکومت قائم ہی بلوائیوں اور باغیوں کی کوشش سے ہو تو اس کو جائز حکومت کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

آج اگر میں طاہر ہاشمی کی مسجد پر زبردستی قبضہ کر لوں تو کیا ہاشمی میرے قبضے کو جائز و مبنی بر انصاف تسلیم کر لے گا؟

طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مزید دلی بغض کا اظہار یوں کرتے ہیں:

”جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہی مالک اشتر نخعی، وہی عبداللہ بن سبا، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب وغیرہم جو کل تک قاتلین عثمان میں سے تھے۔ آج حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقربین اور اصحاب شوریٰ میں سے ہیں (جنہوں نے آگے چل کر سپہ سالاری اور گورنری کے عہدے حاصل کئے) تو ان قاتلین کی دربار خلافت سے یہ حوصلہ افزائی اور پذیرائی برداشت نہیں ہوتی تھی“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۵)

ایک شیعہ اگر اس عبارت کو پڑھے یا صحابہ سے بیزار آدمی اس کو پڑھے تو وہ تو اس کا یہی مطلب لے گا یا تو باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بالکل جائز شہید کیا تبھی تو قاتلوں کی یوں پذیرائی ہو رہی ہے یا پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد ایسے ظالم اور ناانصاف تھے کہ قاتلوں اور ظالموں کو بجائے سزا دینے کے پذیرائی دے رہے ہیں؟ آج حکومت جب ظالموں اور اپنوں کو نوازتی ہے تو آپ کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ اس سب کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ کا تصور کیا ابھرے گا؟

میں ایک دفعہ پھر طاہری ٹولے پر واضح کر دوں میں امتیوں میں سے کسی کے قال وقیل کا پابند نہیں میں ”ناقدین صحابہ“ میں طاہر ہاشمی کی طرح اپنی عقل و منطق اور صغروں و کبروں کا پابند ہوں میری عقل جس کو نقد سمجھے گی وہی نقد ہو گا۔ حیرت ہے کہ یہ ساری گفتگو انہی تاریخی کتب کی بنیاد پر کی جا رہی ہے جسے طاہری ٹولہ رافضی اور گھڑنٹو کہتے نہیں تھکتا۔

طاہر ہاشمی صاحب ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حاکم و قاضی بنتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بحیثیت ایک خلیفہ یہ عذر

انتہائی کمزور تھا‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۴۸۵)

طاہر ہاشمی خود اپنی کتاب کے ص ۱۲۸ پر لکھ چکے ہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کے بعد کسی کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر قاضی و حاکم بننے کا اختیار نہیں۔ تو قاضی صاحب کو کس نے یہ اختیار دے دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ’’عذر‘‘ کو صرف ’’کمزور‘‘ ہی نہیں ’’انتہائی کمزور‘‘ کہیں؟

دنیا کی کوئی بھی انصاف پسند عدالت ’’انتہائی کمزور عذر‘‘ کو قبول نہیں کرتی مجرم کو اس عذر کی بنا پر معاف نہیں کرتی لہذا جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا عذر قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا انتہائی کمزور تھا تو ان کا قاتلین عثمان کو کچھ نہ کہنا بلکہ الٹا نوازنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ قاتلین عثمان سے ملے ہوئے تھے یہ قتل معاذ اللہ انہی کی رضامندی سے ہوا تھا۔ اسی لئے تو قاضی صاحب بانگ دہل کہتے ہیں:

’’قاتلین خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی پناہ اور تحفظ میں تھے بلکہ ان کی فوج اور شوری میں شامل تھے اور مزید ترقی کر کے سپہ سالار اور گورنر تک بن گئے تھے‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۴۹۲)

قاضی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر برستے ہوئے لکھتے ہیں:

’’آخر سٹیٹ کو کیا حق ہے کہ جرم کو جرم بھی سمجھے اور مجرم کو سزا بھی نہ دے؟ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ حکومت مجرم کی طرف دار ہے اور اگر حکومت مجرم کو سزا دینے پر قادر نہیں تو ایسے کمزور اور بے بس خلیفہ کی کیا ضرورت ہے؟

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۴۹۹)

نتیجہ صاف ہے جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اتنے کمزور تھے کہ قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لے سکتے تھے تو انہوں خلافت کا کوئی اختیار نہ تھا۔

طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک جگہ برستے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حضرت علی ۔۔۔ قاتلین سے قصاص لینے پر تو قادر نہیں لیکن مطالبہ قصاص کرنے والوں سے

ضرور برسرپیکار ہیں وہ مقتول خلیفہ کے ورثا اور متعلقین کو تو بے دست و پا کرنے میں مصروف ہیں لیکن انہوں نے قاتلوں کو فوج میں سپہ سالاری اور گورنری تک کے عہدے بھی دے رکھے ہیں‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۴۹۹)

طاہر ہاشمی ہی کی ذہنیت کو سامنے رکھ کر میرا سوال ہے کہ یہی حرکتیں اگر آج کی حکومتیں کریں تو ظالم و جابر کہلائیں، مجرم کا ساتھ دینے والی کہلائیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کریں تو خلیفہ راشد کیسے ہو گئے؟ ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے گروہ و لشکر کی توہین ان الفاظ میں کرتے ہیں:

’’اگر عراقی اتنے ہی سورما ہوتے‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۵۲۷)

کیا یہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لشکر کی توہین نہیں؟ کیا ہمیں اس کی اجازت ہے کہ ہمیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے لشکر کے متعلق یوں کہیں کہ اگر:

’’شامی اتنے ہی سورما ہوتے تو یہ کر لیتے وہ کر لیتے‘‘؟؟؟؟؟

حقیقت یہ ہے کہ طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل ہی نہیں انہوں نے پورا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ قاتلین عثمان کے ساتھ ملے ہوئے تھے انہوں نے اپنے قارئین کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت سے خوش اور رضامند تھے۔ ذرا اس عبارت کو پڑھیں اور بتائیں کیا ہم غلط کہہ رہے ہیں؟

’’حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کے بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟ اس صورتحال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کر دیا۔ ان کر ہرگز ہرگز گوارا نہ ہوا کہ خلیفہ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ حکومت ان پر نہ کوئی داروگیر کرتی ہے اور نہ جرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۴۹۹، ۵۰۰)

گویا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام کے آئین وقانون کی خلاف ورزی کی ایک فرض کے تارک ہوئے۔۔۔طاہر ہاشمی کی زبان ملاحظہ ہو:

’’حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کے بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین وقانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟‘‘

کیا یہی انداز تخاطب ہمیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں اختیار کرنے کی اجازت ملے گی؟ یہاں یہ عذر لنگ کوئی نہ کرے کہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مرحوم کا حوالہ دیا اول تو اس کتاب کی نسبت کو ہم عثمانی صاحب مرحوم کی طرف درست نہیں سمجھتے۔ثانیا جب یہ عبارت آپ ہی کے اصول کے مطابق گستاخانہ ہے تو بجائے ظفر احمد عثمانی صاحب مرحوم پر رد کرنے کے الٹا اپنے استدلال میں پیش کر رہے ہو؟ یعنی تمہاری ناصبیت کھل کر سامنے آگئی ناقدین صحابہ کی فرد جرم تبھی لاگو ہوگی جب طاہر ہاشمی کے ذہن کے مطابق گستاخی ہو۔کوئی اہل بیت کو کچھ کہتا لکھتا رہے وہ گستاخی ہر گز نہیں بلکہ الٹا اس کو تائید میں پیش کیا جائے۔

ہم خاموش تھے کہ برہم نہ ہو عالم کا نظام
ناداں سمجھتا ہے کہ طاقت گویائی نہیں

ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے کہ نہ جی موصوف تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت مانتے ہیں ان کو قتل عثمانؓ سے بری بھی لکھا پھر یہ گستاخیاں اور قتل عثمانؓ میں ان کو کیسے ملوث مان سکتے ہیں؟

اس کا اول جواب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے گستاخان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ میں شمار کیا،کیا ان سب نے یہ کچھ نہیں کیا؟ کیا انہوں نے حضرت معاویہ کی ناموس کا دفاع نہ کیا؟ ثانیا خود موصوف لکھتے ہیں:

’’مذکورہ بالا الزامات وخرافات اور ہذیانات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو فریب،دھوکا اور مغالطہ دینے کیلئے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نام کے ساتھ ’’احتراما‘‘ ہر جگہ حضرت،جناب،اور رضی اللہ تعالی عنہ نہ صرف تحریر کیا بلکہ تقیہ یہ بھی اقرار کیا‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ،ص ۳۶۰)

لہذا موصوف نے بھی جو کچھ لکھا صرف تقیۃ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے حقیقۃ موصوف نہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلافت کے قائل ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل عثمانؓ سے بری سمجھتے ہیں۔

آٹھویں گستاخی

پروفیسر طاہر ہاشمی لکھتا ہے کہ محمد بن عبد الرحمن ابو الاسود عکرمہ سے ملے تا کہ وہ یزید کے مخالف گروہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ میں شامل ہو جائے تو عکرمہؓ نے انہیں منع کیا اس کی وجہ طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

’’حضرت عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اگر چہ ان کمزور اور ضعیف مسلمانوں کی طرح تمہاری بھی نیت اس باغی لشکر میں شامل ہو کر لڑنے کی نہیں تاہم اس آیت کی رو سے ایسے لشکر کے ساتھ رہنا اور ان کی تعداد میں اضافے کا موجب ہونا گناہ ہے لہذا تمہیں ہر گز اس اس باغی لشکر میں نام نہیں لکھوانا چاہئے‘‘۔

(سیدنا مروان بن الحکم،ص ۵۰۲)

طاہر ہاشمی نے اپنی کئی کتابیں اس پر سیاہ کی کہ صحابہ میں سے کسی کے قول وفعل پر اللہ ورسول ﷺ کے بعد کسی کو حاکم وقاضی نہیں بنایا جاسکتا۔ان کی کئی کتابوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر باغی کے الفاظ کے اطلاق کو گناہ قرار دیا گیا۔مگر یہاں یہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کو اور ان کے گروہ کو نہ صرف ’’باغی‘‘ کہہ رہا ہے بلکہ ان کے ساتھ صرف شامل ہونے والوں کو بھی گناہ گار کہہ رہا ہے۔اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے والا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا گروہ باغی اور گناہ گار تھا تو ابھی تمام یزیدیوں ناصبیوں طاہریوں کی دس گز زبان باہر نکل آئے گی کہ ہائے یہ شیعہ ہیں۔۔۔۔ہائے یہ اخباری ہیں۔۔۔۔ہائے یہ گستاخ صحابہ ہیں۔۔۔مگر اب یہاں طاہر ہاشمی کی اس گستاخی پر ان کی زبانوں کو تالے لگ جائیں گے۔

پھر طاہر ہاشمی کی دورنگی کا اندازہ لگائیں کہ جس عکرمہ کی روایت پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے گروہ کو باغی معاذ اللہ اور گناہ گار کہہ رہے ہیں اسی عکرمہ نے جب فئۃ باغیۃ کی روایت نقل کی اسی بخاری میں تو طاہر ہاشمی نے اپنی کتاب تذکرہ امیر معاویہؓ میں یہ کہہ کر حضرت عکرمہ کو رگڑ دیا کہ یہ تو حروری اور خارجی تھا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟ تف ایسی منافقت پر۔

نویں گستاخی

پروفیسر طاہر ہاشمی مودودی پر رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''موصوف کی فریب دہی ملاحظہ ہو کہ آگے ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے بنانے سے خلیفہ نہیں بنے، انہیں مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ تھی انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے خلیفہ بنے۔۔۔سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے حاصل کی گئی خلافت میں دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا ناقابل انکار دینی خدمت شمار ہوگا؟''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۳۶۰)

اب دوسری طرف دیکھیں طاہر ہاشمی اپنے ٹولے کی اصطلاح ایک ''اخباری روایت'' کو لیکر لکھتے ہیں:

''اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مسند خلافت پر فائز رہا پورے شہر کا نظم و نسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا انہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کیلئے دوڑ دھوپ شروع کردی اور حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کیلئے زور ڈالنا شروع کردیا لیکن ان سب نے انکار کردیا پھر انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کئے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔۔۔چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشترنخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرلی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کرلی۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۶)۔۔۔یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب

سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے بلکہ بعض صحابہ کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کیلئے مجبور کیا گیا۔ باغی حضرت طلحہ کو بیعت کیلئے بجبر پکڑ کر لے گئے۔(طبری، ج ۴، ص ۴۳۵)

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۲)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت اور امور خلافت میں قاتلین عثمان کی شمولیت اور دخل اندازی ہی کی وجہ سے اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۴)

مزید لکھتے ہیں:

''اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ہنگامی حالات میں منعقد ہوئی تھی صحابہ اور ارباب حل وعقد غیر موجود تھے اور بیعت میں بھی قاتلین عثمان نے جبر و اکراہ سے کام لیا تھا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۶، ۴۸۵)

اب ہمارا طاہر ہاشمی ہی کے طرز پر سوال ہے کہ:

اس طرح حاصل کی گئی خلافت:

(۱) کہ جس میں صحابہ بھی شامل نہ ہوں۔

(۲) اہل حل وعقد بھی شامل نہ ہوں۔

(۳) جن حضرات نے بیعت کی ان سے زبردستی بیعت لی گئی۔

(۴) بیعت میں پیش پیش باغی تھے۔

تو کیا ایسی خلافت وحکومت کو ''خلافت راشدہ'' کہا جاسکتا ہے؟ یہ تو جبر کی بیعت ہوگئی۔ طاہر ہاشمی کو ہمارا چیلنج ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہمیں جواب دیں کہ جس بیعت پر اہل حل وعقد کی رضامندی شامل نہ ہو، اس میں صحابہ شامل نہ ہوں اور وہ حکومت باغیوں کی زبردستی و بدمعاشی پر قائم کی گئی ہو وہ حکومت ''خلافت'' بلکہ ''خلافت راشدہ'' کہلاتی ہے۔ ہاشمی نے اس ساری خامہ فرسائی

میں دراصل در پردہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت راشدہ ہی کا انکار کیا ہے۔اس سب کے بعد یہ کہنا کہ ہم حضرت علی کی خلافت کا انکار نہیں کرتے محض تقیہ اور فراڈ ہے۔

دسویں گستاخی

طاہر ہاشمی صاحب سے بندے کا ایک سوال: ”اگر میں یہ کہوں کہ ایک شخص تھا جو کہتا تھا کہ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ ماننے یا صحابی ماننے میں اس کو قتل کر دوں گا اور یہی شخص طاہر ہاشمی کا خاص چیلہ اور مشیر بن جائے۔کیا دنیا کا کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ طاہر ہاشمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محب ہے؟ سیدھی سی بات ہے ہر آدمی کہے کہ طاہر ہاشمی نے دشمن صحابہ کو اپنا مشیر بنایا ہوا ہے اس لئے طاہر ہاشمی دشمنان صحابہ کا ساتھ دے کر خود بھی دشمنان صحابہ کی صف میں کھڑا ہے۔اب ملاحظہ ہو

طاہر ہاشمی باغیوں کے سربراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولین دشمن اشترنخعی کو بنا کر خود اس کا جملہ نقل کرتا ہے:

”ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے باغیوں کے سردار اور مفسدین کے سرغنہ مالک اشترنخعی نے بیعت کی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صاف کہہ دیا تھا کہ:”خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے“ یہی وہ شخص تھا جو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیعت کیلئے پکڑ کر لے گیا تھا اور انہیں یہ دھمکی دی تھی کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۰۶)

اب اسی دشمن صحابہ اشترنخعی کے بارے میں طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

”یہی شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشیر خاص بنا ہوا تھا“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۰۶)

طاہر ہاشمی نے شیعوں کے ہاتھ میں کتنا بڑا ہتھیار تھما دیا کہ:”یارو آج کوئی اپنے معمولی دشمن کو اپنا مشیر خاص نہیں بناتا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنان صحابہ خصوصا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن و قاتل کو اپنا مشیر خاص بنا دیا اس کا مطلب تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قاتلان عثمان سے خوش تھے (معاذ اللہ) تبھی تو انہیں اتنے اہم عہدوں سے نوازا رہے تھے“۔

کیا آج طاہر ہاشمی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی گستاخ کو اپنا مشیر خاص بنانا پسند کرے گا؟ اگر نہیں اور یقینا نہیں تو کیا تم حضرت علی سے بڑھ گئے؟ حضرت علی تو دشمنان صحابہ کو اپنا مشیر بنائیں اور تم ایسا کرنے کو سنی غیرت کے خلاف سمجھو تو بتاو حضرت علی دشمنان صحابہ کو اپنا مشیر خاص بنا کر کیا ہوئے؟

اس کے جواب میں یہ مت کہہ دینا کہ فلاں تاریخ میں لکھا ہے کیونکہ وہ تاریخی پہلے ہی تمہارے ہاں اخباری و رافضی گرنتیں ہیں۔

گیارہویں گستاخی

پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

”اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جبرا حکومت پر قابض ہونے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۵۰۲)

اب موصوف کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے بارے میں نظریہ ملاحظہ ہو:

”اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مسند خلافت پر فائز رہا پورے شہر کا نظم و نسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سر انجام دیتا رہا انہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کیلئے زور ڈالنا شروع کر دیا لیکن ان سب نے انکار کر دیا پھر انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کئے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔۔۔چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشترنخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۶)۔۔۔۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے بلکہ بعض صحابہ کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کیلئے مجبور کیا گیا۔ باغی حضرت طلحہ کو بیعت کیلئے بجبر پکڑ کر لے گئے۔ (طبری، ج ۴، ص ۴۳۵)

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، ص ۴۸۲)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت اور امور خلافت میں قاتلین عثمان کی شمولیت اور دخل اندازی ہی کی وجہ سے اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، ص ۴۸۴)

مزید لکھتے ہیں:

''اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت ہنگامی حالات میں منعقد ہوئی تھی صحابہ اور ارباب حل وعقد غیر موجود تھے اور بیعت میں بھی قاتلین عثمان نے جبر و اکراہ سے کام لیا تھا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، ص ۴۸۶، ۴۸۵)

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت اہل حل وعقد وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی رضامندی سے نہیں ہوئی تھی بلکہ باغیوں کی زور زبردستی سے وہ خلافت پر قابض ہو گئے تھے۔ اور زبردستی خلافت پر قابض ہونے کے بارے میں پروفیسر صاحب نے لکھ دیا کہ وہ ظالم اور فاسق ہوتا ہے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پروفیسر صاحب کے فتوے کی رو سے فاسق وظالم ہوئے معاذ اللہ، طاہر ہاشمی ہی کی زبانی میں:

''لیکن (طاہر ہاشمی) مودودی صاحب کو اس سے کیا غرض؟ انہیں تو حضرت معاویہ (حضرت علیؓ) کی توہین وتحقیر اور بدنامی ورسوائی مطلوب ہے''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، ص ۵۰۲)

بارہویں گستاخی

حویلیاں کے خطیب پروفیسر طاہر ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا''۔

(سیدنا معاویہؓ کے ناقدین: ص ۶۱۱)

موصوف نے یہ کہا کہ کوئی مسلمان ان کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کرتا۔ کوئی کسی صحابی کی طرف بغاوت کی نسبت کرنا ہی کفر ہے کسی صحابی کی طرف بغاوت کی نسبت کرنے والا مسلمان نہیں۔

اب آئے دوسری طرف خود طاہر ہاشمی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے جب ایک حامی کی زبان سے اہل شام کے متعلق نازیبا کلمات سنے تو فرمایا:

(لاتقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم)

(تاریخ ابن عساکر ص ۳۲۹، منہاج السنۃ ص ۶۱، ج ۳)

کہ ایسے مت کہو کوئی کلمہ خیر ہی کہو ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (زیادتی) کی ہے اس اس پر قتال ہوا''۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ، ص ۵۰۹)

گویا طاہر ہاشمی صاحب کے بقول دونوں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کی طرف بغاوت کی نسبت کی تو کیا یہ معاذ اللہ طاہر ہاشمی کے فتوے کی رو سے مسلمان رہے؟

آگے چلئے طاہر ہاشمی صاحب نے کئی جگہ اپنی کتاب میں ابن تیمیہ کو ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ

اللہ‘‘لکھا۔ملاحظہ ہو کتاب’’تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘‘۔اب یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقال من أهل الجمل وغيرهم: أصحاب الجمل اخواننا بغوا علينا طهرهم السيف۔“

(اَلْفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیۃ: ۳/ ۵ ۹۳، اَلناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان) و(حقوق آل البیت لابن تیمیۃ: ۱/ ۴۳، اَلناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان) و(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیۃ: ۸۲/ ۶۱۵، اَلناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان) و(منہاج السنۃ النبویۃ لابن تیمیۃ: ۴/ ۴۹۴، ۷/ ۶۰۴، اَلناشر: جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ)

ترجمہ: اور (حضرت علی نے) اہل جمل وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ جمل والے ہمارے بھائی ہیں، اُنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو تلوار نے اُن کو پاک کیا۔

اب بتائیے کیا آپ کے فتوے کی رو سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان رہے؟

تیرہویں گستاخی

حویلیاں کے ریٹائرڈ پروفیسر طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

’’کیونکہ زبردستی خلیفہ بننے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔۔وہ تو زجر اور سزا کا حق دار ہے‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ،ص ۵۹۸)

مزید لکھتے ہیں:

’’اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جبراً حکومت پر قابض ہونے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا معاویہ،ص ۵۹۹)

معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کے نزدیک جبراً اور زبردستی حکومت پر قابض ہونے والا ’’ظالم، جابر، فاسق، قابل سزا و تعزیر ہوتا ہے۔اب ملاحظہ فرمائیں اس کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے یہی نظریہ ہے کہ وہ باغیوں کے زور پر زبردستی خلافت پر قابض ہو گئے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلافت کیلئے مقرر شوریٰ نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

’’اس دردناک اور المناک واقعہ کے بعد ان ہی باغیوں اور سبائیوں کا سرغنہ غافقی بن حرب پانچ دن تک مسند خلافت پر فائز رہا پورے شہر کا نظم و نسق اس کے احکام کے تحت چلتا رہا اور یہ شخص نمازوں میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتا رہا انہی سبائیوں نے خلیفہ کے تقرر کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اس منصب کو قبول کرنے کیلئے زور ڈالنا شروع کر دیا لیکن ان سب نے انکار کر دیا پھر انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وہ اس معاملے کو طے کئے بغیر واپس چلے گئے تو وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔۔۔چنانچہ وہ دوبارہ حضرت علی کے پاس آئے اس دفعہ مالک اشتر نخعی بھی ان کے ساتھ تھا اس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سب ساتھیوں نے بھی بیعت کر لی۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۶)۔۔۔۔یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آپ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے بلکہ بعض صحابہ کو تلواروں کی نوک پر بھی بیعت کیلئے مجبور کیا گیا۔باغی حضرت طلحہ کو بیعت کیلئے بجبر پکڑ کر لے گئے۔(طبری، ج ۴، ص ۴۳۵)

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۲)

مزید لکھتے ہیں:

’’حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت اور امور خلافت میں قاتلین عثمان کی شمولیت اور دخل اندازی ہی کی وجہ سے اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۴۸۴)

مزید لکھتے ہیں:

’’اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ہنگامی حالات میں منعقد ہوئی تھی صحابہ اور ارباب حل و عقد غیر موجود تھے اور بیعت میں بھی قاتلین عثمان نے جبر و اکراہ سے کام لیا تھا‘‘۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۴۸۶، ۴۸۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انعقاد خلافت پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تاریخ کے کسی کونے کھدرے یہ بھی یہ بات نہیں دکھائی جاسکتی کہ کسی اشتر کسی حکیم بن جبلہ اور کسی غافقی بن حرب نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت معاویہ پر مجبور کیا ہو“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۵۹۶)

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رضامندی سے نہیں ہوئی تھی بلکہ باغیوں کی زور زبردستی سے وہ خلافت پر قابض ہوگئے تھے۔اور زبردستی خلافت پر قابض ہونے کے بارے میں پروفیسر صاحب نے لکھ دیا کہ وہ ظالم اور فاسق ہوتا ہے۔گویا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پروفیسر صاحب کے فتوے کی رو سے فاسق وظالم ہوئے معاذ اللہ، طاہر ہاشمی ہی کی زبانی میں:

”لیکن (طاہر ہاشمی) مودودی صاحب کو اس سے کیا غرض؟ انہیں تو حضرت معاویہ (حضرت علیؓ) کی توہین وتحقیر اور بدنامی ورسوائی مطلوب ہے“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۵۰۲)

چودھویں گستاخی

پروفیسر طاہر ہاشمی ناصبی لکھتا ہے:

”۔۔۔اس کی حکومت قرآن وحدیث کے خلاف کام کرتی ہے تو وہ خلافت ضالہ اور باطلہ ہے“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۶۱۰)

اب ملاحظہ فرمائیں کہ طاہر ہاشمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کیا لکھا:

قاضی صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر برستے ہوئے لکھتے ہیں:

”آخر سٹیٹ کو کیا حق ہے کہ جرم کو جرم بھی سمجھے اور مجرم کو سزا بھی نہ دے؟ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ حکومت مجرم کی طرف دار ہے اور اگر حکومت مجرم کو سزا دینے پر قادر نہیں تو ایسے کمزور اور بے بس خلیفہ کی کیا ضرورت ہے؟

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۴۹۹)

ہاشمی صاحب جواب دیں کہ کیا مجرم کو مجرم نہ سمجھنا اور اس کو سزا نہ دینا قرآن وحدیث کا حکم ہے؟ یا اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے؟

موصوف کسی جعلی کتاب کے حوالے سے مزید برستے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کے بجائے اونچا کردیا۔یہ اسلام کے کس آئین وقانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے؟ اس صورتحال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کردیا۔ان کر ہرگز ہرگز گوارا نہ ہوا کہ خلیفہ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ حکومت ان پر نہ کوئی داروگیر کرتی ہے اور نہ جرم کی تحقیق کرکے سزا دیتی ہے۔ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کرکے ان کو سزا دے۔۔حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کرکے جیل خانہ میں ڈال دیتی“۔

(تذکرہ خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص ۴۹۹، ۵۰۰)

یہاں موصوف نے خود مان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”اسلام کے آئین وقانون“ کی خلاف ورزی کی اور ظاہر ہے کہ اسلام کا آئین وقانون قرآن وحدیث ہی ہے۔اب نتیجہ صاف نکلا کہ قرآن وحدیث کے احکامات کی خلاف ورزی کرکے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت خلافت عادلہ راشدہ نہیں رہی بلکہ خلافت باطلہ، ظالمہ، جابرہ، ضالہ ہوگئی العیاذ باللہ۔

پندرہویں گستاخی

قارئین کرام طاہر ہاشمی کے سامنے بظاہر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان (ہاشمی) خود ساختہ موقف کے خلاف معمولی سی بھی کوئی روایت آگئی تو فوراً اسے ضعیف کہہ کر رد کردیا حتیٰ کہ بخاری کے راویوں پر جرح کرکے اسے بھی رد کردیا۔مگر یہی موصوف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہر قسم کی روایت کو بلا قیل وقال بے دھڑک قبول کرلیتے ہیں صرف اس واسطے کہ کسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کم کردی جائے۔اب اسی اصول پر ملاحظہ ہو طاہر ہاشمی لکھتا ہے:

"امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے درج ذیل الفاظ نقل کئے ہیں ۔۔۔میرے اور اس جھوٹے ،گناہگار، غدار، خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے"۔

(سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ ص ٦٢٤)

اب ہمارا سوال طاہریوں سے ہے کہ عصمت صحابہ و ناموس صحابہ کا جو معیار آپ نے قائم کیا اور جس معیار پر آپ بلا ضرورت بخاری تک کی احادیث کو رد کر دیتے ہیں کیا یہ روایت اس معیار پر پوری اترتی ہے؟ حالانکہ خود امام مسلم اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

"ھذا اللفظ الذی وقع لا یلیق ظاھرہ بالعباس وحاش لعلی ان یکون فیہ بعض ھذہ الاوصاف فضلا عن کلھا ولسنا نقطع بالعصمۃ الا للنبی ولمن شھد لہ بھا لکنا مامورون بحسن الظن بالصحابۃ رضی اللہ عنھم اجمعین ونفی کل رذیلۃ عنھم واذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا۔

(النووی، شرح صحیح مسلم ١٢/ ٧٢)

"اس روایت میں واقع یہ الفاظ بظاہر حضرت عباس سے صادر نہیں ہو سکتے ،کیونکہ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ سیدنا علی کی ذات میں ان میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا جائے، چہ جائیکہ تمام اوصاف ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے علاوہ جن کے بارے میں آپ نے جھوٹ سے محفوظ ہونے کی شہادت دی ہے، ہمارا کسی کے بارے میں بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں ہے۔ہمیں حکم ہے کہ صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ہر بری بات کی ان سے نفی کریں۔ چونکہ روایت میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، اس لیے ہم اس روایت کے راویوں کو ہی جھوٹا قرار دیں گے۔

ہم ایک دفعہ پھر واضح کر دیں کہ اگر اسی قسم کی روایت بخاری یا مسلم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں ہوتی اور اسے ہم اپنے استدلال میں پیش کرتے تو کیا طاہری ٹولہ اسے قبول کرلیتا؟

سولہویں گستاخی

حویلیاں کے امام وخطیب پروفیسر طاہر ہاشمی کسی ندوی کے حوالے سے لکھتا ہے:

"اس طرح ابن زبیرؓ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک بہترین موقع کھو دیا۔۔۔اس وقت قریبا کل دنیائے اسلام میں ابن زبیرؓ کی خلافت مسلم ہوگئی تھی کہ عین اسی وقت انہوں نے ایک فاش غلطی کی"۔

(سیدنا مروان بن حکم ص ١٢٢)

اب سوال ہمارا یہ ہے کہ آپ نے نزدیک تو صحابی رسول ﷺ کی طرف خطا کی نسبت کرنا بھی گستاخی ہے اور محتاط مسلک کے خلاف ہے تو کسی صحابی رسول ﷺ کو معاذ اللہ ناعاقبت اندیش (بے وقوف ،احمق معاذ اللہ) وفاش غلطی کا مرتکب کہنا گستاخی کیوں نہیں؟ یہاں یہ تاویل نہیں چلے گی کہ ندوی سے نقل کیا۔اس لئے کہ یہ اصول تمہارا ہے کہ کسی کی بات نقل کر کے رد نہ کرنا اسی کا نظریہ ہوتا ہے صرف نقل پر جان نہیں چھوٹے گی۔یہی طاہر ہاشمی کی دوغلی پالیسی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ یا اپنے خود ساختہ نظریہ کے خلاف تو بخاری کی روایات کو بھی رد کر دیتا ہے تاریخ پر شیعہ وسبائی کے تبرے کرتا ہے مگر یزید کے حق میں اور حضرات اہل بیت وحضرت علی کے گروہ کے خلاف ہر قسم کی رطب و یابس کو خوشی سے قبول کرلیتا ہے۔ہم طاہریوں سے سوال کریں گے کہ اگر کسی تاریخ کی کتاب میں یہ لکھا ہوتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ ناعاقبت اندیش وفاش غلطی کرنے والے تھے تو کیا طاہری اسے قبول کرتے؟ تو آنجناب کی اصطلاح میں خلیفہ راشد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں یہ سب کچھ کیسے جائز؟

سترہویں گستاخی

پروفیسر طاہر ہاشمی نے اپنی تمام کتب اور ان کی کتب کے مقدمہ نگار ملتان کے لال کرتی والے حضرات اور ان کے حواریوں وانصار نے ساری زندگی اکابر اہلسنت کو یہ کہہ کر بدنام کیا کہ وہ حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان ہونے والی جنگ میں خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو صواب پر سمجھتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو خطائے

اجتہادی پر سمجھتے ہیں ۔ یہ گروہ اپنی ہر تحریر و تقریر میں اپنے مخالفین کو یہ کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ دیکھو یہ جلیل القدر صحابی کو خاطی، باغی، اور پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں طاہر ہاشمی نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اللہ و رسول ﷺ کے بعد صحابہ پر کوئی قاضی نہیں ان پر کوئی حکم لگانا کہ کس نے خطا کی کس نے صواب درست نہیں ۔ مگر جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر کرتا ہے تو لکھتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی''۔

(حدیث خواب، ص ۱۰۱)

اب دنیا کی کوئی لغت اٹھالیں وہاں تسامح کا معنی غلطی کرنا لکھا ہے۔ غلطی اور تسامح دونوں مترادفات میں شمار ہوتے ہیں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے امور حکمرانی میں ایسی سنگین غلطیاں ہوسکتی ہیں جس سے ملک میں سنگین بدنظمی پھیل جائے افتراق و انتشار ہو جائے گویا ان جنگوں کی اصل آپ کی یہی بدنظمی قرار پائے یہ سب تو حضرت علی کی گستاخی نہ ہو بلکہ تاریخ دانی بن جائے طاہر ہاشمی کی اور جمہور اکابر اہلسنت حضرت معاویہؓ کو خطائے اجتہادی کا مرتکب کہہ دیں تو تم کہو کہ صحابہ پر طعن کا دروازہ کھول دیا یہ دورنگی کیوں؟

ایک تاویل اور اس کا جواب

سوشل میڈیا پر طاہر ہاشمی صاحب کا کمپوزر اس پر کہتا ہے کہ یہ ہاشمی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نقل کیا عرض ہے کہ یہ بھی آپ کے اصول کے مطابق گستاخی ہی ہے ۔ ہاشمی صاحب نے حضرت اوکاڑوی پر جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی گستاخی کا الزام لگایا تو وہ بھی تو ابن کثیر نے البدایہ میں نقل کیا حضرت اوکاڑوی نے وہاں ہی سے نقل کیا مگر موصوف نے البدایہ کے حوالے کو کاٹ کر حضرت اوکاڑوی کی طرف اسے منسوب کر کے اسے گستاخی ثابت کر دیا ۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

طاہر ہاشمی نے وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ کے بارے

میں لکھتا ہے:

''چنانچہ زبدۃ المحدثین اور سلطان المحققین کردار یزید کی آڑ میں برادر نسبتی رسول، خال المومنین ، کاتب وحی، صحابی رسول، خلیفہ راشد و عادل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی کردارکشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو صحیح سمجھ کر نقل فرماتے ہیں۔۔

اس کے بعد دوسرے نمبر پر روایت نقل کرتا ہے:

''یزید نوا جوانی ہی میں شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں، اور فرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے ۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن میں عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں''۔

(حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ناقدین، ص ۴۸۱)

یہاں پروفیسر صاحب نے حوالہ نقل کرنے میں احمد رضا خان بریلوی کی طرح بدترین خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو ہر باطل پرست و دشمن اہل سنت کا وطیرہ ہے مکمل عبارت اس طرح ہے:

''**طبرانی** میں ہے یزید نوا جوانی ہی میں شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں، او رفرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے ۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن میں عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں ۔ **علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ** فرماتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ کی یہ نصحت اس حدیث کے موافق ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے ۔(البدایہ)

(تجلیات صفدر، ص ۵۶۸، ۵۶۹)

یہاں مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کی عبارت مین صاف وضاحت موجود ہے کہ وہ اس روایت کو

طبرانی بحوالہ ابن کثیر کی تاریخ سے نقل کر رہے ہیں۔طاہر ہاشمی صاحب کو اگر کوئی اعتراض کرنا تھا تو سب سے پہلے طبرانی و ابن کثیر رحمھما اللہ پر کرتے اس کے بعد تیسرا نمبر حضرت اوکاڑوی کا آتا ہے۔مگر طاہر ہاشمی نے ہاتھوں کا کرتب دکھاتے ہوئے طبرانی اور ابن کثیر کے الفاظ کو غائب کر دیا۔یہ حرکت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ طاہر ہاشمی یہ سب کچھ صرف اور صرف حضرات اہل سنت کے بغض میں کر رہے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ جرم ایک طرح کا ہو پہلے والے مجرموں پر پردہ ڈالا جائے اور بعد والوں کو پکڑا جائے؟

آئیے دیکھتے ہیں کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے جو بات کی وہ البدایہ والنہایہ میں موجود ہے یا نہیں؟۔

طاہر ہاشمی کے ''امام علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ'' فرماتے ہیں:

وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ، ثَنَا ابْنُ عَائِشَةَ عَنْ أَبِيهِ. قَالَ: كَانَ يَزِيدُ فِي حَدَاثَتِهِ صَاحِبَ شَرَابٍ يَأْخُذُ مَأْخَذَ الْأَحْدَاثِ، فَأَحَسَّ مُعَاوِيَةُ بِذَلِكَ فَأَحَبَّ أَنْ يَعِظَهُ فِي رِفْقٍ، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ مَا أَقْدَرَكَ على أن تصل إلى حاجتك من غير تهتك يذهب بمروتك وقدرك، ويشمت بك عدوك ويسيء بك صديقك، ثُمَّ قَالَ: يَا بُنَيَّ إِنِّي مُنْشِدُكَ أَبْيَاتًا فَتَأَدَّبْ بِهَا وَاحْفَظْهَا، فَأَنْشَدَهُ: انْصَبْ نَهَارًا فِي طِلَابِ الْعُلَا وَاصْبِرْ عَلَى هَجْرِ الْحَبِيبِ الْقَرِيبِ حتى إذا الليل أتى بالدجا وَاكْتَحَلَتْ بِالْغُمْضِ عَيْنُ الرَّقِيبِ فَبَاشِرِ اللَّيْلَ بِمَا تَشْتَهِي فَإِنَّمَا اللَّيْلُ نَهَارُ الْأَرِيبِ كَمْ فاسقٍ تَحْسَبُهُ نَاسِكًا قَدْ بَاشَرَ اللَّيْلَ بأمرٍ عَجِيبٍ غَطَّى عَلَيْهِ اللَّيْلُ أَسْتَارَهُ فَبَاتَ فِي أمنٍ وعيشٍ خصيب ولذة الأحمق مكشوفةٌ يسعى بها كل عدوٍ مريب قلتُ: وَهَذَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ "مَنِ ابتلى بشيء مِنْ هَذِهِ الْقَاذُورَاتِ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللَّهِ عَزَّ وجل

[ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ط احیاء التراث، ۲۵۰/ ۸]

مولانا اکاڑوی صاحب رحمہ اللہ نے جو بات کی وہ ساری البدایہ والنہایہ میں موجود ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کو درست سمجھ کر اس کی توجیہ بھی نقل کر رہے ہیں۔اور اسی ابن کثیر رحمہ اللہ کو

موصوف اپنی کتاب میں جگہ جگہ ''امام ابن کثیر رحمہ اللہ'' لکھتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ ایک روایت ابن کثیر نقل کرے وہ تو ہو جائے ''امام'' اور اللہ کی رحمت کا سزاوار اور اس امام سے بیچارا کوئی نقل کر دے تو وہ صحابی رسول ﷺ کا گستاخ بن جائے؟ یہ کونسا اصول ہے اور یہ کہاں کی دوغلی پالیسی ہے؟

ناصبیوں کا یہ کہنا کہ اس میں ایک راوی محمد بن زکریا الغلابی کذاب ہے۔یہ بھی ناصبیوں کا دجل وفریب ہے۔پہلا تو میرا ناصبی ٹبر کو چیلنج ہے کہ وہ یہ بات ثابت کرے کہ تاریخی روایات میں بھی انہی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا جو حدیث رسول ﷺ کی روایت کیلئے ضروری ہے۔محمد بن اسحق پر شدید جرح حدیث رسول ﷺ کے باب میں موجود ہے مگر تاریخ کا امام کہلاتا ہے۔اگر اس طرح کی جرحوں پر روایات کو ترک کرنا شروع کر دیا جائے تو پھر پوری تاریخ ہی کو آگ لگا دو۔

پھر یہاں تو تشیع اور وضاع کی جرح مگر خود جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر رد کرنا مقصود ہے جو طاہر ہاشمی بے دھڑک شیعی وکذاب راویوں سے روایت کرتے ہیں۔جس کا ثبوت ہم دے چکے ہیں۔پھر علی الاطلاق الغلابی کو کذاب کہہ کر متروک کہنا بھی درست نہیں ہے۔ان پر وضاع کی جرح صرف دارقطنی نے کی ہے۔ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

(الثقات لابن حبان)

امام ذہبی نے اس پر ''ضعیف'' کا حکم لگایا ہے۔اور ابن مندہ نے متکلم فیہ کہا۔

(لسان المیزان)

لہذا صرف ایک طرف کے قول کو لیکر باقیوں کی طرف سے آنکھیں چرانا کیا دجل نہیں؟ لیکن یہ بھی حدیث رسول ﷺ کے باب میں تاریخ کے باب میں تو امام ذہبیؒ جیسا نقاد یوں توثیق کرتا ہے:

كَانَ راوية للأخبار علامة

(تاریخ الاسلام، ج۶ص ۸۰۳)

موصوف نے جو اپنی شاطرانہ حرکتوں کے سبب حضرت اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ کے نام کے

ساتھ ’’زبدۃ المحدثین اور سلطان المحققین‘‘ لکھ کر تعریض کی ہے تو اس پر گزارش ہے کہ اس کو صحیح سمجھ کر امام ابن کثیر نے نقل کیا اس کے بعد بھی آنجناب کے ہاں وہ ’’امام‘‘ رہے۔اس العلا بی سے کئی روایات خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لی اس کے بعد بھی خطیب بغدادی آنجناب کے ہاں ’’رئیس المورخین‘‘ رہے تو اگر حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے اس کو نقل کر دیا تو ان کی تحقیق پر کیوں اثر پڑ رہا ہے؟ پھر یہ کہنا کہ ’’صحیح‘‘ سمجھ کر نقل کیا اس صحیح سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر صحیح اصطلاحی تو یہ آپ کا دجل وفریب ہے حضرت اوکاڑوی نے کہیں بھی اس پر کوئی حکم نہیں لگایا۔اور اگر صحیح سے مراد ایسی روایت جس کا تاریخ میں نقل کرنا صحیح ہو تو بالکل یہی ’’صحیح‘‘ سمجھ کر ابن عسا کر نے اپنی تاریخ دمشق میں اور آپ کے امام ابن کثیر نے اپنی البدایہ میں نقل کی ہے اور انہی کے ’’صحیح‘‘ پر اعتماد کر کے امام اوکاڑوی رحمہ اللہ نے نقل کر دی۔

پھر یزید پلید پر جرح کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر جرح سمجھنا عجیب جہالت و حماقت ہے۔خود طاہر ہاشمی نے محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو قاتلان عثمان رضی اللہ تعالی عنہ میں شمار کیا ان کے قتل کو جائز لکھا۔(ملاحظہ ہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر اعتراضات) تو کیا محمد بن ابی بکرؓ کی ان حرکتوں کا سہرا یہ ناصبی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے سر باندھیں گے؟

نوٹ: ہمارا اس روایت سے متفق ہونا ضروری نہیں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ ہاشمی صاحب کے ہاں محض ’’ناقل‘‘ پر بھی گستاخی کا فتوی لگتا ہے۔

وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب معاذ اللہ سبائی نہیں ہیں

پروفیسر طاہر ہاشمی نے اپنی بدنام زمانہ کتاب ناقدین معاویہ میں حضرت قاضی صاحب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بدترین گستاخ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اسی طرح ان کی کتابوں کے کمپوزر اور سوشل میڈیا ترجمان اعجاز صبح شام سوشل میڈیا پر ’’سبائیت چکوالیت‘‘ کا راگ الاپتے ہیں۔

مگر پروفیسر طاہر ہاشمی کے:

’’استاذ العلما محقق اہلسنت مولانا ابو ریحان عبد الغفور صاحب سیالکوٹی‘‘۔

(عمر عائشہؓ پر تحقیقی نظر ص ۳۲)

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

’’تفصیلی مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب مذکور فتنہ خارجیت وناصبیت کے رد میں تو واقعی خوب ہے لیکن دوسری جانب۔۔۔۔عقیدے کی حد تک فساد کا تو میں قاضی صاحب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا‘‘۔

(دفاع معاویہ ص ۲۸،۲۹)

آگے لکھتے ہیں:

’’گو میں ابھی تک آپ کو سبائی نہیں کہتا سمجھتا‘‘۔

(دفاع معاویہ ص ۹۳)

سوال یہ ہے کہ جو آدمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شدید ترین گستاخی کا مرتکب ٹھہرا ہو انہیں فاسق تک کہتا ہو کیا اس کے عقیدے میں فساد نہیں ہوگا؟ کیا وہ سبائی نہیں ہوگا؟

اب یا تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں یا آپ کے محقق اہل سنت۔نیز آپ اپنے کمپوزر کو بھی سمجھائیں جو قاضی صاحب کو سوشل میڈیا پر معاذ اللہ سبائی کہہ رہے ہیں یا پھر ان سے علی الاعلان اعلان برات کریں جیسا کہ آپ کی گستاخیاں سوشل میڈیا پر آنے کے بعد موصوف نے آپ سے اعلان برات کر لیا ہے۔ثبوت عند الطلب ہمارے ذمہ۔

طاہر ہاشمی صاحب کو کھلا چیلنج !!!

بندہ طاہر ہاشمی صاحب کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر وہ خود کو واقعی دیوبندی سمجھتا ہے تو دو کام کرے ۔نمبر ایک وہ ہم سے وقت جگہ باہمی رضامندی سے طے کر کے عبارات اکابر پر مناظرہ کرلے ہماری طرف سے دعوی یہ ہوگا کہ طاہر ہاشمی صاحب اپنے ہی اصولوں عبارات کی روشنی میں گستاخی صحابہؓ بلکہ گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب ہیں جبکہ موصوف اس کے مقابلے میں محدث عبدالرزاقؒ و دیگر کو گستاخ ثابت کرے ۔دیدہ باید

دوسرا چیلنج یہ ہے کہ اگر چہ اصولی طور پر ہم ''خارجی فتنہ'' کتاب کی تائید وتصدیق کرانے کے ذمہ دار نہیں اس لئے کہ اس پر اکابر اپنی آرا دے چکے ہیں لیکن محض اس نزاع کو ختم کرنے کیلئے آپ کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ آئے آپ اپنی ''ناقدین معاویہؓ ،سیدنا مروان، حدیث حواب'' اور ہم اپنی خارجی فتنہ لیکر پاکستان کے موقر ترین دارالافتاؤں میں جاتے ہیں آپ اپنی کتابیں پیش کریں ہم اپنی ۔اس کے بعد مفتیان کرام کی طرف سے جو فیصلہ آیا اسے بسر وچشم قبول کر کے اس تنازعہ کو ہمیشہ کیلئے دریا برد کر دیتے ہیں ۔

لیکن طاہر ہاشمی صاحب بمع اپنے تمام حواریوں کے سن لیں ہاشمی صاحب مر کر دوبارہ زندہ تو ہو سکتے ہیں لیکن نہ تو ہمارے سامنے مناظرہ کیلئے آسکتے ہیں اور نہ ہمارے ساتھ کسی دارالافتا کا رخ کرسکتے ہیں ۔جو چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے ۔

پڑا ابھی دل جلوں کو فلک سے کام نہیں
جلا کر خاک نہ کر دوں تو دیوبندی نام نہیں

مروان بن الحکم کی صحابیت

مرتب۔ مولانا مجیب الرحمٰن صاحب مہتمم و مدرس دار العلوم السلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

المکتبۃ العلمیہ الاشرفیہ۔ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

وٹسپ پر مضمون حاصل کرنے کیلیے رابطہ نمبر۔

0342.6624427

محمد عمر فاروق ڈیروی۔ مدرس دار العلوم الاسلامیہ

مروان بن حکم اوراُس کے کارنامے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم :

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

جناب محترم حضرت قاضی طاہرعلی صاحب : **السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ'**

آپ نے کتاب لکھی ہے''سیدنا امیرمروان بن حکم رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' کتاب میں بہت سی اچھی باتیں اورواقعی قابل اصلاح باتیں بھی لکھی ہیں، جن سے متعلق یا اختلاف کی گنجائش نہیں، یافی الحال ہمیں تحقیق نہیں ہے، تو جن کی تحقیق نہیں اُن سے متعلق تو ہم بلا تحقیق کوئی بات نہیں کرتے، لیکن آپ سے یہ شکوہ ہے کہ آپ کاقلم اکابرین کے خلاف سخت انداز سے چلاہے مثلاً لکھتے ہیں

''حضرت مروان کے متعلق ایک رائے تو وہ ہے جس کا اظہار تیرہ چودہ سوسال کے بعد شاہ عبدالعزیز، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، اور علامہ انور شاہ کاشمیری نے محض تعصب ۔۔۔۔۔۔کی بنیاد پر کیا ہے''(سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۴۵۸)

''ناسمجھ وبے وقوف مؤرخین وادباء اپنے فہم وظرف کے مطابق سیدنا مروان کے خلاف باتیں گھڑتے رہتے ہیں''(ص ۵٦۰)

''حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) نے حضرت مروان کے ساتھ تعصب کی بناء ۔۔۔۔۔آٹھ سوسال بعد ایسی توجیہ وتنبیہ جاری کی جس کا حق اللہ تعالی کے سوا کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔۔۔۔۔ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کی تعصب وعناد پرمبنی یہ توجیہ وتنبیہ اُن کے کسی ہم فکر وہم عقیدہ اور ہم خیال ہی کو پسند آسکتی تھی''(ص ۵۳۰)

''دونوں بزرگ (مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سلیم اللہ خان) حق اور انصاف کا خون کرتے ہوئے ۔۔۔ کلی طور پر سبائی پروپیگنڈے سے بری طرح متاثر ہوگئے تھے ''(ص ۴۹۲) وغیرہ،

ممکن ہے کہ اِس سختی کی یہ توجیہ ہو کہ جو غلط سمجھا اُس کے ازالے کے لئے جواباً سختی آئی، لیکن بہرحال تعصب وغیرہ جیسے حالات بھی تو دراصل دل سے تعلق رکھتے ہیں اور علیم بذات الصدور اللہ تعالی ہے، اس لئے اکابر کے متعلق ایسے جملے بھی مناسب نہ تھے، اس لئے اگر اچھی تحقیق پیش کرنے کے ساتھ دل آزار کلموں سے بھی پرہیز کیا جاتا تو درست تحقیقات سے غلط سوچ کا مؤثر علاج کیا جاسکتا تھا، مگر دل آزار انداز زیادہ سختی پیدا کرتا ہے، یہ انداز آپ صاحب کا تقریباً ہر تحریر میں ہے،

بہرحال ہم جتنی تحقیق کرسکے اُس کے مطابق

(۱) مروان بن حکم صحابی نہیں ہے، اُس کی صحابیت نہ تو سند صحیح سے ثابت ہے نہ ضعیف سے، صحابیت کے ثبوت کے لئے جو اصول ہیں ان میں سے ایک اصول سے بھی اُس کو صحابی ثابت نہیں کیا گیا نہ کیا جاسکتا ہے،

(۲) یہ بات درست معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ نے حضرت حکم کو جلاوطن نہیں کیا، نہ حضرت حکم کے کردار سے متعلق روایات صحیح ثابت ہیں،

(۳) مروان کے متعلق تعریفی کلمات صحیح ثابت نہیں ہیں،

(۴) مروان بن حکم متغلب خلیفہ وحکمران تھا، اُس کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی،

(۵) مروان بن حکم حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے،

(٦) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں حجرہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کی تھی، مگر مروان بن حکم وغیرہ وہاں تدفین سے رکاوٹ بنے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا،

(1) مروان بن حکم کی صحابیت کی بحث:

مروان بن حکم سے متعلق آپ نے متعدد بحثوں کو چھیڑ کر مروان بن حکم پر ہونے والے بہت سے طعن دور کرکے اُس کی ذات کی صفائی دینے کی کوشش کی ہے، آپ کی بحث کی بنیاد اِس پر ہے کہ مروان بن حکم صحابی ابن صحابی ہے لہٰذا اُس کا دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کا حصہ ہے اور اُس پر طعن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر مروان بن حکم واقعی صحابی ہوتو اُس پر طعن وتشنیع اِسی طرح درست نہ ہوگی جس طرح کسی بھی صحابی پر طعن وتشنیع درست نہیں ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اُس کی صحابیت کسی صحیح ثبوت سے ثابت نہیں ہے، آپ کے نظریہ کے خلاف کوئی حدیث ہوتو اگر وہ صحیح حدیث بھی ہوتو بھی اُس کو ضعیف بنانے کے لئے ادھر اُدھر سے کمزور دلائل لاتے اور کسی بھی بزرگ کے بے دلیل قول کو حجت بناتے ہیں، اور اگر کوئی عبارت یا روایت آپ کے نظریہ کے مطابق ہو چاہے کتنے درجے کی کمزور ہی ہو آپ اُس کو ضعف سے صرف نظر کرکے اپنی

دلیل بناتے ہیں، مروان بن حکم کی صحابیت کے ثبوت میں بھی کچھ ایسا ہی حال معلوم ہوتا ہے،

مروان بن حکم کی صحابیت کا مدار:

مروان کی صحابیت کے ثبوت کے لئے جن باتوں کو بحث میں لائے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مروان کی ولادت کب ہوئی؟ اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت مروان کی عمر کتنی تھی؟

اس بارے میں کافی حوالے دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں

'' مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت سیدنا مروان کی عمر کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اُن کی سن ولادت کے حوالے سے کتب تاریخ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، البتہ ثقہ سنی وشیعہ مؤرخین وارباب سیر اور دیگر ناقدین ومعاندین کی آراء کی روشنی میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے دوسال بعد والے قول پر اکثر حضرات کا اتفاق معلوم ہوتا ہے، جس کی رو سے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال یا نو سال ثابت ہوتی ہے (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۵۷)

واقعی کئی محدثین ومؤرخین صرف ایک قول پر اکتفاء کرنے والے ہیں، یعنی وہ حضرات اِن متعدد اقوال سن ولادت میں سے ایک کو ترجیح دینے والے ہیں یعنی ہجرت کے دوسال بعد ولادت ہوئی، اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت آٹھ سال کی عمر کے تھے،

الھدایۃ والارشاد فی معرفۃ اھل الثقۃ والسداد، ج ۲ صفحہ ۷۱۵، مولف ابونصر احمد بن محمد بخاری کلاباذی م ۳۹۸ھ، الطبقات الکبری ۵/۲۶ امام محمد بن سعد بن منیع ہاشمی م ۲۳۰ھ، مرأۃ الزمان لسبط ابن الجوزی (م ۵۸۱ھ) ۸/۳۵۱، المعارف صفحہ ۳۵۳، مؤلف عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) البدء والتاریخ ۶/۱۹ مؤلف مطہر بن طاہر المقدسی (م ۳۵۵ھ) تاریخ الاسلام للذہبی ۵/۲۲۷، وغیرہ،

اِس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے بچپن میں حضور ﷺ کا زمانہ پایا ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ صحابیت کا دارومدار تو اس پر نہیں ہے کہ مروان کی ولادت حضور ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی ہو، اور اُس نے حضور ﷺ کے زمانہ کے آٹھ سال پائے ہوں، حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ اور ابومسلم خولانی اور ابوعثمان النہدی وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی تو حضور ﷺ کا کافی زمانہ پایا ہے مگر کوئی ان حضرات کو صحابی نہیں کہتا، کیوں کہ صرف حضور ﷺ کا زمانہ پانے سے کوئی صحابی نہیں بنتا، صحابی کی تعریف منطبق ہونے سے ہی کوئی صحابی بن سکتا ہے، تو مروان پر صحابیت کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

صحابی کی تعریف:

آٹھویں صدی کے بزرگ گذرے ہیں علامہ صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ) انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے **"تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت له شریف الصحبة"** اس میں انہوں نے کسی ذات کے صحابی ہونے کے متعلق کافی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے،

جس بات کے پائے جانے سے صحبت ثابت ہو کر ایسے شخص پر صحابی کا اطلاق درست ہوتا ہے، اس بارے میں کئی مذاہب ہیں

اول: جمہور محدثین کے نزدیک صحابی ہر وہ مسلمان ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اگر چہ ایک لحظہ کی ہو اور آپ ﷺ سے متعلق کچھ سمجھا چاہے کم یا زیادہ (امام احمد بن حنبل، الکفایۃ، امام بخاری، فتح الباری، امام ابوداؤد، سنن، شیخ ابوعمرو بن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، ابن الحاجب، المختصر)

دوم: حضور ﷺ کو دیکھنے کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ صحبت حاصل کی ہو (یعنی کچھ وقت بیٹھا بھی ہو) چاہے ایک گھڑی بھی ساتھ بیٹھا ہو (آمدی، الاحکام)

سوم: جس نے دیکھا اور طویل صحبت حاصل کی ہو (ابوالمظفر سمعانی، ضعیف قول)

چہارم: طویل صحبت بھی حاصل کی ہو اور آپ ﷺ سے علم بھی حاصل کیا ہو (عمر بن یحیی) یہ قول مرجوح ہے،

پنجم: حضور ﷺ کے ساتھ ایک یا دوسال رہا ہو اور ایک یا دو غزووں میں شریک ہوا ہو (سعید بن المسیب) یہ قول بھی مرجوح ہے (اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے صحیح ثابت نہیں، مرتب)،

ششم: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ صحابی ہونا اور صحابیت کی فضیلت ہر اُس کو حاصل ہوگی جس نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی زندگی میں اسلام لایا، یا پیدا ہوا اگر چہ حضور ﷺ کو نہیں دیکھا چاہے یہ شرف آپ ﷺ کی وفات سے ایک گھڑی پہلے حاصل ہوا ہو،

لیکن (علامہ خلیل فرماتے ہیں) قاضی عیاض کی اس نقل میں اشکال ہے اس لئے کہ ابن عبدالبر نے ایسی کوئی تصریح نہیں کی ہے، اور قاضی عیاض نے اُن کے ذمہ یہ قول اس لئے لگایا کہ ابن عبدالبر نے حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہونے والوں کو بھی (چاہے زیارت حاصل نہ ہوئی ہو) صحابہ میں داخل کیا ہے، مگر یہ نقل درست نہیں ہے اس لئے کہ ابن عبدالبر نے خود تصریح کی ہے کہ انہوں نے احنف بن قیس اور صنابحی اور صحابہ کی اولاد کو (جب کہ وہ بہت چھوٹے تھے محض) اس لئے صحابہ میں ذکر کیا ہے تاکہ اُن کے تذکرے سے وہ بہتر دور مکمل کرلیں جس کے خیر ہونے کا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، یعنی اُن کو صحابہ میں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرات صحابہ میں سے ہیں (الاستیعاب ۱/۲۴، مرتب)

فقدصرح ابن عبدالبربانه انماادخل مثل الاحنف بن قيس والصنابحي واولادالصحابة الذين ولدوافي حياته ﷺ ولايثبت لاحدمنهم روية لموته ﷺ وهم صغارجداليستكمل بذكرهم القرن الذى اشاراليه النبى ﷺ بانه خيرالقرون يعنى لالانهم من الصحابة (تحقيق منيف الرتبة لمن ثبت له شريف الصحبة صفحه ۳۵)

آپ (قاضی صاحب) نے لکھا ہے

''حافظ ابن عبدالبر نے تو حضرت احنف بن قیس کو محض نبی کریم ﷺ کا زمانہ پانے کی وجہ سے صحابی تسلیم کرلیا ہے حالاں کہ انہوں نے کبھی نہ نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اُنہیں دیکھا ہے،

قدادرک النبى ﷺ ولم يره ودعاله النبى عليه الصلاة والسلام فمن هناک ذکرنافى الصحابة لانه اسلم على عهدالنبى ﷺ (الاستيعاب مع الاصابة الجزء الاول ص ۱۲۶)''

(سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۶۵)

حالاں کہ امام عبدالبر نے اُن کو صحابی تسلیم نہیں کیا محض صحابہ میں ذکر کیا ہے، اور صحابہ میں ذکر کرنے کا معنی صحابی مان لینا نہیں ہے، کیوں کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ایسے کئی حضرات کو استیعاب میں ذکر بھی کیا اور اُن کو صحابی نہیں تسلیم کیا مثلاً

ربیعہ بن عبداللہ بن الہدیر التیمی قرشی کو استیعاب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے

وهومعدودفى التابعين لیکن تابعین میں شمار ہوتے ہیں **(الاستيعاب رقم ۷۶۱)**

ابوادریس خولانی رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا جو غزوہ حنین والے سال پیدا ہوئے مگر فرمایا

يعدفى كبارالتابعين بڑے تابعین میں اُن کا شمار ہوتا ہے **(الاستيعاب رقم ۲۸۳۴)**

ابومراوح الغفاری کو بھی ذکر کیا اور وہ حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے مگر فرمایا

وهومن كبارالتابعين وہ بڑے تابعین میں سے ہیں **(الاستيعاب رقم ۳۱۶۲)**

ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو بھی استیعاب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس نے زمانہ جاہلیت بھی پایا ہے اور حضور ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی

فهومعدودفى التابعين تو وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں **(الاستيعاب رقم ۳۱۷۵)**

ابوعثمان النہدی کا بھی صحابہ میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس نے حضور ﷺ کی خدمت میں (بالواسطہ) صدقات کی ادائیگی کی ہے لیکن آپ ﷺ کی زیارت نہیں کی تو

وهومعدودفى كبارالتابعين وہ بڑے تابعین میں شمار ہوتے ہیں **(الاستيعاب رقم ۳۰۸۴)**

عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا مگر فرمایا

هوتابعى من كبارالتابعين یہ تابعی ہیں بڑے تابعین میں سے ہیں **(الاستيعاب رقم ۱۶۰۳)**

ابوعمر والشیبانی سعد بن ایاس کو بھی صحابہ میں ذکر کیا مگر فرمایا حضور ﷺ (کے زمانہ) کو پایا ہے اور آپ ﷺ پر (اسی وقت) ایمان بھی لایا لیکن دیکھا نہیں اس لئے

معدودفى التابعين تابعین میں شمار ہوتا ہے **(الاستيعاب رقم ۳۱۰۵)**

ایسے ہی جبیر بن نفیر حضرمی (الاستیعاب رقم ۳۱۴) حبیب السلمی (رقم ۴۷۷) سعید بن عیاض الثمالی (رقم ۹۵۱) الصنابح بن الاعسر الاحمسی (رقم ۱۲۴۵) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری (رقم ۱۴۳۳) ابوتمیمہ طریف بن مجالد (رقم ۲۸۸۰) رحمہم اللہ کو بھی استیعاب میں صحابہ کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر یہ بھی فرمایا کہ یہ سب تابعی ہیں

مگر آپ کی زبان وقلم کو کون روکے اگر آپ جناب فرمادیں کہ یہ سب صحابی ہیں اور ابن عبدالبر اور ابن حجر عسقلانی نے اِن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے،
اور مروان بن الحکم کو بھی صحابہ میں ذکر کیا مگر اُن کو صحابی نہیں مانتے، لیکن آپ کہتے ہیں کہ جی مروان کو بھی صحابی مان لیا چنانچہ لکھتے ہیں
جہاں تک حضرت مروان پر صحابی کی تعریف کے اطلاق کا تعلق ہے تو حافظ ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) نے **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (الجزء الثالث ص ۴۲۵ تا ۴۲۹)** میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے **الاصابة فی تمییز الصحابة (الجزء الثالث ص ۴۷۷ تا ۴۷۸)** میں **القسم الثانی** کے تحت لاکر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے (سیدنا مروان بن الحکم ص ٦٦)
حالاں کہ یہ دونوں حضرات اُن کو صحابی نہیں مانتے محض حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہونے کی وجہ سے اُن کو صحابہ کرام کے تذکرے پر مشتمل کتاب میں ذکر کر دیا، اِس ذکر کا یہ معنی نہیں کہ وہ اِن کو صحابی مانتے ہیں جیسا کہ علامہ خلیل بن کیلکدی رحمہ اللہ فرمارہے ہیں، اِس کی مزید تفصیل آگے ذکر ہوگی،
اِن سب اقوال میں قدر مشترک یہ ہے کہ کم ازکم صحابیت کے لئے رویت (حضور ﷺ کا دیدار) شرط ہے،
علامہ خلیل بن کیکلدی رحمہ اللہ کافی بحث کے بعد فرماتے ہیں
جن پر صحابی کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ کئی اعتبارات سے کیا جاتا ہے،
اول: وہ لوگ جن پر استعمال عرف قطعی کے اعتبار سے صحابی کا اطلاق صادق آتا ہے ایسے حضرات جمہور صحابہ مہاجرین وانصار ہیں جو حضور ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے ایسے ہی وہ قبائل جنہوں نے حضور ﷺ کی طرف ہجرت کی اور جہاد میں شرکت کی، یہ لوگ لاریب صحابہ میں داخل ہیں،
دوم: جو اِن اول مصداق بننے والے حضرات کے قریب ہیں یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی اور کچھ دن آپ ﷺ کے پاس رہے اور پھر اپنے گھروں کی طرف واپس ہوگئے، (مثلاً وفد عبدالقیس، وفد ثقیف وغیرہم، وائل بن حجر، معاویہ بن حکم سلمی، جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہم) جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں تھوڑی سی مدت یعنی چند دن اور راتیں رہے، لیکن کچھ یاد بھی کیا اور آپ سے سیکھا، اور کئی حدیثیں روایت کیں، اِن لوگوں پر بھی صحابی کا اطلاق حقیقت عرفیہ ہے اگر چہ اِن کی صحبت کی مدت طویل نہیں ہے،
سوم: وہ جنہوں نے معمولی سی مجلس کے ساتھ یا بیعت کے ساتھ یا کچھ دیر آپ ﷺ کے ساتھ چل کر ملاقات کی ہے اور بالغ یا تمیز والے مسلمان تھے، اور حضور ﷺ سے کچھ نہ کچھ سمجھے ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے اُن کو اپنی گود میں بٹھایا یا چہرے پر منہ سے پانی ڈالا وغیرہ، اِن پر اطلاق عرفی صحابیت کا تو نہیں ہوتا لیکن لغوی اطلاق ہوسکتا ہے، اور اِن پر صحابیت کا اطلاق بطور حقیقت نہیں ہے، لیکن ہر دور کے ائمہ محدثین نے اِن کو صحابی کہہ کر ذکر کیا اور اُن کے واقعات مسانید صحابہ میں بیان کئے اور اُن سے حجت لی ہے، تو اِن پر صحابیت کا اطلاق حقیقت لغوی ہے، استعمال عرفی نہیں ہے، ایسے ہی لوگوں میں سے حضرت طارق بن عبداللہ محاربی ہیں،
چہارم: وہ لوگ جو حضور ﷺ کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوئے محض دور سے دیکھا اور آپ ﷺ سے کچھ نقل کیا یا نقل نہ کیا، جیسے ابوطفیل عامر بن واثلہ، وغیرہ جنہیں حجۃ الوداع یا غزوہ فتح مکہ یا غزوہ حنین وغیرہ میں محض زیارت حاصل ہوئی یا کوئی اپنے باپ کے ساتھ تھے اور والد نے اُن کو دور سے حضور ﷺ کی زیارت کرادی، اِن حضرات پر لغوی اعتبار سے بھی صحابیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ استعمال عرفی کے اعتبار سے اطلاق ہوسکے، مگر پھر جو اِن پر صحابیت کا حکم لگایا گیا تو بس اُس شرف کی وجہ سے کہ اُنہیں حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ حضرات اُس خیر قرن (بہتر زمانے) میں داخل ہیں جس کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے سب زمانوں سے بہتر زمانہ فرمایا، تو یہ اطلاق محض مجازی طور پر ہے نہ کہ حقیقی طور پر،

الرابع من لم یجتمع به ﷺ اصلاً وانماراٰه من بعید وحکی شیئاًمن افعاله اولم یحک شیئاً مثل ابی الطفیل عامربن واثلة وغیره ممن لیس له الا مجردالرویة امافی حجة الوداع اوغزوة الفتح اوغزوة حنین وغیرذالک اوکان مع ابیه فاراه النبی ﷺ من بعد،فلاریب فی ان الاطلاق اللغوی منتف عن هؤلاء قطعاًفضلاً عن الاستعمال العرفی ،وانمااعطی هؤلاء حکم الصحبة لشرف ماحصل لهم من الروية له ﷺ ولدخولهم فی القرن الذی اثبت رسول الله ﷺ انه خیرالقرون من امته فکان ذالک علی وجه التوسع المجازی لابالحقیقة والله اعلم (تحقیق منیف الرتبة صفحه ۴۱)
مزید فرماتے ہیں

اِن مراتب کے بعد اُن لوگوں کو جنہوں نے آپ ﷺ کا زمانہ تو پایا لیکن آپ ﷺ کو بالکل نہیں دیکھا ایسوں کو محض اس لئے صحابہ کرام میں شامل کرنا کہ وہ حضور ﷺ کے دور میں اسلام لائے مثلاً احنف بن قیس، ابوعبداللہ صنابحی اور اِن جیسے، تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ اُن پر صحابیت کا اطلاق بہت ہی دور ہے، کیوں کہ نہ صحبت حاصل ہوئی نہ زیارت کا شرف

ملا،

ایسے ہی صحابہ کرام کی وہ اولاد جو حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ایک سال یا ایسی ہی عمر تھی ان پر بھی کسی طرح صحابیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ حقیقت کے اعتبار سے نہ بطور مجاز (**تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت له شریف الصحبة**)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جس کو حضور ﷺ کی زیارت نہ ہوئی ہو چاہے آپ ﷺ کا کچھ زمانہ پایا ہو وہ صحابی نہیں کہلا سکتا، نہ لغوی اعتبار سے نہ اصطلاحی اعتبار سے، نہ حقیقۃً نہ ہی مجازاً،

کسی شخص کے صحابی ہونے کا ثبوت ؟

آپ جناب ہی لکھتے ہیں

محدثین کرام اور علمائے اسماء الرجال نے صحابی کی معرفت کے حسب ذیل طریقے یا اصول متعین کئے ہیں

1۔ایسا شخص جس کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ،

2۔ایسا شخص جس کا صحابی ہونا مشہور ہو یا مشہور روایات سے ثابت ہو اگر چہ تواتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو، مثلاً ضمام بن ثعلبہ، اور عکاشہ بن محصن،

3۔کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ صحابی ہیں،

4۔کسی صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا یا آپ ﷺ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو فرمائی،

5۔اس کا صحابی ہونا تابعی کے قول سے ثابت ہو اور وہ شخص ایسے زمانے تک بقید حیات رہا ہو جس سے اس کے صحابی ہونے کا امکان پایا جاتا ہو، علماء نے یہ زمانہ 110ھ تک مقرر کیا ہے، اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، الخ (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۶۴،۶۵)

مروان کی صحابیت؟

اب سوال یہ ہے کہ مروان کی صحابیت کا ثبوت کس اصول پر منطبق ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ اصولوں میں سے ایک اصول سے بھی مروان بن الحکم کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، اُس کا صحابی ہونا نہ تو تواتر سے ثابت ہے نہ ہی خبر مشہور سے، نہ کسی صحابی نے اُس کے صحابی ہونے کو بیان کیا، نہ کسی صحابی نے یہ بیان کیا کہ میں اور مروان اکٹھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یا حضور ﷺ نے میرے سامنے مروان سے گفتگو فرمائی، نہ ہی خود مروان نے حضور ﷺ کی زیارت ہونے کو یا اپنی صحابیت کو بیان کیا، نہ ہی کسی تابعی کے قول سے اُس کا صحابی ہونا ثابت ہے، تو پھر مروان بن الحکم صحابی کیسے ٹھہرا؟

اس کے ثبوت کے لئے آپ جو دلائل لائے ہیں درج ذیل ہیں،

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

ایک تو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے **الاصابه فی تمییز الصحابه الجزء الثالث** ص ۴۷۷،۴۷۸ میں مروان بن الحکم کو القسم الثانی کے تحت لا کر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، (اور)۔۔۔۔۔۔۔حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا شمار صغار صحابہ کے اُس طبقہ میں ہوتا ہے جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۶۶)

اول: یہ حوالہ اوپر کے اصولوں میں سے کسی اصول پر منطبق نہیں ہوتا، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نہ تو تواتر سے نہ خبر مشہور سے، نہ صحابی سے نہ تابعی سے نہ خود مروان سے اُن کا صحابی ہونا نقل کیا ہے، نہ ہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ صحابی یا تابعی ہیں، تو یہ ثبوت تو اُن پانچ اصولوں سے ہٹ کر نیا اصول ہوا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کے بیان سے بھی کسی کی صحابیت ثابت ہوتی ہے؟

دوم: یہ عجیب بات ہے کہ یہاں تو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں لیکن دوسرے مقامات پر اُن کی صحابیت پر مہر تکذیب ثبت فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں

لاتصح له روية ولاسماع (اطراف المسندالمعتلی باطراف المسندالحنبلی ۵/۲۷۱، اتحاف المهرة ۱۳/۱۷۱) لاتثبت له صحبة (تقریب التهذیب رقم ۶۵۶۷) مروان لایصح له سماع من النبی ﷺ ولاصحبة، لاصحبة له (فتح الباری ۵/۳۱۳ تحت حدیث ۲۷۱۱.. ۵/۳۳۳

حدیث ۲۷۳۱)

نہ تو مروان کا حضور ﷺ کو دیکھنا صحیح ثابت ہے نہ ہی آپ ﷺ کا کوئی فرمان سننا صحیح ثابت ہے، مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہے، مروان کا نہ حضور ﷺ سے سماع صحیح ثابت ہے نہ اس کے لئے صحابیت ثابت ہے،

لیجیئے اب تو انہوں نے مروان کی صحابیت پر مہر تکذیب ثبت فرمادی ہے، اب آپ کیسے کہہ سکیں گے کہ انہوں نے مروان کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے؟

اصل بات یہ سمجھ آتی ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امکان واحتمال کی بناء پر یا غلبہ ظن کی بناء پر اُن کو **القسم الثانی** کے تحت لائے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہوئی ہو، اور محض امکان اور احتمال سے کسی بات کا وقوع تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ امکان میں وقوع اور عدم وقوع دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں، تو اِس سے اُس کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ اِسی **القسم الثانی** کے تحت قیس بن ابی حازم الحمسی کا ذکر بھی کیا ہے جس پر جناب عالی حدیث کلاب حوأب کے مضمون میں بے حد جرح کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، محض اس لئے **القسم الثانی** کے تحت ذکر کیا کہ ایک روایت (ابن مندہ کی) اُس کی رویت ثابت کرتی ہے اگر چہ اُس روایت کی سند خود ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں ثابت نہیں واہی ہے (دیکھیں الاصابۃ ترجمہ قیس) تو احتمال ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مروان کو بھی زیارت حاصل ہوئی ہو، اُسی احتمال کی بناء پر اُن کا ذکر **القسم الثانی** میں ہو گیا، آپ کی بیان کی ہوئی عبارت میں بھی یہ لفظ ہیں کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا

لکن لم ارمن جزم بصحبتہ

مجھے کوئی ایسا محدث معلوم نہیں جس نے مروان کے صحابی ہونے کو یقین سے بیان کیا ہو،

اور ایسے حضرات کو صحابہ کے ذکر میں شامل کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں

ذکرا ولائک فی الصحابۃ انما ھو علی سبیل الالحاق لغلبۃ الظن علی انہ ﷺ راھم لتوفّر دواعی اصحابہ علی احضارھم او لادھم عندہ عند ولادتھم لیحنکھم ویسمیھم ویبرک علیھم (الاصابۃ ۱/۱۵۵)

''ایسے لوگوں کا صحابہ میں ذکر محض بطور الحاق ہے کیوں کہ غالب گمان یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اِن کو دیکھا ہو گا کیوں کہ عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کی پیدائش پر حضور ﷺ کے پاس حاضر کرتے تاکہ آپ ﷺ تحنیک کر دیں اور نام رکھ دیں اور اُن کے لئے برکت کی دعاء کر دیں''

یعنی اولاد صحابہ کو صحابہ میں بیان کرنا محض احتمالاً اور ظن کی بناء پر ہے کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے پاس ولادت کے وقت لائے گئے ہوں اور آپ ﷺ نے اُن کی تحنیک کی ہو اور دعاء برکت دی ہو وغیرہ،

اب یہ ثابت کرنا آپ کے ذمہ پر ہو گا کہ (۱) جناب مروان ہجرت کے دو سال بعد مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے (۲) حکم بن ابی العاص اُن کو حضور ﷺ کے پاس لائے اور آپ سے تحنیک کرائی اور مروان کا نام حضور ﷺ نے رکھا اور مروان کے لئے دعاء برکت کی، جب کہ یہ بات پکی ہے کہ مروان کی پیدائش مدینہ طیبہ میں نہیں ہوئی ہے، اُس کی جائے پیدائش سے متعلق محدثین و مؤرخین کے دو قول ہیں کہ مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی، یا طائف میں پیدائش ہوئی، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں جائے پیدائش صرف مکہ مکرمہ بیان کی ہے، یعنی اُن کے نزدیک راجح قول اس بارے میں مکہ مکرمہ کا ہے، اور ظاہر ہے کہ سنہ ۲ھ سے سنہ ۷ھ عمرۃ القضاء کے سفر تک حضور ﷺ مکہ مکرمہ تشریف نہیں لے گئے تو اُن کی پیدائش کے وقت تحنیک اور نام رکھنا اور دعاء برکت کرنا کہاں سے ثابت کیا جا سکے گا جب کہ اُس وقت اُن کے والد بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے؟

سنہ ۷ھ عمرۃ القضاء کے سفر یا سنہ ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں اُن کا پیش کئے جانے اور دیدار کرنے کا ثبوت بھی آپ کے ذمہ ہو گا، عمرۃ القضاء کے سفر میں زیارت اور صحابیت ثابت نہیں ہو سکتی کیوں کہ اُس وقت تو اُن کے والد بھی غیر مسلم تھے، اگر فتح مکہ کے موقع پر والد کے اسلام لانے کے بعد واقعی ایمان کے ساتھ زیارت کرنا ثابت ہو جائے تو پھر مروان کی صحابیت ثابت ہو جائے گی محض امکان اور احتمال سے اُس کی صحابیت ہرگز ثابت نہیں کی جا سکتی، اور حجۃ الوداع میں اُن کے والد کا نام کی تصریح کے ساتھ حج پر حاضر ہونا اور اُن کے ساتھ مروان کا بھی حاضر ہونا سند صحیح سے نہ سہی ضعیف سے ثابت کر لیں تو واقعی مروان صحابی ہو گا ورنہ محض احتمال ہے اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہے،

رہے حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم تو یقیناً آپ تسلیم کریں گے کہ نہ مروان اِن کے ہم پلہ ہے نہ ان حضرات کی صحابیت کی طرح مروان کی صحابیت قطعی اور یقینی یا با غلبہ ظن جتنی دلیل سے ثابت ہے، روایاتِ حدیث بکثرت بکھری پڑی ہیں جو اِن حضرات کی صحابیت کا گویا با آواز بلند اعلان کر رہی ہیں، جب کہ مروان کے متعلق ایک حدیث بھی نہیں پیش ہو سکتی جو اُس کی صحابیت کی دلیل بنے، یہ حضرات تو کہتے ہیں

سمعتُ رسول اللہ ﷺ (مسنداحمدحدیث عبداللہ بن الزبیر رقم ۱۶۰۹۸) رئیتُ رسولَ اللہ ﷺ (رقم ۱۶۰۹۹) علّمنی رسول اللہ ﷺ (حدیث الحسن بن علی مسنداحمدرقم ۱۷۱۸) اَذکُرمِن رسول اللہ ﷺ (رقم ۱۷۲۷) علّمنی جدی او قال النبی ﷺ (حدیث الحسین مسند

احمدرقم ۱۷۳۵)رئیتُ النبی ﷺ(حدیث عبداللہ بن جعفر،مسنداحمدرقم ۱۷۴۱)انہ سمع رسول اللہ ﷺ(رقم ۱۷۴۴)غدونامع رسول اللہ ﷺ(حدیث عبداللہ بن عمر،مسنداحمدرقم ۴۴۵۸)سمعتُ رسول اللہ ﷺیقول (رقم ۴۴۶۲)رئیتُ رسول اللہ ﷺ(رقم ۴۴۶۳) مر بی یھودی واناقائم خلف النبی ﷺ.....فنضح النبی ﷺفی وجھی من الماء (حدیث المسوربن مخرمة مسنداحمدرقم ۱۸۹۰۸)فقام النبی ﷺفسمعتہٗ حین تشھد (رقم ۱۸۹۱۲)فسمعتُ رسول اللہ ﷺوھویخطب الناس فی منبرہ ھٰذاوانایومئذمحتلم (رقم ۱۸۹۱۳)سمعتُ رسول اللہ ﷺوھوعلی المنبریقول (رقم ۱۸۹۲۶)

اِن روایتوں میں یہ حضرات عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یوں دیکھا، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ سکھایا، وغیرہ مگر مروان سے کوئی ایسی روایت نہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں دیکھا، رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا، تو چاہے مروان اِن حضرات کے ہم عصر ہوں مگر ان کی ہم عصری اُس کو صحابی نہیں بناتی، مروان صلح حدیبیہ کا واقعہ روایت کرتے ہیں مگر بلا شک وہ مرسل روایت ہے، بخاری کی ایک روایت میں صاف ہے کہ وہ اُس واقعہ کو صحابہ سے نقل کرتے ہیں، تو اُس سے اُن کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، آپ جناب جتنا زور لگالیں مروان کی ایسی کوئی صحیح بلکہ ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی روئے زمین کی کتاب سے نہیں لاسکتے کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی حال اور مقام میں دیکھنا یا آپ ﷺ سے کچھ سننا بیان کیا ہو، تو عمر میں مروان اِن حضرات مذکورین کے برابر ہوسکتا ہے مگر یہ برابری اُس کی صحابیت کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں بنتی

قاضی صاحب کی عربی دانی:

آپ نے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کی ہے اور اُس کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے، آپ لکھتے ہیں

علامہ موصوف نے ایک دوسرے مقام پر بھی حضرت مروان کے لئے یہ لکھا ہے کہ

یقال لہ رویة فان ثبت فلایعرج علی من تکلم فیہ (ھدی الساری ،فتح الباری جلد ۱۴ ص ۴۴۳...)

کہاجاتا ہے کہ اُن کے لئے رویت ثابت ہے یعنی اُنہیں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہے، اگر یہ ثابت ہوجائے تو اُس کے بارے میں کلام واعتراض کی گنجائش نہیں (سیدنا مروان صفحہ ۶۹)

خط کشیدہ الفاظ عبارت کا غلط ترجمہ ہے، صحیح ترجمہ اس طرح ہے

کہاجاتا ہے کہ اُس کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہے تو اگر یہ ثابت ہو تو جس محدث نے مروان میں کلام کیا اُس (کی کلام) پر اعتماد نہیں کیا جاسکے گا ،

اس عبارت سے بھی آپ کا مطلب حاصل نہیں ہوتا بلکہ آپ کے مطلب کے خلاف ہے، اس لئے کہ اول انہوں نے **یُقَالُ** مجہول صیغہ بولا ہے اور یہ صیغہ عام طور پر کمزور قول کے لئے استعمال ہوتا ہے تو علامہ نے اِس کو استعمال کرکے اشارہ کیا کہ مروان کو زیارت حاصل ہونے کا قول کمزور ہے، محسوس نہ کرنا کہ آپ کے مطلب کا **یُقَالُ** اور **قِیْلَ** کام کا ہوتا ہے لیکن مطلب کے خلاف ہو تو آپ بھی مانتے ہیں کہ **یُقَالُ** و **قِیْلَ** پوری طرح کام کا نہیں ہوتا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں

یُقَالُ افواہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (سیدنا مروان صفحہ ۳۸۷) (یعنی جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، مرتب)

دوسرے **فَاِنْ ثبت** میں **اِنْ** استعمال کیا اور اِن شک اور فرض وتقدیر کے موقع میں استعمال ہوتا ہے اس سے بھی اشارہ کیا کہ مروان کو زیارت حاصل ہونے کی بات مشکوک اور غیر یقینی ہے،

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

جہاں تک حضرت مروان پر صحابی کی تعریف کے اطلاق کا تعلق ہے تو حافظ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (الجزء الثالث ص ۴۲۵ تا ۴۲۹)** میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) نے **الاصابة فی تمییز الصحابة (الجزء الثالث ص ۴۷۷ تا ۴۷۸)** میں **القسم الثانی** کے تحت لاکر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے (سیدنا مروان بن الحکم ص ۶۶)

جناب!

آپ کو بھی تسلیم ہوگا کہ صحابیت کی تعریف میں کم از کم زیارت ثابت ہونا لازمی بات ہے جب کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ولم يره (الاستيعاب رقم ٢٣٧٠)

مروان کوحضورﷺ کی زیارت نہیں ہوئی ہے،

ومااظنه رای رسولَ الله ﷺلانه وُلدبالطائف ولم یزل بهاحتی ولی عثمان (التمهیدلمافی المؤطامن المعانی والاسانید١٧/١٩٠)

میرے خیال میں مروان نے رسول اللہﷺ کونہیں دیکھا کیوں کہ وہ طائف میں پیدا ہوااور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک طائف میں رہا ہے،

توعلامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت نہیں کی ہے بلکہ مہر تکذیب ثبت کی ہے،

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

امام شمس الدین ذہبی (م۷۴۸ھ) لکھتے ہیں

وقیل له رویة وذالک محتمل (سیراعلام النبلاء الجزء الثالث ص ۴۷٦تحت کبارالتابعین)

اور کہا گیا ہے کہ حضرت مروان کے لئے احتمالاً رویت ثابت ہے (سیدنا مروان صفحہ ٦٨)

اِس عبارت کے ترجمہ میں بھی آپ مغالطہ دے گئے ہیں صحیح ترجمہ اس طرح ہے

اور کہا گیا کہ مروان کوزیارت حاصل ہوئی ہے اور اِس کا احتمال ہے،

اِس عبارت میں امام ذہبی نے **قیل** سے اُن کوزیارت حاصل ہونے کا قول ذکر کیا ہے، یہ کہنے والا کون ہے؟ معلوم نہیں، اور یہ اِس قول کی کمزوری کی علامت ہے، (خود آپ بھی **قیل** والے قول کو کمزور مانتے ہیں) اور ذہبی نے فرمایا کہ احتمال ہے یعنی مروان کوحضورﷺ کی زیارت ہوئی ہو ممکن ہے، مگر امکان سے وقوع تو ثابت نہیں ہوتا،

پھر سوال یہ ہے کہ کیا علامہ ذہبی رحمہ اللہ وقوع مانتے ہیں یا عدمِ وقوع؟ اِس مذکورہ عبارت میں بات مبہم چھوڑ دی گئی، صاف عبارت اور امام ذہبی کا واضح اعلان سن لیجئے،

قال البخاری لم یر النبی ﷺقلتُ هوتابعی له تلک الافاعیل (المغنی فی الضعفاء ٢/٦٥١)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مروان کوحضورﷺ کی زیارت حاصل نہیں ہوئی، میں (ذہبی) کہتا ہوں (واقعی ایسا ہے) وہ (صحابی نہیں ہے) تابعی ہے اُس کے بہت سے برے کام تھے،

قال البخاری لم یر النبی ﷺقلتُ روی عن بسرة وعن عثمان وله اعمال موبقة نسأل الله السلامة رمٰی طلحة بسهم وفعل مافعل (میزان الاعتدال ۴/۸۹)

امام بخاری نے فرمایا کہ مروان نے حضورﷺ کی زیارت نہیں کی ہے، میں (ذہبی) کہتا ہوں اُس نے حضرت بسرہ اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور اُس کے کئی ہلاک کرنے والے کام تھے، ہم اللہ تعالی سے سلامتی مانگتے ہیں، مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا (جس سے وہ شہید ہوگئے) اور وہ برے کام کئے جو کئے،

دیکھیں وہ اِن عبارتوں میں فرمارہے ہیں کہ

(١) مروان کوحضورﷺ کی زیارت نہیں ہوئی (٢) مروان تابعی ہے (جب کہ جو مسلمان حضورﷺ کی زیارت کرلے وہ تابعی نہیں ہوتا صحابی ہوتا ہے) (٣) مروان کی کئی ایسی حرکتیں اور کرتوت ہیں جو ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں (۴) مروان نے صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مار کر شہید کردیا،

امام ذہبی رحمہ اللہ کی یہ ساری باتیں آپ کی کتاب کے مضامین پر مہر تکذیب ثبت کررہی ہیں،

علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ (م۹۲۳ھ) اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

مؤلف النبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی (م۱۲۳۹ھ) شارح بخاری علامہ قسطلانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

مروان ولدفی حیاة رسول الله ﷺلم یسمع منه (الناهیة عن طعن امیر المؤمنین معاویة رضی الله عنه)

مروان نبی اکرمﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے لیکن آپﷺ سے کچھ سنا نہیں (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ٦٩)

جناب عالی!

اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ مروان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہوگئی، اور وہ صحابی ہیں، لیجیئے آپ کو براہ راست علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی کتاب سے دکھاتے ہیں کہ مروان صحابی نہیں ہے، اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف نہیں ہوا، وہ فرماتے ہیں

ولدسنة اثنتين من الهجرة ولم يرالنبى ﷺ (شرح القسطلانی للبخاری ۶/۴۰۴) ولا يثبتُ له صحبة (۳/۱۳۰) ولاصحبة له (۴/۴۳۱)

مروان سنہ۲ ہجری میں پیدا ہوا لیکن اُس نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے۔۔۔اُس کی صحابیت ثابت نہیں ہے۔۔۔اُس کو صحابیت حاصل نہیں ہے،

اور ظاہر ہے کہ بغیر رویت کوئی صحابی نہیں بنتا، تو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے نزدیک مروان صحابی نہیں ہے،

علامہ ابن حسن دیار بکری رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

علامہ ابن حسن دیار بکری (م ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ

وکان مروان قدلحق النبی ﷺ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۰۸)

حضرت مروان نے نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی ہے (سیدنا مروان بن الحکم ص ۷۰)

جناب عالی!

علامہ حسین بن محمد ابن حسن (م ۹۶۶ھ) اور حضور ﷺ کے دور کے درمیان آٹھ صدیوں کا فاصلہ ہے، اِس فاصلہ کو پُر کرتے ہوئے مروان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہونے کی سند پیش فرمایئے، ابن حسن نہ صحابی ہے نہ تابعی ہے، اتنے فاصلے کے ہوتے ابن حسن دیار بکری کی گواہی کی پوزیشن کیا ہوسکتی ہے؟ صحابیت کے لئے بیان کئے ہوئے اصولوں میں سے کس اصول پر علامہ ابن حسن رحمہ اللہ کا حوالہ منطبق ہوتا ہے؟

علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ نے علامہ کمال الدین دمیری شافعی (۸۰۸ھ) رحمہ اللہ کا حوالہ بھی پیش کیا ہے کہ وہ حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں

وکان قدلحق النبی ﷺ وھوصبیّ (حیوۃ الحیوان الکبری ۱/۹۳)

مروان جب بچے تھے حضور ﷺ سے ملے تھے،

جی جناب!

اِس حوالے کا جواب بھی وہی ہے، علامہ کمال الدین اور حضور ﷺ کے درمیان سات صدیوں کا فاصلہ ہے، نہ اِس کی کوئی سند ہے، نہ علامہ دمیری صحابی یا تابعی ہیں، تو اِس سے کونسے اصول کے تحت مروان کی صحابیت ثابت ہورہی ہے؟

پھر علامہ کمال الدین نے کچھ اور بھی ذکر کیا ہے

وھوقاتل طلحة احدالعشرة رضی الله تعالی عنهم وکان کاتب السرلعثمان رضی الله عنه وبسببه جری علیه ماجریٰ (۱/۹۴)

مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب السر تھا، اور اسی مروان کے سبب ہی حضرت عثمان پر وہ حالات آئے جو آئے ہیں،

جناب اِن باتوں کے منکر ہیں اور اِن کو صحیح ثابت نہیں مانتے، اور دمیری میں اندرونی بغض مانتے ہیں، تو ہم بھی بجا طور پر کہنے کے حقدار ہیں کہ اِن باتوں کی طرح اُن کی یہ بات بھی صحیح ثابت نہیں کہ مروان کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے، جس طرح آپ کی غیر مسلّم باتوں کے لئے صحیح ثبوت چاہیئے ایسے ہی حضور ﷺ سے مروان کی ملاقات کے لئے بھی باسند صحیح ثبوت چاہیئے؟ مگر اتنی بڑی کتاب لکھ کر بھی وہ ثبوت آپ نہیں دے سکے اور اندازہ ہے کہ ثبوت دے بھی نہ سکیں گے ان شاءاللہ!

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں

ومروان من اقران ابن الزبیرفهوقدادرک النبی ﷺ ویمکن انه راٰه عام فتح مکة اوعام حجة الوداع ....وایضاًفقدیکون ابوه حج مع النّاس فراٰه فی حجة الوداع ولعلّه قدم الی المدینة فلایمکن الجزم بنفی رویته للنبی ﷺ (منهاج السنة ،الجزء الثالث ص ۱۸۹)

حضرت مروان حضرت عبداللہ بن زبیر کے طبقے میں سے ہیں، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پایا ہے، یہ ممکن ہے کہ اُنہیں فتح مکہ کے سال یا حجۃ الوداع کے سال شرف رویت حاصل ہوا ہو۔۔۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت مروان کے والد حضرت حکم نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا تو اس موقع پر حضرت مروان نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہوگا، اور شاید وہ اس دوران مدینہ طیبہ بھی گئے ہوں، پس یقین کے ساتھ اُن سے نبی اکرم ﷺ کی رویت کی نفی نہیں کی جاسکتی، جب کہ صحیح بخاری میں باقاعدہ تصریح پائی جاتی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا تھا جن میں سے ایک بچے کو آپ نے اپنے ساتھ آگے سوار کرلیا اور ایک کو پیچھے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، **کتاب المناسک ،باب استقبال الحاج القادمین**) (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۶۸)

جناب نے اس عبارت کے ترجمہ میں بھی کافی غلطیاں کی ہیں اور اپنی طرف سے بطور وضاحت کچھ زائد بھی گھسیڑ دیا ہے، ضروری ہے کہ ہم صحیح ترجمہ پیش کریں

''اور مروان عبداللہ بن زبیر کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں، پس اُس نے حضور ﷺ کو (یعنی آپ کے زمانے کو) پایا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ مروان نے حضور ﷺ کو فتح مکہ والے سال یا حجۃ الوداع کے سال دیکھا ہو۔۔۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کے والد نے لوگوں کے ساتھ حج کیا ہوگا تو اُس نے حضور ﷺ کو حجۃ الوداع میں دیکھا ہوگا اور شاید کہ مدینہ طیبہ بھی آیا ہو، لہٰذا مروان کے حضور ﷺ کو دیکھنے کی نفی پر یقین نہیں ہوسکتا،

اس عبارت میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ساری باتیں محض امکان کی حد تک بیان کی ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے اور وہ بھی ممکن ہے، یوں بھی ہوا ہوگا اور یوں بھی ہوا ہوگا، تو اس سے محض امکان ثابت ہے، اور امکان میں وقوع وعدم وقوع دونوں ہوسکتے ہیں، تو مروان کی حضور ﷺ سے ملاقات اور رویت اور حضرت حکم بن ابی العاص کا حجۃ الوداع کے موقع پر حج کرنا وغیرہ وغیرہ سب امکان کی حد تک بیان ہوا ہے، نہ کہ وقوع اور تحقق کے انداز میں، یہاں خاص طور پر اس جملے پر بھی غور فرمالیں

وایضاًفقدیکون ابوہ حج مع النّاس

اُس کے والد حکم نے بھی لوگوں کے ساتھ حج کیا ہوگا

یہ نہیں فرمایا کہ حج کیا ہے، بلکہ فرمایا کہ کیا ہوگا، تو حکم کا حجۃ الوداع کے موقع میں حج پر آنا بھی غیر یقینی اور ممکن حد تک ہے (**کان ابوہ حج** لفظ نہیں ہیں **فقدیکون ابوہ حج** لفظ ہیں) تو مروان کا اُس موقع میں حضور ﷺ کی زیارت کرنا کونسا یقینی ہوا؟

تو بات وہیں کی وہیں رہ گئی، جناب کا دعوی کہ ''مروان کے صحابی ہونے میں کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں'' کیسے ثابت ہوا؟

فائدہ: آپ نے بخاری کتاب المناسک کا حوالہ دیا ہے، کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ شریف تشریف لائے بنوعبدالمطلب میں سے چھوٹے بچوں نے حضور ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ نے ایک کو آگے اور ایک کو اپنے پیچھے سوار کرلیا،

بخاری شریف میں ہی ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے دن کا ہے اور آپ ﷺ نے آگے عبداللہ بن جعفر کو اور پیچھے قثم بن العباس کو بٹھایا تھا، اِس میں مروان بن حکم کا لایا جانا اور اُس کا حضور ﷺ کی زیارت کرنا کون سے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے؟ محض یہ کہہ دینا کہ

''ظاہر ہے کہ دیگر قبائل کے بچے بھی استقبال میں شریک تھے، اس موقع پر حضرت عثمان کے چچازاد بھائی کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے؟ ''(ص ۶۸)

مروان کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، کیوں کہ اس سے محض امکان ہی ثابت ہوا، وقوع تو ثابت نہیں ہوا، اور صحابیت کے لئے امکان نہیں بلکہ وقوع کا ثبوت لازمی ہے، آپ پانچ اصولوں کو سامنے رکھ کر ہی بات کیجیئے،

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ اور جواب:

آپ لکھتے ہیں

علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) صاف طور پر لکھتے ہیں کہ

ھو صحابی عندطائفة کثیرة لانه ولدفی حیات النبی ﷺ (البدایة والنھایة جلد۸ ص ۲۵۷)

وہ (یعنی مروان) کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں، کیوں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے تھے

امام ابن کثیر نے وضاحت کردی ہے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک حضرت مروان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک اُن کی صحابیت میں اختلاف ہے، رؤیت میں نہیں کیوں کہ یہ صحیح ہے کہ اُنہیں صحبت نبوی میسر نہیں ہوئی (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۷۰)

جناب نے **طائفة کثیرة** کا ترجمہ ''کثیر جماعت''، تو درست کیا ہے لیکن اُس کی وضاحت میں ''اکثر لوگوں کے نزدیک'' کہہ کر غلطی کی ہے، کثیر صیغہ صفت کو اکثر صیغہ اسم تفضیل

سے تبدیل کر دیا، کثیر کا مطلب یہ ہے کہ کافی لوگوں نے اُس کو صحابی بتایا، (جب کہ کافی لوگ اُس کی صحابیت نہ ماننے والے بھی ہیں، اور جن کافی لوگوں نے اُس کو صحابی بتایا اُن کی نشان دہی بھی لازمی ہے نامعلوم کون لوگ ہیں؟ اگر صحابہ یا تابعین ہیں تو صحابیت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، اور بالکل نہیں) اور اکثر کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ تعداد اُس کو صحابی بتاتی ہے اور بہت کم تعداد ہے جو اُس کو صحابی نہیں مانتے، یہ بالکل غلط مفہوم ہے، آگے ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں ان شاءاللہ، یہ بھی آپ صاحب نے غلط ترجمانی کی ہے کہ (ابن کثیر کے نزدیک) اُس کی صحابیت میں اختلاف ہے مگر رؤیت (حضور ﷺ کا دیدار ہونے) میں اختلاف نہیں یعنی گویا کہ سب کا اتفاق ہے کہ اُس کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی ہے، یہ امام ابن کثیر کی بات نہیں ہے یہ آپ کی اپنی ترجمانی ہے جس سے امام ابن کثیر بری ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ رویت ہی صحابیت کا مدار ہے، اگر رویت میں اتفاق ہے تو صحابیت میں اختلاف کیسے؟ اور اگر صحابیت میں اختلاف ہے تو رویت میں اتفاق کیسے ہے؟ اب اصل بات کی طرف آتے ہیں،

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وهو صحابی عندطائفة كثيرة لانه ولد فی حياة النبی ﷺوروی عنه فی حديث صلح الحديبية وفی رواية فی صحيح البخاری عن مروان ومسوربن مخرمة عن جماعة من الصحابة الحديث بطوله وروی مروان عن عمرو عثمان وكان كاتبه ای كان كاتب عثمان ....قال الواقدی ومحمدبن سعدادرک النبی ﷺولم يحفظ عنه شيئاً،وكان عمره ثمان سنين حين توفی النبی ﷺوذكره ابن سعدفی الطبقة الاولی من التابعين وقدكان مروان من سادات قريش وفضلائها.......وقدكان عثمان بن عفان يكرمه ويعظمه وكان كاتب الحكم بين يديه ومن تحت راسه جرت قضية الداروبسببه حصرعثمان بن عفان فيهاالخ (البداية ۸/۲۵۷)

بکثرت جماعت کے نزدیک مروان صحابی ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوا، اور آپ ﷺ سے صلح حدیبیہ کی حدیث روایت کی ہے، (لیکن) صحیح بخاری میں کی روایت میں وہ حدیث مروان ومسور بن مخرمہ سے **عن جماعة من الصحابة** مروی ہے، مروان حضرت عمر وعثمان سے روایت کرتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب تھا۔ ۔۔۔واقدی اور محمد بن سعد کہتے ہیں کہ مروان نے حضور ﷺ (کے زمانہ) کو پایا ہے لیکن حضور ﷺ سے کچھ یاد نہیں کیا، جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی مروان آٹھ سال کی عمر کا تھا ، ابن سعد نے اُس کو تابعین کے طبقہ اولی میں ذکر کیا ہے، اور مروان قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھا۔۔۔۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس کی عزت اور تعظیم کرتے تھے، اور اُن کے سامنے مروان حکم لکھتا تھا، اسی کے سر کے نیچے سے گھر کا قضیہ شروع ہوا، اسی کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کیا گیا (اور شہید کر دیئے گئے)

اس عبارت میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے وہ باتیں بھی بیان کیں جن سے آپ جناب کو اختلاف ہے، مروان کی صحابیت کے بارے میں دو قول ذکر کئے، اول کثیر جماعت کا جو اُس کو صحابی بتاتے ہیں، مگر اُن کی تعیین نہیں ہے کہ اُس جماعت میں کن کن کے نام آتے ہیں؟ وہ صحابہ یا تابعین ہیں تو تب ہی صحابیت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، آپ پر ابن کثیر کی اس تحقیق کی تحقیق لازم ہے، دوسرے ابن سعد سے نقل کیا کہ وہ اُس کو تابعین کے طبقہ اولی میں سے سمجھتے ہیں، لیکن اگر چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں اُس کی صحابیت کے قول کا بظاہر وزن بڑھایا ہے کہ طائفہ کثیرہ کا قول بیان کیا ہے، مگر خود اپنی تحقیق اور رائے پیش نہیں کی، تو خود ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ ہم نے کافی جستجو کی تو ہمارے مطالعہ میں یہ آیا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کی صحابیت کے قائل نہیں ہیں چنانچہ ابن کثیر کی ایک کتاب ہے **جامع المسانيدو السنن** ، اُس کتاب میں مروان بن الحکم کی مسند روایات ذکر کرنے کے لئے عنوان دے کر فرماتے ہیں

ومات رسول الله ﷺولم يره (جامع المسانيدو السنن ۷/۳۷۲)

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مروان کو حضور ﷺ کی زیارت حاصل نہیں ہوسکی،

اور ظاہر ہے کہ صحابی وہی بنتا ہے جس کو ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت حاصل ہوئی ہو، تو مروان کو زیارت حاصل نہیں ہوئی تو وہ صحابی نہ بنا، لیجیئے خود امام ابن کثیر بھی ابن سعد رحمہ اللہ کے قول کو لے رہے ہیں کثیر جماعت کے قول کو ترجیح نہیں دے رہے، لہٰذا وہ قول اُن کے نزدیک بھی مرجوح ہوا،

ہاں اب یہ بات ضرور سوچنے سمجھنے کی ہے کہ کیا مروان کو صحابی سمجھنے اور حضور ﷺ کی زیارت (رویت) حاصل ہونے کو تسلیم کرنے والے زیادہ ہیں یا وہ جو اس کے منکر ہیں؟

مروان کو نہ حضور ﷺ کی زیارت حاصل ہوئی نہ صحابی ہے:

اسلاف اور اخلاف اِس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ جو کچھ مطالعہ میں آیا پیش خدمت ہے،

(1) امام ترمذی اور (2) امام بخاری رحمہما اللہ :

امام ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم ابن العراقی (متوفی ۸۲۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں

قال الترمذی سألتُ محمدایعنی البخاری قلتُ له مروان بن الحکم رای النبی ﷺ؟قال لا (تحفة التحصیل فی ذکررواة المراسیل ۱/۲۸۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ (م۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ (م۲۵۶ھ) سے پوچھا کہ مروان بن حکم نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے؟ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اُس کوزیارت حاصل نہیں ہوئی،

ومروان لم یسمع من النبی ﷺ وھومن التابعین (سنن الترمذی ح ۳۰۳۳)

مروان نے حضور ﷺ سے کچھ نہیں سنااور وہ تابعین میں سے ہے،

ظاہر ہے کہ تابعی وہ ہوتا ہے جس نے صحابی کی زیارت کی ہو حضور ﷺ کی زیارت نہ کی ہو، ورنہ تو وہ صحابی بنتا ہے،

وفی ھٰذاالحدیث روایة رجل من الصحابة وھوسھل بن سعدعن رجل من التابعین وھومروان بن الحکم ،لم یسمع من النبی ﷺ وھومن التابعین (الدرالمنثور ۲/۶۴۰،سنن الترمذی ح ۳۰۳۳)،

امام ترمذی نے ایک روایت کے تحت فرمایا کہ اس حدیث میں صحابی سہل بن سعد تابعی یعنی مروان بن حکم سے روایت کررہا ہے، مروان کا نبی کریم ﷺ سے سماع نہیں ہے، اور وہ تابعین میں سے ہے،

یہ عبارت بھی صاف ہے کہ مروان صحابی نہیں ہے تابعی ہے،

(3) امام ابن حبان ابوحاتم رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ):

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کتاب میں ہے

قال ابوحاتم رضی الله عنه عائذبالله ان نحتج بخبررواه مروان ابن الحکم وذووه فی شیء من کتبنا(صحیح ابن حبان تحت حدیث ۱۱۱۲)

امام ابوحاتم محمد بن حبان تمیمی بُستی رحمہ اللہ مروان کی سندوالی حدیث ذکرکرکے فرماتے ہیں ہم اِس بات سے اللہ کی پناہ پکڑتے ہیں کہ ہم اپنی کسی کتاب میں ایسی روایت سے حجت پکڑیں جس کو مروان بن حکم اور اُس جیسے لوگ روایت کرتے ہوں،

ہم اِس وقت مروان پر جرح وتعدیل کی بحث نہیں کررہے ہیں، اس لئے مروان کی روایت حجت ہے یا نہیں؟ اس سے قطع نظرکرکے امام ابن حبان کے ان الفاظ سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کے نزدیک مروان بن حکم صحابی نہیں ہے ورنہ وہ مروان کی روایت کو حجت بنانے سے پناہ نہ پکڑتے ، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق توسب اہل سنت کانظریہ ہے کہ وہ عادل ہیں، توعادل اور صحابی کی روایت کی حجیت سے پناہ کا کیامعنیٰ؟ بہرحال ثابت ہوا کہ مروان اُن کے نزدیک صحابی نہیں ہے،

(4) امام محمد بن احمد تمیمی افریقی رحمہ اللہ:

علامہ محمد بن احمد بن تمیم تمیمی افریقی (م۳۳۳ھ) رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے "**طبقات علماء افریقیة**"اس میں عنوان دیتے ہیں

تسمیة من دخل افریقیة من جلة التابعین "بڑے تابعین کے نام جوافریقہ میں داخل ہوئے،

اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں

دخل افریقیة من جلة التابعین معبداخوعبدالله بن العباس .....ومروان بن الحکم (طبقات علماء افریقیة ۱/۱۸)

بڑے تابعین میں سے یہ تابعین افریقہ میں داخل ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباس کے بھائی معبد۔۔۔مروان بن حکم۔۔۔

معلوم ہوا کہ مروان صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے

(5) امام علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ :

امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی (م۳۸۵ھ) رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "**ذکراسماء التابعین ومن بعدھم ممن صحت روایته عن الثقات عندالبخاری ومسلم** "، یعنی اُن تابعین اور اُن کے بعدوالے حضرات کے ناموں کا ذکرجن کی روایات ثقہ راویوں سے منقول ہوں تو امام بخاری اور مسلم کے نزدیک وہ روایات صحیح ہوتی ہیں، اُس کتاب میں باب مروان کے عنوان کے تحت سب سے پہلے مروان بن الحکم کا ذکر کیا ہے (رقم ۱۰۸۵)

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک مروان تابعی ہے صحابی نہیں ہے،

(6) امام طبرانی رحمہ اللہ :

امام سلیمان بن احمد ابوالقاسم طبرانی (م ۳۶۰ھ) کی معاجم ثلاثہ حدیث کی مشہور کتابیں ہیں، امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر عنوان دیا ہے

"من روی عن معاویة من تابعی المدینة ،مروان بن الحکم عن معاویة "

یعنی اُن روایتوں کا ذکر جو مدینہ طیبہ کے تابعی حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں، اُن میں پہلے پہل انہوں نے مروان بن الحکم کی روایتیں ذکر کیں یعنی امام طبرانی کے نزدیک بھی مروان بن حکم تابعی ہے یعنی صحابی نہیں ہے، (المعجم الکبیر ۳۱۸/۱۹، رقم ۷۲۳)

(7) امام ابن الاثیر رحمہ اللہ:

امام مبارک بن محمد بن محمد، ابن الاثیر رحمہ اللہ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں

ولدعلی عهدرسول الله ﷺقیل سنة اثنتین من الهجرة وقیل عام الخندق.... وقیل غیرذالک ولم یرالنبی ﷺ(جامع الاصول ۸۴۷/۱۲)

مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوا، ایک قول یہ ہے کہ سنہ ۲ھ میں ایک قول میں غزوہ خندق والے سال پیدا ہوا، اور قول بھی ہیں (لیکن) اُس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے،

(8) امام نووی رحمہ اللہ:

امام یحیی بن شرف نووی شافعی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں

ولدمروان علی عهدرسول الله ﷺبمکة وقیل بالطائف سنة اثنتین من الهجرة وقال مالک ولدیوم احدوقیل یوم الخندق ولم یسمع النبی ﷺولا راٰہ (تهذیب الاسماء واللغات ۸۷/۲

مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مکہ یا طائف میں سنہ ۲ھ کو پیدا ہوا، امام مالک فرماتے ہیں جنگ احد والے دن اور ایک قول جنگ خندق والے دن پیدا ہوا، نہ اُس نے نبی کریم ﷺ سے کچھ سنا ہے نہ آپ ﷺ کو دیکھا ہے،

(9) علامہ سبط بن الجوزی :

علامہ یوسف، سبط بن الجوزی (م ۶۵۴ھ) فرماتے ہیں

مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیة بن عبدشمس ابوعبدالملک من الطبقة الاولی من التابعین من اهل الدینة (مراة الزمان فی تواریخ الاعیان ۳۵۱/۸)

مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کے تابعین کے طبقہ اولی میں سے ہے،

یعنی صحابی نہیں ہے،

(10) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب رحمہ اللہ (م ۷۴۱ھ):

علامہ محمد بن عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ (م ۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں

وقال صاحب المشکاة فی ترجمته ولدمروان علی عهدرسول الله ﷺقیل سنة اثنتین من الهجرة وقیل عام الخندق وقیل غیرذالک فلم یرالنبی ﷺ(تحفة الاحوذی ۲۵/۳)

مشکوۃ شریف کے مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سنہ ۲ھ یا غزوہ خندق والے سال وغیرہ میں پیدا ہوا، اُس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے،

یعنی صحابی نہیں ہے،

(11) علامہ کرمانی محمد بن یوسف رحمہ اللہ:

علامہ محمد بن یوسف بن علی کرمانی شارح بخاری (م ۷۸۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ومروان تابعی (الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری ۸۶/۱۷)

مروان تابعی ہے

یعنی صحابی نہیں ہے،

(12)علامہ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی بغدادی رحمہ اللہ:

علامہ زین الدین عبدالرحمٰن ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (م۷۹۵ھ) فرماتے ہیں

ولایحتج بروایتہ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، لابن رجب ۲۵/۷ باب القرأۃ فی المغرب)

مروان بن حکم کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی،

معلوم ہوا کہ ابن رجب رحمہ اللہ کے نزدیک مروان صحابی نہیں ہے، ورنہ صحابی کی روایت کے حجت ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟

(13)علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ:

علامہ عمر بن علی بن احمد، ابن الملقن شافعی رحمہ اللہ (م۸۰۴ھ) فرماتے ہیں

وامامروان فلم تصح لہ صحبۃ (التوشیح لشرح الجامع الصحیح ۳۹/۱۲)

مروان کی صحابیت صحیح ثابت نہیں ہے،

(14)علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ (م۸۵۵ھ) فرماتے ہیں

لاتثبتُ لہ صحبۃ ،قال ابن حبان معاذاللہ ان یحتج بہٖ (مغانی الاخبارفی شرح اسامی رجال معانی الآثار ۵۵۴/۳)ولدبعدالھجرۃ بسنتین ولم یصح لہ سماع من النبی ﷺولاراٰہُ (نخب الافکار ۲۵/۱۴)وامامروان فلم تصح لہ صحبۃ (عمدۃ القاری ۳۷/۱۰)مروان تابعی (عمدۃ ۱۸ /۱۸۶)

اِن سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مروان سنہ۲ھ کے بعد پیدا ہوا، نہ نبی کریم ﷺ سے اُس کا سماع صحیح ثابت ہے نہ اُس نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے، اُس کی صحابیت صحیح ثابت نہیں، تابعی ہے، ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ مروان کی روایت سے حجت لی جائے،

(15)علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد کورانی حنفی رحمہ اللہ (م۸۹۳ھ)

علامہ احمد کورانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

مروان ھوابن الحکم ولدفی زمن رسول اللہ ﷺولیس لہ صحبۃ (الکوثرالجاری الی ریاض احادیث البخاری ۱۸۷/۵)

مروان بن حکم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوا لیکن اُس کو صحابیت حاصل نہیں ہے،

(16)علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ:

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی رحمہ اللہ (م۹۱۱ھ) فرماتے ہیں

مروان وھوتابعی ..کذاقال البخاری والترمذی فجزمابانّ مروان تابعی وقال البخاری لم یرالنبی ﷺ......لانہ وان ولدفی عھدہ ﷺعام احداوالخندق فان اباہ نفاہ ﷺالی الطائف فلم یجیء منھاالافی خلافۃ عثمان فلم یحصل لمروان رویۃ (التوشیح شرح الجامع الصحیح ۲۸۲/۶)ولدبعدالھجرۃ بسنتین اونحوھماولم یحصل لہ رویۃ (حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصروالقاھرۃ ۲۳۴/۱)

مروان تابعی ہے، امام بخاری وترمذی نے یقین سے بیان کیا کہ وہ تابعی ہے، کیوں کہ اگرچہ حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہوا جنگ احد یا جنگ خندق کے سال لیکن حضور ﷺ نے اُن کے والد کو طائف کی طرف جلاوطن کیا اور وہ پھر وہاں سے خلافت عثمان میں ہی واپس آیا تو مروان کو زیارت حاصل نہیں ہوئی ہے،

(17)علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری مصری شافعی رحمہ اللہ:

علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری مصری شافعی رحمہ اللہ (م۹۲۶ھ) فرماتے ہیں

(مروان بن الحکم)لم یصح لہ سماع من النبی ﷺولاصحبۃ (منحۃ القاری بشرح صحیح البخاری ۲۴۲/۶)

مروان بن حکم کا نہ تو حضور ﷺ سے سماع صحیح ثابت ہے، نہ اُس کی صحابیت ثابت ہے،

(18)علامہ ملا علی بن سلطان قاری رحمہ اللہ:

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں

ولدعلی عهدرسول الله ﷺ ولم یرالنبی ﷺ (مرقات ۲۶۴/۲) ولم یصح له سماع ولارویة (شرح الشفا ۴۲۸/۱)

مروان حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہوا لیکن حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے، نہ اُس کا حضور ﷺ سے کچھ سننا صحیح ثابت ہے، نہ آپ ﷺ کی زیارت کرنا صحیح ثابت ہے،

(19)علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ:

علامہ عبدالرؤف مناوی مصری رحمہ اللہ (م۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں

ولدبمکة سنة اثنتین ولم یرالنبی ﷺ (فیض القدیرتحت حدیث ۹۹۴۴)ولم یرالمصطفیٰ (التیسیرشرح الجامع الصغیر ۵۰۳/۲)

مروان مکہ مکرمہ میں سنہ۲ھ میں پیدا ہوا، اُس نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے،

(20)علامہ الحسین بن محمد بن سعید المغربی (م۱۱۱۹ھ)

علامہ الحسین بن محمد بن سعید المغربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ومروان متکلم فیه (البدرالتمام شرح بلوغ المرام ۳۳/۲)

مروان بن حکم میں کلام کی گئی ہے،

جب علامہ المغربی مروان میں کلام مان رہے ہیں تو یہ صاف دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک مروان صحابی نہیں ہے،

(21)علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ:

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ (م۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں

لایثبت له صحبة (شرح الزرقانی علی المؤطا ۱۸۶/۱)

مروان کے لئے صحابیت ثابت نہیں ہے،

(22)علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح کحلانی صنعانی رحمہ اللہ:

علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح کحلانی صنعانی رحمہ اللہ (م۱۱۸۲ھ) ایک روایت کے تحت فرماتے ہیں

ومروان فیه کلام لایحسن معه حدیثه (التنویرشرح الجامع الصغیر ۱۷۳/۱۱ تحت حدیث ۹۲۲۶)

مروان بن حکم میں کلام ہے، جس کے ہوتے اُس کی حدیث حسن نہیں ہو سکتی،

معلوم ہوا کہ علامہ صنعانی کے نزدیک مروان بن حکم صحابی نہیں ہے، ورنہ وہ مروان کے حق میں ایسی بات نہ کہتے،

(23)علامہ احمد بن عبدالرحمٰن ساعاتی رحمہ اللہ (م۱۳۷۸ھ)

علامہ احمد ساعاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

مروان هوابن الحکم الاموی ....ولم تصح له صحبة (الفتح الربّانی لترتیب مسندالامام احمدبن حنبل الشیبانی ۲۶/۱۰)

مروان بن حکم اموی کے لئے صحابیت صحیح ثابت نہیں ہے،

(24)علامہ محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارک پوری رحمہ اللہ:

اہل حدیث عالم علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری (م۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں

لایثبت له صحبة (تحفة الاحوذی ۲۵/۳)

مروان کے لئے صحابیت ثابت نہیں ہے،

(25) علامہ شرف الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ:

اہل حدیث عالم علامہ محمد اشرف بن امیر شرف الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۹ھ) فرماتے ہیں

لایثبتُ له صحبة (عون المعبود ۱۱/۲۸۵)

مروان کے لئے صحابیت ثابت نہیں ہے،

(26) علامہ عبداللہ بن محمد عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ:

علامہ ابوالحسین عبداللہ بن محمد عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ (م ۱۴۱۴ھ) فرماتے ہیں

قال ابن شاهين مات النبی ﷺ وهو ابن ثمان سنين فيكون مولده بعدالهجرة بسنتين ،يقال له روية والصحيح انه لايثبت له صحبة جزم به جماعة منهم البخاری ،قال ابن عبدالبرلم يرالنبی ﷺ (مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۵/۶۷)

امام ابن شاہین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت مروان کی عمر آٹھ سال تھی تو اس کی پیدائش ہجرت کے دو سال بعد ہوگی، کہا جاتا ہے کہ اُس کو رویت (حضور ﷺ کی زیارت) حاصل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اُس کی صحابیت ثابت نہیں ہے اِس کو بالیقین بیان کیا ایک جماعت نے جن میں سے امام بخاری ہیں، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ مروان نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی ہے،

(27) خود مروان بن حکم کا اعتراف:

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وقدثبت عنه انه قال لماطلب الخلافة فذكرواله ابن عمرفقال ليس ابن عمرافقه منی ولكنه اسنّ منی وكانت له صحبة ،فهذااعتراف منه بعدم الصحبة (عمدة القاری ۱۸/۱۸۶)

مروان سے یہ بات ثبوت کے ساتھ نقل ہے کہ جب اُس نے خلافت کا مطالبہ کیا لوگوں نے اُس کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا (کہ وہ تم سے زیادہ اس کے اہل ہیں) تو مروان نے کہا کہ ابن عمر مجھ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والے نہیں ہیں ہاں مجھ سے زیادہ عمر والے ہیں اور اُس کو حضور ﷺ کی صحابیت حاصل ہے، مروان کا یہ قول اُس کی طرف سے اِس بات کا اقرار ہے کہ اُس کو نبی کریم ﷺ کی صحابیت حاصل نہیں ہے،

اتنی تعداد میں اسلاف اُس کی صحابیت کی نفی کر رہے ہیں اور اُس کو تابعی بتا رہے ہیں، تو وہ جماعت کثیر کون ہیں جو اُس کی صحابیت کے قائل ہیں؟ ذرا آپ ہی ہمت کر کے اس کو صحابی بتانے والے حضرات کی اتنی تعداد تو پوری کر لیں جتنی تعداد ہم نے صحابیت کی نفی کرنے والوں کی پیش کر دی ہے، فقط

☆☆☆

(2) حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی:

اس بارے میں بعض روایات سامنے آئی ہیں اُن کو پیش خدمت کر کے کچھ گذارشات عرض کی جاتی ہیں،

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

لماقبض النبی ﷺ واستخلف ابوبكرقيل له فی الحكم بن ابی العاص ،فقال ماكنتُ لاحل عقدة عقدهارسول الله صلى الله عليه وسلم (المعجم الكبيرللطبرانی ۳/۲۱۴ حديث نمبر ۳۱۶۸ ،معرفة الصحابة لابی نعيم ح ۱۹۰۵،)

جب نبی کریم ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے، اُن کو حکم بن ابی العاص کے متعلق کہا گیا (کہ اُس کو واپس آنے دیا جائے) تو فرمایا میں وہ گرہ نہیں کھولتا جو حضور ﷺ نے باندھی تھی،

مطلب یہ کہ حضور ﷺ نے اُن کو جلاوطن کیا اب میں واپس نہیں بلا سکتا،

اس روایت کے باقی سب راوی ثقہ ہیں، لیکن حماد بن عیسی عبسی مجہول ہے، (مجمع الزوائد نمبر ۹۲۴۵)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

قال انماكان نفی النبی ﷺ الحكم بن ابی العاص من المدينة الى الطائف بينماالنبی ﷺ فی حجرته فاذاهو انسان يطلع عليه ،فقال النبی ﷺ

الوزغ الوزغ ،فنظرفاذاهوالحکم ،فقال النبی ﷺاخرج لاتساکنّی بالمدینة مابقیتُ ،فنفاہ الی الطائف(المعجم الکبیر ۳/ ۱۴۸ ح۲۷۲۴)

فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حکم بن ابی العاص کومدینہ طیبہ سے طائف کی طرف اس لئے جلاوطن کیا تھا کہ حضور ﷺ اپنے حجرہ میں تھے کہ اسی دوران ایک انسان آپ ﷺ پر جھانک رہا تھا،تو آپ ﷺ نے فرمایا گرگٹ ہے گرگٹ ہے، دیکھا تو وہ حکم تھا،تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا نکل جا،جب تک میں زندہ ہوں میرے ساتھ مدینہ طیبہ میں تو نہیں رہے گا ،تو اُس کو طائف کی طرف جلاوطن کردیا،

اس روایت کے بھی باقی سب راوی ثقہ ہیں لیکن مدرک بن سلیمان (بن عقبہ بن شبیب) مجہول ہے(مجمع الزوائد ح ۱۲۸۰۵،)

(۳)عائشہ بنت طلحہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کرتی ہیں

کان رسول اللہ ﷺفی حجرتہ فسمع حسافاستنکرہ فذھبوافنظروافاذاالحکم یطلع علی النبی ﷺ فلعنہ ومافی صلبہ ونفاہ (تاریخ ابن عساکر۵۷/۲۷۲)

رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے میں تھے کہ آپ ﷺ نے کھسکاہٹ محسوس کی اور اُس کو برامنایا،تو صحابہ نے جاکر دیکھا تو حکم نبی کریم ﷺ کو جھانک رہے تھے تو آپ نے اُس پر اور اُس کی اولاد پر لعنت کی اور اُس کو جلاوطن کردیا،

اس روایت کی سند کے راوی وہی ہیں جو نمبر۲ روایت کے راوی ہیں ان میں مدرک بن سلمان طائی مجہول ہے،

اِن کے علاوہ کوئی باسند روایت بندہ کو نہیں ملی ہے،اور یہ روایتیں مجہول راویوں کے سبب قابل اعتماد وقابل اطمینان نہیں لگتیں،خصوصاً ایک صحابی سے متعلق ایسی (مجہول راویوں کی)روایتیں قبول کرنے کو دل نہیں مانتا،

ہاں ایک صورت میں اِن روایتوں کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حکم بن ابی العاص کا نفاق ثابت ہوجائے،اور وہ تو بغیر وحی الٰہی ثابت نہیں ہوسکتا،جب کہ اِس بارے میں نہ قرآن کی آیت کی صورت میں وحی جلی موجود ہے نہ حدیث نبوی کی صورت میں وحی خفی موجود ہے،اور جب وحی سے اُس کا نفاق ثابت نہیں تو لامحالہ وہ صحابی ہیں،تو صحابی رسول سے متعلق ایسی بات کیسے قبول کرلی جائے؟ بلکہ جو کردار اِن روایتوں میں حضرت حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہورہا ہے اُس کا ثبوت اگر صحیح روایت سے بھی کسی صحابی سے متعلق منقول ہوتو اگر تاویل ہوسکے گی تو ٹھیک ورنہ مردود ہی ہوگا،جن اہل علم نے حضرت حکم کی جلاوطنی کا ذکر کیا ہے یا تو ان روایتوں پر اعتماد کرلیا جب کہ یہ قابل اعتماد نہیں ہیں،یا ہر بعد والے نے پہلے والے پر اعتماد کرتے ہوئے خود تحقیق کئے بغیر نقل پر نقل چلادی،بہرحال جو بھی صورت ہوئی ہو اِس جلاوطنی کا مضبوط ثبوت نہیں ہے،

لہٰذا اگر جلاوطنی صحیح ثابت نہ ہوتو جن حضرات نے کہا کہ مروان صحابی نہیں کیوں کہ اس نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی کہ بچے تھے جب والد کے ساتھ طائف چلے گئے تھے،یوں بات درست نہیں رہے گی، بلکہ درست یوں ہوگا کہ حضرت حکم اور مروان دونوں مکہ مکرمہ میں رہتے تھے یا طائف میں،یا ابتداء مکہ مکرمہ میں تھے بعد میں کسی وجہ سے طائف چلے گئے ،اور مروان اور حضرت حکم دونوں مدینہ طیبہ کے اصل رہائشی نہیں تھے،اور حضور ﷺ کی زندگی میں مروان کا مدینہ طیبہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہے،نہ ہی فتح مکہ وغیرہ کے موقع میں زیارت ثابت ہے،اس لئے جب مروان کو حضور ﷺ کی زیارت ہونا ثابت نہیں تو مروان صحابی نہیں ہے،

حضور ﷺ سے استہزاء کی روایت:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

کان الحکم بن ابی العاص یجلس عندالنبی ﷺفاذاتکلم النبی ﷺاختلج اوّلا فبصربہ النبی ﷺفقال انت کذاک ،فمازال یختلج حتی مات (المعجم الکبیر۳/ ۲۱۴ حدیث۳۱۶۷)

حضرت حکم بن ابی العاص حضور ﷺ کے پاس بیٹھا کرتے تھے،جب نبی کریم ﷺ بولتے تو اول حرکت کرتے،(تو حضرت حکم بھی استہزاء کے لئے منہ سے حرکت کرتے)تو آپ ﷺ نے اُس کو دیکھ لیا تو فرمایا تو ایسے ہی ہوجائے،چنانچہ وہ وفات تک ایسے ہی حرکت کرتے رہتے تھے،

اس روایت کی سند میں راوی ضرار بن صرد رافضی ہے،رافضی کی ایسی روایت صحابی کے متعلق قبول نہیں کی جاسکتی، بلکہ جب حکم صحابی ہے تو اگر صحیح سند سے بھی یہ روایت ثابت ہوتی تو بھی مردود ہوتی جب کہ اِس روایت کی اسی ایک سند کے سوا کوئی اور سند ہی نہیں ہے،لہٰذا ایسی روایتواں پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے،

☆☆☆

(3)حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قتل:

مروان کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ عشرہ مبشرہ کے عظیم فرد حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قتل ہے، اس بارے میں روایات متعدد ہیں، بعض کا ذکر آپ (قاضی صاحب) نے بھی کیا ہے، اور علماء اسلاف کی تصریحات بھی بہت ہیں، اول بعض روایات درج کی جاتی ہیں،

الروایة الاولیٰ(1) :

ابواسامہ کہتے ہیں کہ مجھے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا، اسماعیل کہتے ہیں کہ ہمیں قیس (بن ابی حازم) نے بتایا

رمیٰ مروان بن الحکم یوم الجمل طلحة بسهم فی رکبته (مصنف ابن ابی شیبة ح ۳۷۷۷۰،مجمع الزوائد ح ۱۴۸۲۲ رواه الطبرانی،الطبقات الکبری لابن سعد ۳/۱۶۷)

جنگ جمل والے دن مروان بن حکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا جو اُن کے گھٹنے میں لگا،

اس روایت کے راوی (۱) ابواسامہ حماد بن اسامہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ وثبت ہیں (تقریب التہذیب) (۲) اسماعیل بن ابی خالد احمسی صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ وثبت ہیں (تقریب) (۳) قیس بن ابی حازم بجلی کوفی بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ ہیں، عشرہ مبشرہ سے روایت کرتے ہیں (تقریب) حضور ﷺ کی طرف سفر کیا تھا مگر آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تب مدینہ طیبہ پہنچے، آپ کے نزدیک اس روایت کا یہی راوی مجروح ہے، جناب نے حدیث کلاب حوأب سے متعلق اپنے مضمون میں اِس پر کلام کیا ہے، ہم بھی حدیث کلاب حوأب کے مضمون میں اُس کا پورا جواب دے چکے ہیں،

اس سند سے متعلق امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اِس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اِس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں (مجمع الزوائد ح ۱۴۸۲۲)، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم کی روایت کی سند صحیح ہے (الاصابۃ ۳/۲۲) امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے (مستدرک ۳/۴۱۸ رقم ۵۵۹۱)

یاد رہے کہ قیس بن ابی حازم جنگ جمل میں شامل تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں کا مشاہدہ بیان کیا ہے **رئیت مروان بن الحکم حین رمی طلحة یومئذ بسهم (سیر اعلام النبلاء ۱/۳۶،الاصابة ۳/۴۳۲،المعجم الکبیر ۱/۱۱۳ رقم ۲۰۱،المستدرک ۵۵۹۱)**

الروایة الثانیة (2):

خلیفہ بن خیاط معاذ بن ہشام سے وہ ہشام سے وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ جارود بن ابی سبرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ

نظر مروان بن الحکم الی طلحة بن عبیدالله یوم الجمل فقال لااطلبُ بثأری بعدالیوم فرماه بسهم فقتله (تاریخ خلیفة بن خیاط ص ۱۸۵،تاریخ ابن ابی خیثمة ۲/۲۷ رقم ۱۸۰۰،قبول الاخبار ومعرفة الرجال ۱/۲۲۹ تالیف امام ابوالقاسم عبدالله بن احمد کعبی بلخی م ۳۱۹ھ)

مروان نے جنگ جمل کے دن طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا آج کے دن کے بعد میں اپنے خون (خونِ عثمان) کا مطالبہ نہیں کروں گا (یا مجھ سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا جاسکے گا) پھر حضرت طلحہ کو تیر مار کر شہید کر دیا،

اس روایت کے راوی (۱) معاذ بن ہشام دستوائی بصری سچے اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، بعض اوقات وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں، (۲) ہشام بن حسان ابوعبداللہ بصری ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راوی ہیں (۳) قتادہ بن دعامہ بصری بھی ثقہ وثبت اور صحاح ستہ کے راوی ہیں (۴) ابونوفل جارود بن ابی سبرۃ بصری بھی سچا ابوداؤد وغیرہ کا راوی ہے (تقریب التہذیب)،

اور ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ کی روایت کے راوی (۱) عمرو بن مرزوق (۲) عمران القطان (۳) قتادہ (۴) جارود بن ابی سبرہ ہذلی ہیں،

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اِس کی سند صحیح ہے (الاصابۃ ۳/۴۳۲)

یہ روایت ابن ابی شیبہ میں بسند **وکیع عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس** بھی مروی ہے (ابن ابی شیبہ ح ۳۰۵۷۸) ابن ابی شیبہ کی یہ سند بھی بالکل صحیح ہے راوی سارے ثقہ ہیں،

الروایة الثالثة (3):

روح بن عبادہ ابن عون سے وہ نافع سے روایت کرتے ہیں

کان مروان مع طلحة فی الخیل فرای فرجة فی درع طلحة فرماه بسهم فقتله ((الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳/۱۶۷)

مروان لشکر میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ذرع میں (خلل) پھٹن دیکھی تو اُن کو تیر مار کر شہید کر دیا،

اس سند کے راوی (۱) روح بن عبادۃ بصری ثقہ فاضل اور صحاح ستہ کے راوی ہیں (۲) عبداللہ بن عون بن ارطبان بصری ثقہ ثبت فاضل صحاح ستہ کے راوی ہیں (۳) نافع، مولی

عبداللہ بن عمر، ابو عبداللہ مدنی صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ثبت مشہور فقیہ ہیں، تو اس سند کے راوی بھی ثقہ ہیں،

الرواية الرابعة (4):

حماد بن زید قرۃ بن خالد سے وہ امام محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں

قال رمى طلحة بن عبيدالله بسهم فاصاب ثغرة نحره ،قال فاقرمروان انه رماه ،ان مروان اعتراف انه قتل طلحة (الاستيعاب ۲/۷۶۹،تاريخ خليفة بن خياط ص۱۸۵ ،السنة لابى بكربن الخلال ح۸۴۰)

طلحہ بن عبیداللہ کو تیر مارا گیا تو وہ گلے کے سوراخ میں آ گا، ابن سیرین کہتے ہیں کہ مروان نے اقرار کیا کہ وہ تیر اُس نے مارا تھا،

اس سند کے راوی (۱) حماد بن زید ازدی بصری ثقہ ثبت فقیہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، (۲) قرہ بن خالد بصری ثقہ وضبط کرنے والے صحاح ستہ کے راوی ہیں (۳) محمد بن سیرین بصری ثقہ ثبت عابد صحاح ستہ کے راوی ہیں (تقریب التھذیب)

اس روایت کے الفاظ یوں بھی آئے ہیں

انّ مروان اعترض طلحة لمّاجال النّاس بسهم فاصابه فقتلهٗ (الطبقات الكبرى لابن سعد۳/۱۶۷)

مروان نے تیر لے کر اُس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کیا جب لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوئے، اور اُن کو تیر مار کر شہید کر دیا،

الرواية الخامسة (5):

زہیر بن حرب کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہب کہتے ہیں ہمیں جویریۃ بن اسماء نے بیان کیا، جویریہ کہتے ہیں ہمیں یحیی بن سعید (بن حیان) نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں مجھے میرے چچا نے بیان کیا کہ ہم لوگوں کو جگہوں پر ٹھہرانے میں لگے تھے کہ

اذرمى مروان بن الحكم بسهم طلحة بن عبيدالله..... و التفت الى ابان بن عثمان وهوالى جنبه فقال قدكفيتُک احد قتلة ابيک (تاريخ المدينة لابن شبة ۴/۱۱۷۰ ، سيراعلام النبلاء ۱/۳۶،تاريخ خليفة بن خياط ص۱۸۵)

اچانک مروان نے حضرت طلحہ کو تیر مارا (شہید ہو گئے)۔۔۔اور ابان بن عثمان کی طرف توجہ کر کے کہنے لگا تیرے باپ کے ایک قاتل کو قتل کر کے میں نے تیری کفایت کر دی،

اس روایت کے راوی (۱) زہیر بن حرب بن شداد نسائی ثقہ وثبت ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کے راوی ہیں، (۲) وہب بن جریر ابن حازم بصری ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں (۳) جویریہ بن اسماء بن عبید ضبعی بصری ثقہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کا راوی ہے، (۴) یحیی بن سعید بن حیان تیمی امام وثبت صحاح ستہ کے راوی ہیں (۵) یحیی کے چچا یزید بن حیان ثقہ ہیں ابوداؤد، مسلم، نسائی کے راوی ہیں، اور روایت کے الفاظ صاف بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی عینی شاہد اور جنگ میں شریک لوگوں میں سے ہیں، تو یہ سند بھی بالکل صحیح ہے،

الرواية السادسة (6) :

امام محمد ابن سعد کہتے ہیں ہمیں موسی بن اسماعیل نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھے جویریہ بن اسماء نے نافع سے بیان کیا کہ نافع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ کے دن مروان کو سخت مار پڑی جس سے دونوں کان کچھ کٹ گئے،۔۔۔۔۔جب حضرت عثمان شہید ہو گئے، اور طلحہ وزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان کے قصاص کے مطالبہ کے لئے بصرہ چلے اُن کے ساتھ مروان بن حکم بھی چلا، تو اُس نے لڑائی میں خوب حصہ لیا

فلمّارأى انكشاف النّاس نظرالى طلحة بن عبيدالله واقفاً،فقال والله اِن دم عثمان الاعندهٰذا ،هو كان اشدالناس عليه ،....ففوّق له بسهم فرماه به فقتله (الطبقات الكبرىٰ ۵/۲۸)

جب لوگوں میں خلا دیکھا حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوئے دیکھا تو کہا اللہ کی قسم خون عثمان اِسی کے پاس ہے، یہی سب لوگوں میں سے حضرت عثمان کے خلاف سخت تھے، تو اُن کے لئے تیر برابر کیا اور اُنہیں تیر مار کر شہید کر دیا،

اس سند کے راوی (۱) موسی بن اسماعیل المنقری ثقہ وثبت صحاح ستہ کے راوی ہیں (۲) جویریہ بن اسماء (۳) اور نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر اوپر والی روایت میں گذر گیا وہ بھی بلا شک ثقہ ہیں، تو یہ سند بھی بالکل صحیح ہے،

الرواية السابعة (7):

عکراش بن ذؤیب سے روایت ہے کہتے ہیں

كنّانقاتل عليّامع طلحة ومعنامروان فانهزمنافقال مروان لاادرک بثأری بعداليوم من طلحة ،قال فرمی بسهم فقتلهٔ (اتحاف المهرة لابن حجر ۳۶۴/۶)

ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑ رہے تھے ہمارے ساتھ مروان بھی تھا،ہمیں شکست ہوئی،تو مروان نے کہا آج کے بعد طلحہ سے اپنا (خون کا) بدلہ نہیں لے سکوں گا،تو اُس نے تیر مارا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا،

امام حاکم کی اس روایت کی سند کے راوی (۱) محمد بن یعقوب بن یوسف بن یعقوب الحافظ العدل نیشاپوری ابن الاخرم حافظ وسمجھ میں فاضل ابن الفاضل ہیں، بہت بڑے محدث اور کتب حدیث کے مصنف ہیں (الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم ۱۲۸۲/۲) (۲) محمد بن اسحاق بن ابراہیم ثقفی الامام الحافظ الثقۃ شیخ الاسلام محدث خراسان ہیں (رجال الحاکم ۲/ ۱۷۶) (۳) عباد بن الولید الغبری ابوبدر ثقہ قرار دیئے گئے ہیں (الکاشف ۵۳۲/۱ رقم ۲۵۷۹) ابن ابی حاتم نے کہا سچا راوی ہے (تہذیب التہذیب ۱۰۸/۵) (۴) حبان بن ہلال باہلی بصری ثقہ وثبت راوی ہیں (تہذیب التہذیب ۱۷۰/۲) (۵) شریک بن الخطاب عنبری تمیمی بصری کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، حاکم نے کہا شیخ ثقہ ہے اہل اہواز میں سے ہے (التذلیل علی کتب الجرح والتعدیل) (۶) عتبہ بن صعصعہ بن الاحنف السعدی کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے (الثقات ۴۷۰۱) اور کسی سے جرح منقول نہیں (۷) عکراش بن ذویب تمیمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں،تو یہ روایت بھی بالکل صحیح سند والی ہے،اور حضرت عکراش رضی اللہ عنہ بھی عینی شاہد ہیں،

الرواية الثامنة (8):

ابن عون نافع مولی ابن عمر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے فرمایا

قال نافع طلحة بن عبيدالله قتله مروان بن الحكم (اتحاف المهرة لابن حجر ۳۶۴/۶)

کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن حکم نے شہید کیا،

اس روایت کے راوی (۱) ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج قاضی بغدادی (م ۳۰۶ھ) الامام العلامہ شیخ الاسلام ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲۳/۳) (۲) عباس بن محمد الدوری (م ۲۷۱ھ) الحافظ الامام ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱۱۹/۲) (۳) اشہل بن حاتم ابوحاتم بصری (م ۲۰۸ھ) ازدی کہتے ہیں حافظ وسچا راوی ہے (**ذکر اسم کل صحابی ممن لااخ لهٔ یوافق اسمه** (رقم ۱۷) (۴) ابوداؤد نے بھی سچا کہا ہے (اکمال تہذیب الکمال) بخاری مسلم کے نزدیک اس کی روایت صحیح ہے (**ذکر التابعین ومن بعدهم ممن صحت روايته عن الثقات عندالبخاری ومسلم** رقم ۱۱۸) ابوزرعہ کہتے ہیں اس کا محل سچائی ہے لیکن قوی نہیں، یہ حسن درجے کا راوی ہے، متابعت میں تو حرج نہیں (۴) عبداللہ ابن عون بن ارطبان بصری (م ۱۵۱ھ) الامام القدوۃ عالم البصرۃ الحافظ ہے (سیر اعلام النبلاء ۳۶۴/۶) (۵) نافع مولی ابن عمر کا حال بیان ہو گیا ہے،تو یہ روایت بھی حسن درجہ کی ہے،

الرواية التاسعة (9):

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں مجھے محمد بن حمران نے قرہ بن خالد سے روایت کرتے ہوئے خبر دی، قرہ نے کہا کہ مجھے نافع نے بیان کیا

رمى مروان يوم الجمل طلحة بسهم فاثبته فی ثغرة نحرهٖ الخ (تاريخ المدينة لابن شبة ۱۱۷۰/۴)

جنگ جمل کے دن مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، اُس کے گلے کے سوراخ میں گھسا دیا،

اس روایت کے راوی (۱) عبداللہ بن عمرو امام عمر بن شبۃ کے استاذ محدث ہیں، صحیح نام عبیداللہ بن عمرو القواریری ہے، امام عبداللہ بن احمد اور ابویعلی موصلی وابوالقاسم البغوی وعجلی بھی اُن کے شاگردوں میں سے ہیں، امام احمد وعلی بن الجعد رحمہم اللہ کے ہم عصر ہیں، (۲) محمد بن حمران بن عبدالعزیز قیسی بصری سچے راوی ہیں البتہ اس میں معمولی ڈھیلا پن ہے، نسائی، ترمذی وغیرہ کے راوی ہیں (تقریب) (۳) قرہ بن خالد اور (۴) نافع مولی ابن عمر کا اوپر ذکر ہو گیا،

الرواية العاشرة (10):

امام ابن عساکر بسند ابوالقاسم بن السمر قندی، ابوالفضل بن البقال، ابوالحسین بن بشران، عثمان بن احمد، حنبل بن اسحاق، حمیدی، سفیان، عن عبدالملک بن مروان روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ بن طلحہ ولید بن عبدالملک کے پاس داخل ہوئے، تو اُس کو ولید نے کہا

مادخلت علیّ قط الاهممت بقتلک لولا انّ ابی اخبرنی ان مروان قتل طلحة (تاريخ دمشق لابن عساكر، كتاب النوادر للحميدی تهذيب التهذيب ۲۲/۵)

جب بھی تو میرے پاس آیا میں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا (اور قتل کر دیتا) اگر میرے والد نے مجھے نہ بتایا ہوتا کہ مروان نے طلحہ کو قتل کیا،

اس روایت کے راوی (۱) ابوالقاسم اسماعیل بن السمر قندی ابن عساکر کے استاذ اور بہت بڑے محدث ہیں، (۲) ابوالفضل بن البقال المقری عمر بن عبیداللہ بن عمر بغدادی،

سنہ ۳۹۵ھ کو پیدا ہوئے ، یہ بھی مقریء ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے محدثین میں سے ہیں (تاریخ الاسلام ذہبی ۵۸/۳۲ ،تاریخ بغداد ۲۰۶/۷) (۳) ابوالحسین علی بن بشران ثقہ وعادل وامین تھے (اکمال الاکمال) (۴) عثمان بن احمد بن السماک الشیخ الامام المحدث ہے (۵) حنبل بن اسحاق بن حنبل امام احمد کے چچازاد بھائی اور شاگرد الحافظ ثقہ وثبت ہیں (۶) امام حمیدی جانے پہچانے محدث عظیم اور امام بخاری کے عظیم استاذ ہیں، جن کی ثقاہت شک سے بالا ہے (۷) سفیان بن عیینہ بھی ثقہ اور عظیم امام فقیہ ہیں (۸) عبدالملک بن مروان، اگر یہ مروان بن حکم کا والد ہو تو وہ کچھ بھی ہو جناب کے نزدیک ثقہ ہے، اور اگر عبدالملک بن مروان بن الحارث بن ابی ذباب ہو تو ابن حبان نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور اگر عبدالملک بن مروان بن قارظ اہوازی ہو تو بھی ابن حبان نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا، اور اُس کو مستقیم الحدیث (ٹھیک حدیث والا) کہا گیا ہے (تہذیب التہذیب)

الروایة الحادیة عشر (11):

امام محمد بن احمد بن تمیم افریقی (م ۳۳۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے محمد بن علی بن الحسن نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن علی دغشی نے اسماعیل بن ابان سے انہوں نے یزید بن ابی زیاد سے روایت بیان کی کہا کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ جنگ جمل کے دن فرما رہے تھے زبیر کہاں ہے؟ تو میں سواریوں کے بیچ گھسنا شروع ہوا حتی کہ میں نے دونوں حضرات کو دیکھ لیا دونوں کی سواریوں کی گردنیں مل رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے آپ کو وہ بات یاد ہے؟، وہ واقعہ یاد ہے؟ تو (اُن باتوں کو سن کر) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لوٹتے ہوئے واپس پھرے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا؟ تو لوگوں نے خبر دی تو وہ سواری پر سوار ہوئے تا کہ اُنہیں رخصت کریں تو اُسی حالت میں اُن کو مروان بن حکم نے تیر مارا اور شہید کر دیا **(المحن صفحہ ۱۱۵)**

اس روایت کے راوی (1) امام ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم افریقی علامہ مفتی ذوالفنون حافظ مؤرخ بہت بڑے محدث ہیں (سیر اعلام النبلاء ۳۹۴/۱۵، تذکرۃ الحفاظ ۱۷/۳) (2) ابوبکر محمد بن علی بن الحسن بن علی تمیمی (م ۴۵۹ھ یا ۴۶۰ھ) بہت بڑے لغت کے امام ہیں (تاریخ الاسلام ذہبی ۱۳۳/۱۰) (3) محمد بن علی دغشی افریقی علماء افریقہ میں سے ہیں ابوالعرب نے طبقات علماء افریقہ (۹۹/۱) میں اُن کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا اُس کی حدیث سے دلیل لی جاتی ہے (4) اسماعیل بن ابان الوراق کوفی (م ۲۱۰ھ) ثقہ ہے، یہاں سند میں اسماعیل بن ابان عن یزید بن ابی زیاد ہے، لیکن درست یہ لگتا ہے کہ درمیان میں مسعود بن سعد جعفی کوفی راوی متروک ہو گیا ہے، کیوں کہ اسماعیل براہ راست یزید بن ابی زیاد سے روایت کرنے والا نہیں ہے، اگر ایسا ہو تو مسعود جعفی ثقہ راوی ہے (مسند ابویعلی میں ایک روایت کی سند ہے اسماعیل بن ابان حدثنی مسعود بن سعد عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی [۱۶۸۴]) (5) یزید بن ابی زیاد ابوعبداللہ ہاشمی کوفی مولی عبداللہ بن الحارث (م ۱۳۶ھ) مسلم وسنن اربعہ کا راوی ہے، الامام المحدث ہے صغار تابعین میں اُس کا شمار ہوتا ہے، امام ترمذی نے اُس کی روایت کو حسن قرار دیا، عجلی نے اُس کو ثقات میں درج کیا اور کہتے ہیں ثقہ وجائز الحدیث ہے (اس کی حدیث درست ہوتی ہے) آخر عمر میں اُس کو تلقین کی جاتی تھی (الثقات للعجلی ۳۶۴/۲) (سیر اعلام النبلاء ۱۲۹/۶، ۱۳۰) امام ہیثمی اُس کو حسن الحدیث کہتے ہیں (مجمع الزوائد ۲۵۸/۸) جریر کہتے ہیں عطاء بن السائب سے بڑھ کر حدیث یاد رکھنے والا ہے (التاریخ الاوسط للبخاری ۴۱/۲)، ابوداؤد کہتے ہیں میرے علم میں کوئی ایسا محدث نہیں جس نے اُس کی حدیث چھوڑ دی ہو (تہذیب الکمال) ابن حبان کہتے ہیں سچا راوی ہے مگر جب بڑی عمر کا ہوا حافظ خراب اور تبدیل ہو گیا تو اُس کو تلقین کی جاتی تو دوسروں کی تلقین سے اُس کی حدیث میں منکر روایتیں داخل ہو گئیں، شروع عمر میں اور کوفہ داخل ہونے سے پہلے جس نے اُس سے سماع کیا وہ صحیح ہے (المجروحین ۹۹/۳) ابن سعد کہتے ہیں بذات خود ثقہ تھا لیکن آخر عمر میں اختلاط میں مبتلا ہوا تو عجیب روایات نقل کیں (الطبقات ۳۴۰/۶) یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اگر چہ تغیر کے سبب محدثین یزید میں کلام کرتے ہیں لیکن وہ عادل وثقہ ہے اگر چہ حکم ومنصور کے برابر نہیں، احمد بن صالح کہتے ہیں ثقہ ہے اور جو اُس میں کلام کرتے ہیں مجھے اُن کا قول پسند نہیں (تہذیب التہذیب ۳۲۹/۱۱، تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین ۲۵۶/۱) ذہبی کہتے ہیں شیعی عالم ہے فہم حدیث رکھنے والا سچا ہے حافظہ کا ردی ہے لیکن متروک نہیں (الکاشف ۳۸۲/۲) کئی محدثین نے اِس میں کلام بھی کی ہے، چوں کہ امام مسلم نے شواہد میں اُس کی روایت لی ہے اس لئے بطور شاہد اُس کی روایت لی جاسکتی ہے (5) عبدالرحمٰن بن ابی لیلی انصاری کوفی اکابر تابعین میں سے ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، جنگ جمل میں بھی شریک رہا ہے، سنہ ۸۳ھ یا سنہ ۸۱ھ میں شہید ہوا ہے، حجاج بن یوسف نے اِس کو قاضی بنایا تھا، پھر معزول کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کے لئے پٹائی کی تو ابن ابی لیلی توریہ سے کام لیتے اور صاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ۴۷/۱) ایک سو بیس انصار صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، کسی محدث سے اُس میں کلام منقول نہیں (تہذیب التہذیب) تو یہ روایت حسن درجہ کی ہے، اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی جنگ جمل میں شریک لوگوں میں سے ہیں،

اِن صحیح وحسن سند والی روایتوں کے علاوہ دوسری روایات بھی متعدد سندوں سے منقول ہیں اگر وہ ساری ضعیف بھی ہوں تو حرج نہیں کیوں کہ یہ صحیح السند اُن کی تائید کرتی ہیں ، اور ضعیف سند والی روایات بطور شاہد ہوں گی ،

بعض اسلاف کی عبارات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں

وهٰذاطلحة بن عبيدالله انتزع له مروان سهماًوهومعهم واقف يوم الجمل فی الصف وقال لااطلب بدم عثمان احداغيرک فرماه بسهم فقتله (الجامع لعلوم الامام احمد،العقيدة ۴/ ۳۴۱)

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے مروان نے تیر سیدھا کیا حالاں کہ جنگ جمل کے دن وہ اُنہی کے ساتھ صف میں کھڑے تھے،اور کہا تیرے سوامیں کسی سے خون عثمان نہیں مانگتا، پھر تیر مارااورشہید کردیا،

علامہ ذہبی رحمہ اللہ یحیی بن بکیراور خلیفہ بن خیاط اور ابونصر کلاباذی رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں

قال يحيى بن بكيروخليفة بن خياط وابونصرالكلاباذی ان الذی قتل طلحة مروان بن الحكم (تاريخ الاسلام للذهبی۳/ ۲۰۰)

کہ جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ مروان بن حکم ہے،

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حضرطلحة يوم الجمل فرماه مروان بن الحكم فاصاب ساقه (المنتظم ۵/ ۱۱۴)

حضرت طلحہ جنگ جمل کے دن حاضر ہوئے تو اُس کو مروان بن حکم نے تیر مارا جو اُن کی پنڈلی میں لگا،

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

قال ابن عبدالبرولايختلف العلماء الثقات فی ان مروان قتل طلحة يومئذوكان فی حزبه (الاستيعاب باب طلحة ،۲/ ۱۰۳)

ثقہ علماء کا اِس میں اختلاف نہیں (اتفاق ہے) کہ جنگ جمل کے دن مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جب کہ حضرت طلحہ اُنہی کے گروہ میں تھے،

امام ابن حبان رحمہ اللہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں

قتله مروان بن الحكم بسهم رماه (كتاب الثقات ۲/ ۳۳۹)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن حکم نے تیر مار کر شہید کیا،

اِن کے علاوہ جن علماء اسلاف نے **قِيْلَ يُقَالُ** کے بغیر مروان بن حکم کو ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل بیان کیا یا اِسی قول کو اصح قرار دیا درج ذیل ہیں

(1) سبط ابن الجوزی (م،ھ) (مرأۃ الزمان فی تواریخ الاعیان ۶/ ۲۴۷) (2) ہشام (مرأۃ الزمان) (3) بلاذری احمد بن یحیی بن جابر (م۲۷۹ھ) (جمل من انساب الاشراف ۲/ ۲۴۷) (4) شیخ موفق (مرأۃ الزمان) (5) یوسف بن تغری بن بردی ابوالحاسن (م۸۷۴ھ) (**النجوم الزاهرة فی ملوک مصرو القاهرة** ۱/ ۱۰۱، **موردااللطافة فيمن ولی السلطنة والخلافة** ۱/ ۵۶) (6) عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م۲۷۶ھ) (المعارف ۲۲۷) (7) مطہر بن طاہر مقدسی (م۳۵۵ھ) (البدء والتاریخ ۵/ ۸۱) (8) علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م۷۴۸ھ) (تاریخ الاسلام ۳/ ۵۲۲، ۵۲۷، ذکر طلحۃ بن عبیداللہ، العبر فی خبر من غبر ۱/ ۲۷، سیر اعلام النبلاء،) (9) علامہ عبدالحی بن احمد عکری حنبلی (م۱۰۸۹ھ) (شذرات الذھب فی اخبار من ذھب ۱/ ۲۷۹ سنۃ احدی وستین) (10) عبدالملک بن حسین بن عبدالملک عصامی مکی (م۱۱۱۱ھ) (**سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی** ۲/ ۵۷) (11) امام محمد بن احمد بن تمیم تمیمی افریقی (م۳۳۳ھ) (**المحن** ۱/ ۱۰۷) (12) امام محمد ابن جریر طبری (م۳۱۰ھ) (تاریخ الطبری ۱۱/ ۵۰۷ **ممن قتل فی سنة ستة وثلاثين**،) (13) امام تقی الدین محمد بن احمد فاسی مکی (م۸۳۲ھ) (العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ۴/ ۲۹۸، ج۶/ ۵۵) (15) امام احمد بن محمد بن الحسین ابونصر بخاری کلاباذی (م۳۹۸ھ) (**الهداية والرشادفی معرفة اهل الثقة والسداد**۱/ ۳۷۱،**و منهم من اسمه طلحة**) (16) امام یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) (**الاستيعاب ۲/ ۷۶۶ذكر طلحة**) (17) امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم ابن الاثیر (م۶۳۰ھ) (اسد الغابۃ ۲/ ۴۶۹) (18) ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر (م۵۷۱ھ) (مختصر تاریخ دمشق ۱۱/ ۲۰۷) (19) علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (م۹۰۲ھ) (**التحفة اللطيفة فی تاريخ المدينة الشريفة** ۱/ ۴۷۲) (20) علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) (الاصابۃ ۳/ ۴۳۲، فتح الباری ۱/ ۴۴۳) (21) الشیخ عبدالرزاق عفیفی (م۱۴۱۵ھ) (مذکرۃ التوحید ۱/ ۷۱، فتاوی ورسائل للعفیفی ۱/ ۳۳۱) (22) علامہ ابن الملقن عمر بن علی بن احمد مصری (م۸۰۴ھ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ۱۸/ ۴۶۵) (23) عماد الدین اسماعیل بن علی بن محمود (م۷۳۲ھ) (المختصر فی اخبار البشر ۱/ ۱۷۴) (24) علامہ عمر بن مظفر بن عمر المعری الکندی (م۷۴۹ھ) (تاریخ ابن الوردی ۱/ ۱۴۹) (25) امام محمد بن ابی بکر بن عبداللہ بن موسی انصاری البُرّی (م۶۴۵ھ) (الجوھرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ ۲/ ۳۱۷) (26) امام احمد بن عبداللہ عجلی (م۲۶۱ھ) (الثقات ص۲۴۸) (27) الشیخ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ (**الناهية صفحه ۸۴**)

ہمارے خیال میں فی الحال اتنی تعداد کا ذکر کافی ہے بشرطے کہ آپ ضد پر نہ اڑیں، ورنہ سینکڑوں حوالے اور نام بھی ناکافی ہیں، اِس کے بعد آپ کی انوکھی تحقیق کی کیا حیثیت رہ جاتی

ہے جناب عالی مروان کی صفائی میں زور صرف کیجیئے، مگر اُس کو ایسے واقعی ثابت جرم سے پاک ثابت کرنا آپ کے بس کا کام نہیں ہے، یہ شیعہ لوگوں کا پروپیگنڈا نہیں ہے، نہ افواہ ہے بلکہ حقیقت اور حقیقت ہے، امر واقعی جناب کے انکار سے افسانہ اور خرافات نہیں بن سکتا، خوامخواہ جناب اپنے اوقات بے جا صرف کر رہے ہیں،

اگر بالفرض مروان صحابی ہو تو اگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۶۳۸۲) یا اسامہ بن زید (ابوداؤد ۲۶۴۳، مسند احمد ۲۱۸۰۲، ابن ابی شیبۃ ۲۸۹۳۲،) کے ہاتھوں ایک کلمہ گو مسلمان کا قتل امر واقعی ہے اور ہو سکتا ہے، تو مروان کے ہاتھوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قتل بھی امر واقعی ہے، اُس سے ایسا جرم کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا وہ نبوت یا صفت ملکیت (فرشتہ ہونے) سے موصوف ہے؟ لہٰذا جناب کے انکار کرنے سے وہ صاف نہیں ہو جاتا!

ایک اشکال:

آپ کا اشکال ہے کہ اگر مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے تو جنگ صفین کے موقع پر حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی سفارش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو کیوں چھوڑ دیا؟ اور قصاص کیوں نہ لیا؟ (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۳۹۱)

عرض ہے کہ اِس اشکال کا کوئی خاص وزن نہیں ہے کیوں کہ زمانہ فتنہ میں ایسے واقعات ہو جاتے ہیں اور کسی مظلوم مقتول کے قاتل کا علم ہو جانے کے بعد بھی اُس سے قصاص نہیں لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اگر آپ کو تسلی نہیں ہوتی تو بتائیں کہ ابن جرموز نے تو خود حاضر ہو کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے جرم کا اقرار کیا ہے، کیا جناب یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے اُس سے قصاص لیا ہے؟ اِن جنگوں میں اور بھی تو بکثرت مقتولین و قاتلین ہیں، کیا کسی قاتل سے کسی مقتول کا قصاص لیا جانا ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں تو پھر یہ اشکال بیکار ہے، عقلی سوالات نقلی بات کے رد کے لئے کافی نہیں ہوتے، نقل کے مقابلہ میں ذرا نقل پیش کر دیجیئے کہ مروان بن حکم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل نہیں ہے، ہاں قاضی ابوبکر ابن العربی اور العواصم کے محقق کا بیان بھی (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۳۸۸) مروان کی صفائی میں محض عقلی ہے جس میں جان نہیں ہے، ہم نے ثقہ راویوں کی روایات سے ثبوت دے دیا پھر یہ کہنا کیا وزن رکھتا ہے کہ جی کسی ثقہ راوی نے اِس کو روایت نہیں کیا ہے،؟

دوسرا اشکال:

آپ جناب کہتے ہیں

''اس کے برعکس طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل حضرت علی کا لشکری تھا، ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت طلحہ کے بیٹے عمران آئے اور سلام عرض کیا، حضرت علی نے اُنہیں مرحبا کہا تو وہ کہنے لگے ایا میر المؤمنین آپ مجھے خوش آمدید کہتے ہیں **"وقدقتلتَ والدی واخذت مالی"** حالاں کہ آپ نے میرے والد (طلحہ) کو قتل کر دیا اور میرا مال بھی قبضہ میں لے لیا ہے، حضرت علی نے جواباً فرمایا تمہارا مال بیت المال میں محفوظ ہے، کل آ کر اپنا مال وصول کر لینا، اور جہاں تک تمہارے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کے والد کو میں نے قتل کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ تمہارے والد اور میں آخرت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

ونزعنامافی صدورھم من غل اخواناعلی سررمتقابلین (الحجر ۴۷)

مومنوں کے دلوں میں سے ہم میل کو دور کر دیں گے، اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت نشین ہوں گے (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۶۰ تحت طلحہ بن عبید اللہ) (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۳۸۹)

تو اس بارے میں کئی باتیں پیش نظر ہونا ضروری ہیں

اول: یہ روایت متعدد کتابوں میں ہے، اکثر کتابوں میں صرف اتنی بات ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حاضر خدمت ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو مرحبا کہا اور مجلس میں اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارا والد اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے ''اور اُن کے دلوں میں جو میل ہے ہم نکال دیں گے وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے''

اِن روایتوں میں اُس بیٹے کی طرف سے کچھ کہنا ذکر نہیں ہے، یہ روایتیں ابوحبیبہ مولیٰ طلحہ اور خود عمران بن طلحہ سے اور عطیہ عوفی اور حارث الاعور ہمدانی اور ابوحمیدۃ علی بن عبداللہ ظاعنی سے مروی ہیں، ابوحبیبہ اور حارث اعور عین موقع کے چشم دید گواہ ہیں، اور عمران بن طلحہ خود صاحب واقعہ ہیں ، دیکھیں

فضائل الصحابة امام احمدبن حنبل ۲/ ۷۴۶، رقم ۱۲۹۵، مستدرک ۳/ ۴۲۴، رقم ۵۶۱۳، المعجم الاوسط طبرانی ۱/ ۲۵۲، السنن الکبری للبیھقی ۸/ ۳۰۰، رقم ۱۶۷۱۵، الشریعة للآجری ۵/ ۲۵۲۸، المحن لمحمدبن احمدبن تمیم تمیمی افریقی (م ۳۳۳ھ) صفحہ ۱۱۲، الطبقات

الکبری لابن سعد ۱۶۸/۳ ، تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۱۶/۲۵ ،۱۱۸، ۱۱۹ ،

اِن روایتوں کی اکثر سندوں کی بندہ نے چھان بین کی تو راوی ثقہ اور سچے معلوم ہوئے ہیں، یہاں اُن سندوں پر بحث سے گریز کیا جاتا ہے، کیوں کہ تفصیل طویل ہو جائے گی، درج بالا حوالوں میں سندوں کو دیکھ لیجیئے ،

اور ایک روایت میں یہ مکالمہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحبا کہا اور عمران بن طلحہ نے کہا کہ آپ مجھے مرحبا کہتے ہیں حالاں کہ آپ نے میرے والد کو قتل کیا، یہ روایت ربعی بن حراش سے نقل ہے،

مستدرک ۳۸۵/۲ رقم ۳۳۴۸ ،الطبقات الکبری ۱۶۹/۳ ،تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۱۸/۲۵ ،

اس روایت کے راوی ابان بن عبداللہ بجلی کوفی کو اگر چہ کئی محدثین سچا اور ثقہ کہتے ہیں لیکن نسائی فرماتے ہیں قوی نہیں ہے، عقیلی نے بھی اُس کو ضعیف راویوں میں درج کیا ہے (الضعفاء للعقیلی ۴۲/۱، رقم ۲۶) ابن حبان فرماتے ہیں فحش غلطیاں کرنے والا ہے اور کئی منکر روایات بیان کرنے میں منفرد (اکیلا) ہے (المجروحین لابن حبان ۹۹/۱، رقم ۶ ،الضعفاء و المتروکون لابن الجوزی ۱۷/۱، رقم ۱۱) ذہبی فرماتے ہیں اِس کی کئی منکر روایتیں ہیں (المغنی ۷/۱، رقم ۹) یہ روایت بھی اُس کی منکرات میں سے معلوم ہوتی ہے، اور ایک راوی ابونعیم فضل بن دکین تیمی طلحی (م ۲۱۹ھ) ہے آپ کے اصول کے مطابق اُس کی روایت کو حجت بنانا درست نہیں کیوں کہ فضل بن دکین گو ثقہ ہے مگر اس میں تشیع ہے (سیر اعلام النبلاء ۱۵۱/۱۰، میزان الاعتدال ۳۵۰/۳) عمر بن رضا کحالہ لکھتے ہیں کان امامیا امامی تھا (معجم المؤلفین ۶۷/۸ ...بحوالہ اعیان الشیعة ۴۲ / ۲۷۵ ......)

پھر اس روایت کے متن میں بعض حضرات نے لفظ یوں نقل کئے ہیں

اترحب بی وقدقاتلتَ والدی (کنز الدرر وجامع الغرر ۳۳۳/۳ ،تالیف ابوبکر بن عبداللہ بن ایبک الدواداری م بعد ۷۳۶ھ)

کیا آپ مجھے مرحبا کہتے ہیں حالاں کہ آپ میرے والد سے لڑے ہیں؟

اور یہ بات بظاہر درست ہے، کیوں کہ صورت قتال کی پیش آئی ہے اگر چہ مقصود دونوں حضرات کا باہم لڑنا نہیں تھا، اس لئے ممکن ہے کہ راویوں سے صحیح مفہوم ادا نہ ہو سکا، تو اگر الفاظ [قاتلتَ] درست ہوں تو آپ کی ہرگز دلیل نہیں بنتی کیوں کہ اِس سے قاتل کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں سے ہونا ثابت نہیں ہوتا،

ایک اور اشکال:

ممکن ہے کہ کسی محقق کو ایک اور روایت سے بھی اشکال ہو جائے کہ مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل نہیں کوئی اور شخص قاتل تھا، وہ روایت یہ ہے

قال اخبرناعبداللہ بن جعفر الرقی قال اخبرناعبداللہ (عبیداللہ) بن عمرو عن زیدبن ابی انیسة عن محمدالانصاری عن ابیه قال جاء رجل یوم الجمل فقال ائذنو القاتل طلحة قال فسمعت علیاًیقول بشّره بالنّار (الطبقات الکبری ۱۶۹/۳)

عبداللہ بن المثنی سے نقل ہے کہ ایک آدمی جنگ جمل کے دن آیا اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے) کہنے لگا طلحہ کے قاتل کو اجازت دو، تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُس کو دوزخ کی خبر دے دو،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل کوئی اور شخص تھا اور وہ قتل کا اقراری مجرم تھا، اور وہ مروان نہیں تھا،

جواب یہ ہے کہ اس قصہ کا راوی عبداللہ بن المثنی بن عبداللہ انصاری ہے جس کے متعلق زکریا ساجی کہتے ہیں اس میں ضعف ہے صاحب حدیث نہیں تھا، ازدی کہتے ہیں اس نے بہت سی منکر روایات بیان کی ہیں، امام عقیلی نے اُس کو ضعفاء میں درج کیا ہے، ابوسلمہ تبوذکی کہتے ہیں ضعیف و منکر الحدیث ہے، امام نسائی کہتے ہیں قوی نہیں ہے، امام ابن معین ایک قول میں فرماتے ہیں بے حیثیت ہے لیس بشیء (میزان الاعتدال ۴۹۹/۲ ، ۵۰۰) ابن جوزی نے اُس کو ضعفاء و متروک راویوں میں درج کیا ہے (الضعفاء والمتروکون ۱۳۷/۲) دارقطنی ایک قول میں کہتے ہیں قوی نہیں ہے، موصلی کہتے ہیں منکر روایات نقل کرتا ہے (تنقیح التحقیق لابن عبدالہادی ۲۷۷/۳، نصب الرایة ۴۸۰/۲) علامہ ابن الترکمانی کہتے ہیں متکلم فیہ ہے (الجوہر النقی ۸۹/۴) ابن عبدالہادی کہتے ہیں قوی نہیں ہے (المحرر فی الحدیث ۳۰۰/۱) علامہ مناوی کہتے ہیں ضعیف ہے (فیض القدیر ۱۶۷/۳) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایک حدیث پر بحث میں فرماتے ہیں فھذامن الشیوخ الذین اذاانفرد احدھم بالحدیث لم یکن حجة (فتح الباری ۵۹۵/۹)

عبداللہ بن المثنی بخاری کے اُن راویوں میں سے ہے جو کسی روایت میں اکیلا ہو تو وہ روایت حجت نہیں ہوتی (اور امام بخاری نے جو روایتیں لیں اُن میں اُس کا کوئی متابع اور شاہد ہوتا ہے) چوں کہ اِس روایت میں عبداللہ بن المثنی اکیلا ہے اس لئے اِس سے حجت نہیں لی جاسکتی،

خلاصہ کلام:

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی کوفی رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں

وطلحة والزبیرلم یقتلهما اصحاب علی رضی الله عنه ،طلحة قتله مروان بن الحکم والزبیر قتله ابن جرموز وهومنصرف (الثقات للعجلی ص ۳۴۸،ترجمة علی بن ابی طالب رضی الله عنه)

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے شہید نہیں کیا، طلحہ رضی اللہ عنہ کو تو مروان بن حکم نے شہید کیا اور زبیر رضی اللہ عنہ کو ابن جرموز نے اُس وقت شہید کر دیا جب وہ واپس جارہے تھے،

☆☆☆

(4) مروان بن حکم کے متعلق تعریفی کلمات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول تعریفی کلمات:

آنجناب لکھتے ہیں

امام شافعی جنگ جمل کے بعد حضرت مروان کے بارے میں خود حضرت علی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

وهو مع ذالک سیدمن شباب قریش (سیر اعلام النبلاء ،الجزء الثالث ص ۴۷۷)

وہ قریش کے نوجوانوں میں سے سردار تھے (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۱۳۴)

آپ مروان بن حکم کے دیوانے بنیں مگر انصاف چاہیئے جو روایت یا قول آپ کے حق میں جائے چاہے صحیح ثابت نہ ہو اُس کو لے لیتے ہیں اور جو خلاف جائے اُس پر روایتی و درایتی بحث فرمانے کی تکلیف کرتے ہیں، یہاں بھی تکلیف فرمالیتے، اِس اثر کا ماخذ ابن عساکر ہے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام شافعی رحمہ اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی تو امام شافعی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک اس روایت کی سند کیا ہے؟ پھر اس اثر کی سند کے کئی راوی مجہول ہیں، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں، ایک راوی ابوبکر محمد بن یحیی بن آدم ہے، اس کے بارے میں مصری اور جوہری نسبت لکھی ہوئی ملتی ہے، لیکن یہ کون ہے؟ مجہول الحال شخص ہے، دوسرا راوی ابوعلی احمد بن ابی الحسین الصفار مصری ہے، یہ بھی مجہول الحال ہے، پھر اِن دونوں راویوں سے روایت کرنے والا ابوالحسین عبدالواحد بن الحسن بن علی الخطیب ہے، یہ بھی مجہول الحال ہے، (تاریخ دمشق لابن عساکر) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا صحیح سند سے ثبوت لازم ہے،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے:

آپ لکھتے ہیں

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) رقم طراز ہیں کہ

وقال قبیصة بن جابرقلت لمعاویة من تری للامربعدک ؟فسمّی رجالا .ثم قال واماالقاری (لکتاب الله)الفقیه (فی دین الله)الشدیدفی حدودالله مروان (سیر اعلام النبلاء ،الجزء الثالث ص ۴۷۷،البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۲۵۷)

حضرت قبیصہ بن جابر نے کہا، میں نے حضرت معاویہ سے عرض کیا کہ اپنے بعد کس کو جانشین نامزد کرنے کا خیال ہے، تو انہوں نے چند آدمیوں کے نام لینے کے بعد حضرت مروان کے متعلق فرمایا یہ کتاب اللہ کے قاری ہیں، اللہ کے دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود قائم کرنے میں شدید ہیں، (سیدنا مروان صفحہ ۱۳۴)

اس کا راوی عبدالملک بن عمیر لخمی ثقہ ہے لیکن حافظہ خراب ہے، تدلیس بھی کرتا ہے (تقریب) امام احمد سے نقل ہے کہ باوجود قلیل الروایت ہونے کے حدیث میں بہت اضطراب کا شکار ہوجاتا ہے، اس کی روایتیں پانچسو بھی نہیں ہوں گی اور اُن میں سے زیادہ میں غلطی کی ہے، امام احمد نے اُس کو بہت ضعیف کہا ہے (تہذیب التہذیب) اور ایک راوی جریر بن حازم بصری ثقہ ہیں لیکن جب حافظہ سے بیان کرتا ہے تو اوہام کا شکار ہوجاتا ہے (تقریب) امام احمد کہتے ہیں بکثرت غلطی کرتا ہے، ابن حبان کہتے ہیں غلطیاں کیا کرتا تھا کیوں کہ اکثر حافظہ سے بیان کرتا (جس سے غلطی ہوتی) ساجی کہتے ہیں کئی حدیثیں ایسی بیان کیں جن میں وہم کا شکار ہوا، ازدی کہتے ہیں سچا ہے لیکن مصر میں کئی حدیثیں الٹ پلٹ بیان کیں، اور حدیث یاد رکھنے والا نہیں ہے (تہذیب التہذیب) تو یہ بھی ضعیف اثر ہے، صحیح ثابت نہیں،

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے:

آپ نے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے

وقال عروۃ بن زبیر کان مروان لایتھم فی الحدیث (ھدی الساری ،فتح الباری جلد ۱۴ ،ص ۴۴۳...)

حضرت عروہ بن زبیر نے (تمام تر اختلافات کے باوجود) کہا کہ حضرت مروان صحابہ کرام سے احادیث بیان کرنے میں متہم نہیں ہیں (سیدنا مروان صفحہ ۱۳۸)

یہ درست ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں حضرت عروہ رحمہ اللہ سے اُن کا یہ قول اِن الفاظ میں نقل کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ علامہ ابن حجر ناقل ہیں، ہمارے مطالعہ کے مطابق اُن سے نقل میں روایت بالمعنی کرتے ہوئے غلط مفہوم ادا ہو گیا ہے، کیوں کہ یہ الفاظ سند کے ساتھ کہیں منقول نہیں ملتے، صحیح الفاظ یوں نقل ہیں

عن ابیہ (عروۃ) قال اخبرنی مروان بن الحکم قال فلااخالہ یتھم علیناالخ (التاریخ الکبیر للبخاری ۳۶۸/۷)

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ مجھے مروان نے خبر دی اور میں اُس کے متعلق یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ ہمارے متعلق بات گھڑ لے گا، (آگے تفصیل ہے کہ) خبر یہ دی کہ کسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سخت نکسیر جاری ہوئی حتی کہ وہ حج پر نہ جا سکے، تو اُس سال اُنہوں نے وصیت کی، تو ایک قریشی اُس کے پاس حاضر ہوا، اُس نے عرض کیا حضرت! آپ کوئی خلیفہ بنالیں، پوچھا کہ لوگ یہی کہتے ہیں؟ آدمی نے کہا جی ہاں، تو حضرت عثمان نے پوچھا پھر کون ہو؟ وہ آدمی خاموش رہا، پھر ایک اور آدمی آیا (میرا خیال ہے کہ وہ مروان بن حکم ہی تھا) عرض کیا خلیفہ مقرر کرلیں، پوچھا لوگ کہتے ہیں؟ کہا جی ہاں، پوچھا کون ہو؟ وہ (مروان) خاموش ہو گئے، پھر پوچھا شاید لوگ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا کہتے ہیں؟ آدمی نے بتایا جی ہاں، فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بیشک وہ (زبیر) جتنا مجھے علم ہے لوگوں میں سے بہتر ہیں اور بیشک وہ رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی محبوب تھے، اس پر تاریخ کبیر للبخاری کے محقق و محشی حاشیہ میں کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں

ومعنی ھٰذہ العبارۃ کمالایخفی ان مروان لایتھم بان یکذب فی فضیلۃ لآل الزبیر مع مابینہ وبینھم من الشحناء منذقتل عثمان واتھم الزبیر بانہ ممن الب علیہ ،وفی ترجمۃ مروان من الاصابۃ ومقدمۃ الفتح ان عروۃ قال (کان مروان لایتھم فی الحدیث) وفی التھذیب (وقول عروۃ بن الزبیر کان مروان لایتھم فی الحدیث ھوفی قصۃ ذکرھاالبخاری فی قصۃ نقلھاعن مروان عن عثمان فی فضل الزبیر)اقول بین العبارتین بون شاسع کمالایخفی واللہ المستعان ،

جیسا کہ مخفی نہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مروان پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ وہ آل زبیر کی فضیلت بیان کرنے میں جھوٹ بولے گا باوجودیکہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے اِن میں دشمنی پیدا ہو گئی اور زبیر رضی اللہ عنہ پر تہمت لگا دی گئی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارنے والوں میں سے ہیں، جب کہ اصابہ اور فتح الباری کے مقدمہ میں ہے کہ حضرت عروہ نے یہ فرمایا کہ مروان حدیث میں متہم نہیں کیا جا سکتا، اور تہذیب میں ہے کہ عروہ کا قول ہے کہ مروان حدیث میں متہم نہیں کیا جا سکتا، اور یہ اُس قصہ کا حصہ ہے جو بخاری نے مروان سے عن عثمان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ذکر کیا، میں کہتا ہوں (دیکھیں) دونوں عبارتوں میں بہت فرق ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے صرف اُس واقعہ سے متعلق فرمایا تھا جس میں راوی مروان ہے اور اُس روایت کا تعلق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے ہے، حضرت عروہ نے مروان سے منقول سب احادیث سے متعلق نہیں فرمایا تھا، اِس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عروہ اور مروان میں یہ بحث چل پڑی کہ مسّ ذکر سے وضوء لازم ہو جاتا ہے یا نہ؟ مروان نے کہا کہ وضوء لازم ہو جاتا ہے، حضرت عروہ نے انکار کیا، مروان نے کہا کہ مجھے حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا

ویتوضأمن مس الذکر

مسّ ذکر سے وضوء کیا جائے گا،

عروہ کہتے ہیں کہ میں مسلسل مروان سے تکرار کرتا رہا حتی کہ مروان نے اپنے ایک چوکیدار کو بلا کر حضرت بسرہ سے حدیث کی تحقیق کروائی، تو بسرہ نے واقعی ویسی حدیث بیان کی جیسے مروان نے بیان کی (مسند احمد ح ۲۷۲۹۶)

دیکھیے جب تک عروہ کے سامنے پوری تحقیق نہ آئی تب تک صرف مروان پر پورا اعتماد نہیں کیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسلی کے لئے حضرت عروہ نے خود بھی بسرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو اُنہوں نے تصدیق کی تب تسلی ہو گئی (ابن حبان ح ۱۱۱۴، علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات اِسی طرز پر لکھی ہے دیکھیں نخب الافکار ۸۴/۲)

بہرحال اس فرمان کے مفہوم کو نقل کرنے میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ سے غلطی ہو گئی ہے، ورنہ عروہ سے یہ لفظ کہیں نقل نہیں ہیں **مروان لایتّھم فی الحدیث ،**

ذہن میں رہے کہ مروان سے متعلق جرح و تعدیل کی بحث نہیں ہو رہی، صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے مروان سے متعلق جو ارشاد فرمایا اُس کے اصل لفظ

اوراُن کا مفہوم کیا ہے؟ جرح وتعدیل کی بحث اپنی جگہ ہے ہم اُس کونہیں چھیڑ رہے، بس یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت عروہ نے صرف اُس سے منقول فضیلت زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اُس کی توثیق کی ہے، آں جناب کوخوامخواہ نہ غصہ کرنا چاہیئے نہ غصہ میں جواب دینا چاہیئے، اِس وقت ہمارے مخاطب آپ ہیں نہ علامہ ابن حجرنہ کوئی اور، تو جواب میں آپ کے ذمہ حل طلب بات بس اتنی ہے کہ باحوالہ باسند بتائیں کہ حضرت عروہ نے [**لااخاله یتهم علینا**] فرمایا یا[**لایتهم فی الحدیث**] فرمایا؟ مزید کسی عقلی تقریر یاادھرادھر کی باتوں کی ضرورت نہیں ہے، یہاں بحث حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے عمل کی نہیں کہ آپ کہتے ہیں وہ بہر حال مروان سے روایات نقل کرتے رہے ہیں (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۱۷۲،وغیرہ) بحث اُن کے قول کی ہے اور **فقط:**



حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ حق تھے یا مروان بن حکم؟:

آپ جناب نے کتاب کے انتساب کے تذکرہ میں لکھا "راقم الحروف اس ادنی کاوش کو آخری حکمران صحابی بقول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ **سیّدمن شباب قریش**، بقول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ **القاری لکتاب الله ،الفقیه فی دین الله ،الشدیدفی حدودالله**، اور بقول قاضی ابوبکرابن العربی **رجل عدل من کبارالامة عند الصحابة والتابعین وفقهاء المسلمین** سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے" (ص۳)

اور پھر آپ نے کتاب میں "سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بحثیت خلیفہ" کا عنوان تو دیا لیکن تفصیل سے یہ ذکر کرنا شاید بھول گئے کہ مروان کیسے خلیفہ بنے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں

ثم هو کان الامام بعدموت معاویة بن یزیدلامحالة وهوارشدمن مروان بن الحکم حیث نازعه بعدان اجتمعت الکلمة علیه ،وقامت البیعة له فی الآفاق وانتظم له الامر(البدایة والنهایة ۳۳۹/۸)

پھر معاویہ بن یزید کے بعد لامحالہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی امام حق تھے، اور وہ زیادہ بہتر تھے مروان بن حکم سے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر بات متفق ہوچکنے اور سب جانبوں میں اُس کے لئے بیعت قائم ہوچکنے اوراُن کے لئے حکومت کا انتظام ہوچکنے کے بعد مروان نے اُن سے جھگڑا کردیا،

ولمّارای مروان بن الحکم ماانتظم من البیعة لابن الزبیروماستوثق له من المُلک عزم علی الرحیل الیه لمبایعته ولیأخذمنه امانالبنی امیّة ،فسار حتی بلغ اذرعات فلقیه ابن زیادمقبلاً من العراق فصدّهٔ عن ذالک وهجّن رایه واجتمع الیه عمروبن سعیدبن العاص وحصین بن نمیروابن زیاد واهل الیمن وخلق فقالواالمروان انت کبیرقریش وخالدبن یزیدغلام وعبدالله بن الزبیرکهل فانمایقرع الحدیدبعضه ببعض فلاتناوئه بهٰذاالغلام وارم بنحرک فی نحره ونحن نبایعک ابسط یدک ،فبسط یده فبایعوه بالجابیة فی یوم الاربعاء لثلاث خلون من ذی القعدة سنة اربع وستین (البدایة ۲۳۸/۸)

جب مروان نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا انتظام ہوجانا اوراُس کی بادشاہت مضبوط دیکھی توابن زبیر کے پاس بیعت کرنے اور بنوامیہ کے لئے امان لینے کے لئے سفر کا عزم کرلیا، تو چلا یہاں تک کہ اذرعات پہنچا، تو وہاں اُس کو ابن زیاد ملا جوعراق سے واپس آرہا تھا، اُس نے مروان کو اِس سے روکا، اور اُس کی سوچ خراب بتائی، مزید مروان کے پاس عمرو بن سعید، حصین بن نمیر اور اہل یمن اور دیگر لوگ جمع ہوگئے اور مروان کو کہا آپ قریش کے بڑے ہو، خالد بن یزید لڑکا ہے، عبداللہ بن زبیر ادھیڑ عمر ہے، لوہا ایک دوسرے کو بجاتا رہے گا، آپ اس لڑکے کی بیعت نہ کرو،

وقدکان معاویة بن یزیدقدعزم علی ان یبایع لابن الزبیربدمشق وقدبایع اهلهاالضحاک بن قیس علی ان یصلح بینهم ویقیم لهم امرهم حتی یجتمع النّاس علی امام ،والضحاک یریدان یبایع لابن الزبیروقدبایع لابن الزبیرالنعمان بن بشیربحمص وبایع له زفربن عبدالله الکلائی بقنسرین وبایع له نائل بن قیس بفلسطین ،واخرج منهاروح بن زنباع الجذامی، فلم یزل عبیدالله بن زیادوالحصین بن نمیربمروان بن الحکم یحسنون له ان یتولّی حتی ثنوه عن رایهٖ وحذروه من دخول سلطان ابن الزبیروملکه الی الشام وقالواله انت شیخ قریش وسیّدهافانت احق بهٰذاالامرفرجع عن البیعة لابن الزبیر(البدایة ۳۳۸/۸)

حضرت معاویہ بن یزید نے (باوجودیکہ یزید نے حضرت ابن زبیر سے لڑنے اوراُنہیں ختم کرنے کی کوشش کی جس میں ناکام رہا) عزم کرلیا تھا کہ دمشق میں ابن زبیر کے لئے بیعت کرلے، جب کہ دمشق والوں نے کسی امام پرلوگوں کے متفق ہونے تک ضحاک بن قیس کی بیعت کرلی تھی تاکہ وہ اُن میں اصلاح کئے رکھے اوراُن کی حکومت قائم کررکھے، جب کہ خود ضحاک بھی ابن زبیر کی بیعت کا ارادہ کررہے تھے، اور حمص میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اور قنسرین میں زفر بن عبداللہ کلائی نے اور فلسطین میں نائل بن

قیس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے وہاں سے روح بن زنباع جذامی کو نکال دیا تھا، لیکن عبید اللہ بن زیاد اور حصین بن نمیر (جیسے مشیر) مسلسل مروان بن حکم کے سامنے اسی کے حاکم بننے کو اچھا ظاہر کرتے رہے حتی کہ (مروان جس نے ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اُن کو خلیفہ مان لینے کا سوچ لیا تھا) اِن لوگوں نے مروان کو اُس سوچ سے پھیر لیا اور ملک شام میں ابن زبیر کی حکومت و بادشاہی داخل ہونے سے احتیاط کا کہتے رہے اور مروان کو کہا کہ آپ قریش کے بڑے اور سردار ہو تو آپ حکومت کے زیادہ حقدار ہو، چنانچہ اس ترغیب کے نتیجہ میں مروان نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کی سوچ سے رجوع کر لیا،

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو جانے کے بعد مروان کے لئے حکومت حاصل کرنے کا جواز نہیں تھا، اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک عبدالملک بن مروان کی حکومت بھی درست نہیں تھی:

اوپر امام ابن کثیر کی عبارت میں آیا کہ

نازعه بعدان اجتمعت الكلمة عليه ،وقامت البيعة له فى الآفاق وانتظم له الامر(البداية والنهاية ٨/ ٣٣٩)

کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر بات متفق ہو جانے اور سب جانبوں میں اُس کے لئے بیعت قائم ہو چکنے اور اُن کے لئے حکومت کا انتظام ہو جانے کے بعد مروان نے اُن سے جھگڑا کر دیا،

خود آپ بھی مانتے ہیں کہ یزید کی وفات کے بعد صرف مکہ مکرمہ میں نہیں بلکہ اطراف میں بھی حضرت ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر لی گئی تھی

''باقی اطراف میں جس نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت تسلیم کی ہے تو ایسا یزید کی وفات کے بعد ہی کیا ہے'' (سیدنا مروان صفحہ ۴۹۵)

جب حضرت زبیر رضی اللہ کی خلافت اور بیعت قائم ہو گئی تھی، اور اُس پر اتفاق ہو گیا تھا تو پھر مروان بن حکم کو اپنے لئے حکومت کی تحریک چلانے اور اپنے لئے بیعت لینے کا کیا جواز تھا؟

الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (م ۱۲۴۲ھ) فرماتے ہیں

والاصح كماقال الذهبى وغيره من اهل العلم ان مروان لايعدفى امراء المؤمنين بل با غ خارج على ابن الزبيرولاعهده على ابنه عبدالملك صحيح وانماصحت خلافة عبدالملك حين قتل ابن الزبير(جواب اهل السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة والزيدية صفحه ١٢٦)

جیسا کہ امام ذہبی اور دوسرے علماء فرماتے ہیں اصح یہ ہے کہ مروان امراء مؤمنین میں سے شمار نہیں کیا جاتا بلکہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں باغی اور خروج کرنے والا ہے، اور اس کا اپنے بعد بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنانا بھی صحیح نہیں تھا، ہاں عبدالملک کی خلافت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحیح ہے،

بعینہ یہی الفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) کے ہیں (تاریخ الخلفاء/۱۶۰) اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ عبدالملک بن مروان کے متعلق فرماتے ہیں

بويع بعهدمن ابيه فى خلافة ابن الزبيرفلم تصح خلافته وبقى متغلباعلى مصروالشام ثم غلب على العراق وماوالاهاالى ان قتل ابن الزبيرسنة ثلاث وسبعين فصحت خلافته من يومئذ(تاريخ الخلفاء ١/ ١٦٢)

عبدالملک کے باپ مروان کی طرف سے عہد کے سبب عبدالملک کی بیعت خلافتِ ابن زبیر میں کی گئی اس لئے عبدالملک کی خلافت (اس وقت) صحیح نہیں ہوئی، اور وہ مصر و شام پر متغلب بن کر رہا، پھر عراق وغیرہ پر بھی غالب آ گیا یہاں تک کہ سنہ ۷۳ھ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو اس دن سے عبدالملک کی خلافت صحیح ہو گئی،

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ) رحمہ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں

فانه خارج على ابن الزبيرباغ فلايصح عهده الى ولديه وانماتصح امامة عبدالملك من يوم قتل ابن الزبير(تاريخ الاسلام ٢/ ٩٦٨)

مروان تو حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف خروج کرنے والا اور باغی ہے، اس لئے اُس کا اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنانا بھی صحیح نہ تھا، ہاں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبدالملک کی حکومت صحیح ہے،

یہی بات علامہ عبدالقادر بن محمد نعیمی دمشقی رحمہ اللہ (م ۹۲۷ھ) نے فرمائی ہے (الدارس فی تاریخ المدارس ۲/۱۱۹) اور یہی بات علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک بن عبداللہ صفدی رحمہ اللہ (م ۷۶۴ھ) نے فرمائی ہے (الوافی بالوفیات ۱۸/۳۴۳)

علامہ ابوالحسن علی بن بسام شنترینی (م ۵۴۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فابن حزم فى رسالة فى اسماء الخلفاء والولاة يعتقدبامامة ابن الزبيرويقول فى مروان ابن الحكم وهواول من شق عصاالمسلمين بلاتاويل

ولاشبهة وبايعه اهل الاردن وخرج علی ابن الزبیر(الذخیرة فی محاسن اهل الجزیرة ۵۶۸/۱)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں جو اسماء خلفاء وولات کے بارے میں ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں اور مروان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بلاشک وشبہ مسلمانوں کی لاٹھی توڑ دی اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور اردن والوں نے اُس کی بیعت کی،

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (م۴۵۶ھ) کے الفاظ اس طرح ہیں

ولایة عبداللہ بن الزبیر بمکة ،بویع له بمکة سنة اربع وستین بعدثلاثة اشهر منها،واجمع علیه المسلمون کلهم من افریقیة الی خراسان حاشا شرذمة ابن الاعرابیة بالاردن ،فوجه الیهم رسوله مروان بن الحکم لیأخذبیعتهم بعدان بایعهٔ مروان بن الحکم فلماوردعلیهم خلع الطاعة وهو اول من شق عصاالمسلمین بلاتاویل ولاشبهة ،وبایعه اهل الاردن وخرج علی ابن الزبیر،وقتل النعمان بن بشیراول مولودفی الاسلام من الانصارصاحب رسول اللہ ﷺ بحمص (جوامع السیرة لابن حزم ۳۵۹/،رسائل ابن حزم ۱۴۱/۲)

مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت: اُن کی بیعت مکہ مکرمہ میں سنہ ۶۴ھ کے تین ماہ گذرنے کے بعد ہوئی، اور اُس پر سوائے اردن کے ابن اعرابیہ کی تھوڑی سی جماعت کے سب مسلمانوں نے افریقہ سے خراسان تک اجماع کر لیا تھا، تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے مروان بن حکم کو اپنا قاصد بنا کر جب کہ مروان نے اُن کی بیعت کر لی تھی اُن کی طرف متوجہ فرمایا لیکن جب مروان اُن کے پاس پہنچا ابن زبیر کی بیعتِ طاعت توڑ دی، اور مروان وہ پہلا شخص ہے جس نے بغیر کسی تاویل وشبہ کے مسلمانوں کی لاٹھی توڑی (اتحاد میں رخنہ ڈالا) ہے، اور اردن کے لوگوں نے اُس کی بیعت کر لی، اور اِس نے ابن زبیر کے خلاف خروج کیا، اور اسلام میں انصار کے پہلے پیدا ہونے والے بچے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حمص میں شہید کر دیا،

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی اس بات کو علامہ ابن الوزیر محمد بن ابراہیم بن علی الحسنی القاسمی (م۸۴۰ھ) نے بھی لیا ہے (الروض الباسم ۲۷۲/۱)

اور علامہ عبدالحی بن احمد بن محمد عکری حنبلی رحمہ اللہ (م۱۰۸۹ھ) اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو لیا ہے (شذرات الذهب ۲۷۹/۱)

اور بالکل یہی بات علامہ محمد بن یوسف بن یعقوب یمنی (م۷۳۲ھ) نے کی ہے (السلوک فی طبقات العلماء والملوک ۱۷۶/۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م۸۵۲ھ) فرماتے ہیں

کان متغلبابعدان اجتمع الناس علی عبداللہ بن الزبیر(فتح الباری ۲۱۲/۱۳ تحت ح۷۲۲۲)

بعد اس کے کہ لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر چکے تھے مروان بن حکم متغلب ہو گیا تھا،

آپ کا سوال خود آپ کے سر:

اگر جناب صاحب اہل مدینہ کے یزید کے خلاف کھڑے ہونے پر درج ذیل سوال اٹھا سکتے ہیں اور یزید کے خلاف کھڑے ہونے کو ناجائز بتا سکتے ہیں تو آپ کے نظریہ کے مخالفین کو آپ کے الفاظ میں ہی یہ سوال اٹھانے اور مروان وعبدالملک کے قیام کو بھی ناجائز بتانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(آپ کے الفاظ میں سوال درج ذیل ہے)

''موصوف جب اہل مدینہ کی طرف سے خلع بیعت اور نئے خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت تسلیم کر رہے ہیں، تو وہ اس اشکال کو بھی رفع فرما لیتے جو حسبِ ذیل احادیث سے پیدا ہوتا ہے،

1 عن ابن عباس رضی اللہ عنه عن رسول اللہ ﷺ قال :من کره من امیرهٖ شیئاً فلیصبرعلیه فانّه لیس احدمن النّاس یخرج من السلطان شبراً فمات علیه الامات میتة جاهلیة

2...انّه سیکون هنات وهنات فمن ارادان یفرّق امرهٰذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنامن کان

3 من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحدیریدان یشقّ عصاکم اویفرّق جماعتکم فاقتلوه

4 اذابولع للخلیفتین فاقتلواالآخرمنهما

5 ستکون امراء فتعرفون وتنکرون فمن عرف فقدبرئ ومن انکرسلم ولکن من رضی وتابع .قالواافلا نقاتلهم ؟قال لاماصلّوا،

(صحیح مسلم الجلدالثانی ص۱۲۸ تحت کتاب الامارة ،تحت باب حکم من فرّق امرالمسلمین وهومجتمع ،باب اذابویع لخلیفتین ،باب وجوب الانکارعلی الامراء فی مایخالف الشرع وترک قتالهم ماصلّواونحوذالک)

1: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے حاکم سے بری بات دیکھے وہ صبر کرے کیوں کہ جو کوئی اپنے سلطان سے بالشت بھر جدا ہوا پھر اس حال میں اُسے موت آجائے تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی،

2: عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قریب ہیں فتنے اور فساد، پھر جو کوئی چاہے اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا تو اُسے تلوار سے قتل کر دو چاہے جو کوئی بھی ہو،

3: عرفجہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک شخص پر مجتمع ہو اور وہ تم میں پھوٹ اور جدائی ڈالنا چاہے تو اُس کو قتل کر دو،

4: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اُس کو قتل کر دو (اس لئے کہ اُس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)

5: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ تم پر امیر مقرر ہوں، تم اُن سے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی، پھر جو کوئی برے کام کو پہچان لے وہ بری ہو گیا، اور جس نے برے کام کو برا جانا وہ بھی بچ گیا (گو دل سے ہی برا جان لے) لیکن جو راضی ہوا برے کام سے اور اُس کی اُس کام میں پیروی کی (تو وہ تباہ ہوا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم ایسے امیروں سے قتال نہ کریں؟ فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں'' (سیدنا مروان بن الحکم صفحہ ۴۹۵،۴۹۶)

کیا یہ حدیثیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو جانے کے بعد مروان کے اپنی بیعت لینے اور خود خلیفہ بننے کی کوشش کے خلاف نہیں ہیں؟ کیا اُس کو مناسب نہ تھا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتا؟ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہونے کے بعد اُس کی حکومت اور اُس کی بیعت کس نص کے تحت مناسب اور جائز تھی؟ آپ کی یہ عبارت بظاہر یہ ظاہر کرتی ہے کہ یزید اور مروان کے خلاف اٹھنے والے جو بھی تھے آپ کے نزدیک باغی تھے، اُن کی موت جاہلیت کی موت تھی، وہ بحکم شرعی واجب القتل تھے

،استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله،

بہر حال یہی حرکت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف مروان بن حکم نے کی تو وہ بھی اِس حکم کے تحت آتے ہیں، نہیں تو اُن کے اِس حکم سے خارج ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جو وجہ مروان کو ان وعیدوں سے نکال سکے گی یزید کے خلاف کھڑے ہونے والے اہل مدینہ و اہل مکہ وغیرہم کو بطریق اولٰی نکال سکے گی،

البتہ درج بالا احادیث جن پر اہل مدینہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے عمل نہیں کیا اور یزید کے خلاف کھڑے ہوئے تو اس بارے میں اِن حضرات کے اقدام کی توجیہ کیا ہے؟

اہل علم فرماتے ہیں کہ جب کوئی حاکم حکومت کا اہل نہ ہو ایسے حاکم کی بیعت و طاعت چھوڑنے والے لوگ اِن وعیدوں میں نہیں آتے، وہی لوگ ہی اِن وعیدوں کا مصداق بن سکیں گے جو (اہلیت رکھنے والے) حاکم کے خلاف بلا وجہ کھڑے ہوں،

بہر حال مروان بن حکم کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت بہتر تھی، اور مروان کو بلکہ اُن کے بیٹے عبدالملک کو بھی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بیعت لینے اور حکومت حاصل کرنے کا حق نہیں تھا،

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ تھے:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں

وبويع بالخلافة عندموت يزيدسنة اربع وستين وحكم على الحجازواليمن ومصروالعراق وخراسان وبعض الشام ولم يستوثق له الامرومن ثمّ لم يعده بعض العلماء فى امراء المؤمنين وعدّ دولته زمن فرقة فانّ مروان غلب على الشّام ثم مصر...(سيراعلام النبلاء ۳/۳۶۳)

یزید کی موت کے بعد سنہ ۶۴ھ کو حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت خلافت کی گئی، انہوں نے حجاز، یمن، مصر، عراق، خراسان اور ملک شام کے کچھ حصہ پر حکومت سنبھالی، لیکن اُس کی حکومت پوری مضبوط نہ ہوسکی جس کی وجہ سے بعض علماء نے اُن کو امراء مؤمنین میں سے شمار نہیں کیا، اور اُن کی حکومت کو افتراق کا زمانہ قرار دیا، کیوں کہ مروان نے شام اور پھر مصر پر غلبہ پالیا تھا،

اِس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ اول حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی، مگر پھر مروان اُن کے خلاف کھڑے ہوئے، اور اُن کی خلافت کے استحکام میں رکاوٹ بنے، ایسا نہیں کہ اول مروان کی بیعت کی گئی ہو پھر ابن زبیر نے اُن کی مخالفت کی ہو،

اور معلوم ہوا کہ علماء کی بڑی تعداد نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو امراء مؤمنین میں سے شمار کیا ہے، ہاں بعض نے (نہ کہ کُل یا اکثر نے) اُن کو خلفاء میں شمار نہیں کیا، اور خلفاء میں شمار

نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ غیر شرعی خلیفہ تھے بلکہ اس وجہ سے کہ کُل اسلامی خطوں پر اُن کو حکومت حاصل نہ ہو سکی، لیکن یہ عبارت بتاتی ہے کہ اکثر خطوں میں اُن کو حکومت حاصل ہو گئی تھی اس لئے اکثر کے مطیع ہونے کے سبب وہ خلیفہ برحق تھے،

ولم یتخلف عنه الابعض الشام فکان هوالخلیفة (کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایاصحیح البخاری ۳/۴۴۹)

صرف بعض اہل شام ہی اُن کی بیعت سے پیچھے رہے اس لئے وہی ہی خلیفہ تھے (تو مروان کی حکومت درست نہ تھی)

عن مالک قال ابن الزبیر کان افضل من مروان وکان اولیٰ بالامرمن مروان ومن ابنه (الاستیعاب ۳/۹۱۰)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر مروان سے افضل تھے اور مروان اور اُس کے بیٹے عبدالملک سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے،

قال ابن بطال وابن الزبیرعندعلماء اهل السنة اولی بالخلافة من یزیدوعبدالملک لانه بویع لابن الزبیرقبل هؤلاء وهوصاحب النبی ﷺ (التوشیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن ۳/۵۱۴)

امام ابن بطال کہتے ہیں علماء اہل سنت کے نزدیک ابن زبیر یزید و عبدالملک (وغیرہ) کی بنسبت خلافت کے زیادہ حقدار تھے کیوں کہ ان لوگوں سے پہلے اُن کی بیعت کر لی گئی تھی اور وہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں ،

وبقی ابن الزبیرخلیفة الی ان ولی عبدالملک بن مروان بعدابیه (اسدالغابة ۳/۲۴۱)

(مروان کے بعد) عبدالملک بن مروان کے حاکم بننے تک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے،

یہ تھی مروان بن حکم کی خلافت کی حقیقت، اِن اکابر نے جو سمجھا ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ زمانہ قریب ہونے کے سبب اِن حضرات نے صحیح حقیقت سمجھی ہوگی، چودہ صدیوں والے آپ جیسے حضرات کو اس حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگی ہوگی، **والله اعلم**،

رہی یہ بات کہ بعض صحابہ (حضرت ابن عمر وغیرہم) رضی اللہ عنہم نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بجائے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی تھی، کیوں؟ تو اُن کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ (گو اُن کے مقابلہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا بہتر تھا مگر) ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بجائے عبدالملک کی بیعت کرنے والے مجتہد تھے، اُن کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا حکم تھا، اور حضرت ابن زبیر اور اُن کی بیعت کرنے والے حضرات صحابہ بھی مجتہد تھے، اُن کو اپنے اجتہاد پر عمل کا حکم تھا، کسی نے اُس جانب کو ترجیح دی تو کسی نے اِس جانب کو، مگر ہمیں اوپر کی تصریحات بتاتی ہیں کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والوں کا اجتہادی عمل ارجح واصح ہے، ظاہر ہے کہ مجتہد اجتہاد میں خطاء کرے تو اجر پاتا ہے، صواب کو پہنچے تو اجر پاتا ہے، تو اُن دونوں جانبوں کے صحابہ نے اجر پایا، آپ عبدالملک کی بیعت کرنے والوں کو ترجیح دیں تو آپ جانیں آپ کا اجتہاد جانے، ہم تو آپ کی (اوپر سوال میں) بیان کی ہوئی حدیثوں اور اسلاف کی تصریحات کے مطابق مروان اور عبدالملک کی حکومت کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ترجیح نہیں دیتے کیوں کہ نہ مروان صحابی نہ عبدالملک، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ تو صحابی ابن صحابی ہیں، ہم تابعی کے مقابلہ میں صحابی کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ قائد و حاکم صحابی بنے یہ بہتر ہے تابعی کے قائد و حاکم بننے سے،

عن بریدة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ مامن احدمن اصحابی یموت بارض الابعث قائداونورالهم یوم القیامة (ترمذی ح ۳۸۶۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا جو صحابی بھی کسی جگہ فوت ہوگا وہ قیامت کے دن اُس جگہ والوں کا قائد اور نور بن کر اٹھایا جائے گا،

یعنی چاہے اُس علاقے میں بڑے بڑے بزرگ اور تابعین ہوں صحابی کے مقابلہ میں وہ قائد بننے کے لائق نہیں صحابی ہی قائد بننے کے مستحق ہوں گے،

☆☆☆

(6) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روضہ مبارکہ میں تدفین اور مروان کی رکاوٹ:

اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں، مثلاً

روایت اول:

(1) علامہ جمال الدین مزی اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ اور دیگر کئی محققین محدثین مؤرخین ذکر کرتے ہیں

وقال ابوعوانة عن حصین عن ابی حازم لماحضرالحسن قال للحسین ادفنونی عندابی یعنی النبی ﷺ الا ان تخافواالدماء فان خفتم الدماء فلاتهریقوافیّ دما،ادفنونی عندمقابرالمسلمین(تهذیب التهذیب ۲/۳۰۱) قال فلماقبض تسلح الحسین وجمع موالیه ،فقال له ابوهریرة

انشدک اللہ وصیة اخیک ،فان القوم لن یدعوک حتی یکون بینکم دماء ،قال فلم یزل بہ حتی رجع ،قال ثم دفنوہ فی بقیع الغرقد ،فقال ابوھریرة ارئیتم لوجیء بابن موسی لیدفن مع ابیہ فمنع اکانوا قدظلموہ ؟قال فقالوانعم ،قال فھذاابن نبی اللہ قدجیء بہ لیدفن مع ابیہ (تھذیب الکمال ۶/۲۵۴)

ابوعوانہ حصین سے وہ ابوحازم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی ،حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے میرے ابا یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس دفن کرنا،مگر یہ کہ قتل وغارت کا خطرہ ہوجائے ،تو اگر قتل وغارت کا خطرہ ہوتو میری وجہ سے خون نہ بہنے دینا ،مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا،تو جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ مسلح ہوگئے اور اپنے موالی جمع کر لئے ،تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اپنے بھائی کی وصیت کا خیال کرو، کیوں کہ لوگ تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم میں خون ریزی ہوجائے گی ،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسلسل اُنہیں سمجھاتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع غرقد میں دفن کیا،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا یہ بتاؤ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے کو اُن کے باپ کے ساتھ دفن کے لئے لایا جاتا اور اُن کے ساتھ دفن ہونے سے روک دیا جاتا تو روکنے والے ظالم بنتے ؟لوگوں نے کہا واقعی ظالم بنتے ،تو فرمایا یہ حضور ﷺ کے بیٹے ہیں حضور ﷺ کے ساتھ دفن کے لئے لائے گئے (تو اُنہیں روک دیا گیا تو روکنے والے بھی ظالم ہوئے)۔

یہ روایت امام ابن سعد نے اپنی سند سے بیان کی ہے،اور اُن سے امام ابن عساکر نے بھی لی ہے،اس سند کے راوی یحیی بن حماد،ابوعوانہ،حصین،ابوحازم ہیں (الطبقات الکبری ۱/۳۴۰ رقم ۲۹۹،تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۳/۲۸۸) یہ سب ثقہ راوی ہیں،اِن میں سے کوئی مجروح نہیں ہے، یحیی بن حماد بن ابی زیاد شیبانی بصری ثقہ وحافظ ہیں ابوعوانہ سے بکثرت روایات لینے والے ہیں،ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری واسطی ثقہ وثبت ہیں، حصین بن عبدالرحمٰن سلمی ثقہ تابعی ہے،اور ابوحازم سلمہ بن دینار الاعرج مولی بنی لیث مدنی صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں، کئی مؤرخین محدثین نے اِس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے،

روایت دوم:

(2)امام ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اخبرناابوسعدبن البغدادی اناابوالمظفرمحمودبن جعفربن محمدبن احمدبن جعفرالمعدل اناعم ابی ابوعبداللہ الحسین بن احمدبن جعفر الکوسج اناابراھیم بن السندی بن علی اناالزبیربن بکاربن عبداللہ الزبیری حدثنی یحیی بن مقدام عن عمہ موسی بن یعقوب بن عبداللہ بن وھب بن زمعة حدثنی فائدمولی عبادل ان عبیداللہ بن علی ابن ابی رافع اخبرہ ھووغیرہ من مشیختھم ان حسن بن علی بن ابی طالب اصابہ بطن فلماعرف بنفسہ الموت ارسل الی عائشة زوج النبی ﷺ ان تأذن لہ ان یدفن مع النبی ﷺ فی بیتھافقالت نعم بقی موضع قبرواحدقد کنت احب ان ادفن فیہ و اناااوثرک بہ ،فلماسمعت بنوامیة ذالک لبسواالسلاح فاستلاموابھاوکان الذین قام بذالک مروان بن الحکم فقال واللہ لایدفن عثمان بن عفان بالبقیع ویدفن حسن مع رسول اللہ ﷺ....(تاریخ دمشق ۱۳/۲۸۹ ،اتحاف الزائرو اطراف المقیم السائرلابی الیمن ابن عساکر(م۶۸۶ھ)صفحہ ۸۹طبع شرکة دارالارقم بن ابی الارقم)

عبیداللہ بن علی بن ابی رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیٹ میں تکلیف ہوئی جب موت قریب سمجھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں اُن کو دفن ہونے کی اجازت دیں،ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ٹھیک ہے،ایک قبر کی جگہ باقی ہے،میری چاہت تھی کہ میں اُس میں دفن کی جاؤں لیکن اب آپ کو ترجیح دیتی ہوں، جب بنوامیہ نے یہ خبر سنی ہتھیار پہن لئے ،اور حضور ﷺ کے حجرے پر تسلط جمالیا،اور اِس کی تحریک مروان بن حکم نے چلائی،اور کہا اللہ کی قسم (ایسا نہیں ہوسکتا) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں دفن نہ ہوسکیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں (ایسا نہ ہوگا،چنانچہ بالآخر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا)

اس کی سند میں عبیداللہ بن علی بن ابی رافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں،اُن سے روایت کرنے والے فائد عبیداللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں لاباًس بہ،ثقہ ہے (تہذیب التہذیب)اور موسی بن یعقوب بن عبداللہ بن وہب بن زمعہ سچا راوی ہے البتہ اس کا حافظہ کمزور ہے (تقریب) یحیی بن مقداد بن یعقوب زمعی موسی بن یعقوب کے بھتیجے اور شاگرد ہیں، محدث زبیر بن بکار زبیری کے استاد ہیں،اور محدث زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب ثقہ ہیں،اُن کی کتاب ہے **جمھرة نسب قریش** ،افسوس ہے کہ اِس کتاب کے بارہ جزء مفقود ہیں،اور اندازہ یہ ہے کہ یہی روایت اُس کتاب کے اُن ابتدائی جزءوں میں موجود ہوگی جس کے بعد سند کے مزید راویوں کی چھان بین کی ذرا ضرورت نہ ہوگی،

اور راوی ابراھیم بن السندی بن علی بن بہرام امام طبرانی، ابوالشیخ وغیرہم کے استاذ ہیں، امام ابوالشیخ ثقہ بتاتے ہیں، سنہ ۳۱۳ھ کو فوت ہوئے، اور راوی ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن جعفر الکوسج کا ذکر تاریخ الاسلام للذہبی میں کیا گیا ہے، اس کو **المعدّل** (عادل قرار دیا جانے والا) کہا جاتا ہے (۱۴۹/۲۷) امام ابونعیم اصفہانی کے استاد ہیں (تاریخ اصبہان ۱/ ۳۳۸) اور محمود بن جعفر بن محمد کوسج سے متعلق اسماعیل بن محمد الحافظ فرماتے ہیں عادل پسندیدہ راوی ہے (تاریخ الاسلام ذہبی) سنہ ۴۷۳ھ میں وفات پائی (سیر اعلام النبلاء) اور ابوسعد بن البغدادی احمد بن محمد بن احمد بن الحسن بغدادی اصبہانی الحافظ ہیں، سنہ ۴۶۳ھ کو اصفہان میں پیدا ہوئے، محدثین نے اِن کی تعریف میں بہت اونچے کلمات بولے ہیں (تاریخ الاسلام للذہبی ۳۶/ ۵۳۰ تا ۵۳۲) یہ روایت حسن درجے کی ہے،

اوپر ابوحازم رحمہ اللہ کی روایت میں تھا کہ کچھ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حجرہ نبوی میں دفن سے رکاوٹ بنے تھے، اِس روایت میں وضاحت آگئی کہ رکاوٹ بننے والوں کے سرپرست مروان بن حکم تھے،

روایت سوم:

(3) امام بلاذری احمد بن یحیی بن جابر بن داوٗد (م ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ اپنی سند سے عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے حضور ﷺ کی قبر کے پاس دفن کرنا، ہاں اگر اِس میں شر کا خطرہ ہو تو میری والدہ کے پاس دفن کر دینا، حضرت حسن فوت ہو گئے تو جب اُن کو روضہ مبارکہ میں دفن کا ارادہ کیا مروان نے اِس سے روک دیا اور کہا یہ حضور ﷺ کے ساتھ دفن نہیں ہوں گے، کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حش کوکب میں دفن ہوں اور حسن یہاں دفن ہو جائیں؟ (**انساب الاشراف للبلاذری ۳/ ۶۰**)

اس روایت کے راوی (1) حفص بن عمر الدوری المقری ہیں، ابوحاتم نے اُس کو سچا کہا ہے، ابوعلی اہوازی کہتے ہیں تمام روایات میں ثقہ ہے (تاریخ الاسلام ذہبی) ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، مسلمہ بن قاسم نے کہا کہ ثقہ ہے، ابوعمرو دانی فرماتے ہیں ثقہ وثبت ہیں، ابوجعفر عقیلی فرماتے ہیں ثقہ وقابل اطمینان ہیں، ابن خلفون نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا (التراجم الساقطۃ من کتاب اکمال تہذیب الکمال مغلطائی ۱/ ۲۴۲) (2) عباد بن عباد مہلبی بصری صحاح ستہ کا راوی ہے، ثقہ ہے، ابن معین ویعقوب بن شیبہ ثقہ کہتے ہیں (طبقات علماء الحدیث ۱/ ۳۸۲) ذہبی فرماتے ہیں **الامام الصدوق** ہے (تذکرۃ الحفاظ) بعض نے اُن پر جرح کی جو غیر مقبول ہے، (3) ہشام بن عروہ ثقہ ثبت ہے البتہ کبھی تدلیس کرتا ہے (تقریب)

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ پر جرح اور جواب:

یحیی بن سعید قطان نے فرمایا کہ آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، امام ذہبی فرماتے ہیں یہ قول مردود ہے کیوں کہ وہ بعض اوقات وہم، سہو، نسیان میں مبتلا ہوئے ہیں، مگر اختلاط نہیں ہوا، اور ایسا کونسا بڑا امام ہے جو وہم سے سلامت رہا ہو؟ شعبہ، معمر، اوزاعی، مالک وغیرہم رحمہم اللہ بھی تو کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتے تھے (سیر اعلام النبلاء ۶/ ۳۶)

اور عبدالرحمٰن بن خراش نے کہا کہ مجھ تک یہ پہنچا ہے کہ امام مالک ہشام بن عروہ کی عراقی روایتوں کی وجہ سے اُس کو ناپسند کرتے تھے،

مگر امام مالک سے منقول یہ بات سند سے ثابت نہیں ہے ابن خراش کہہ رہے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی، کن راویوں سے پہنچی؟ اِس کی تحقیق لازمی ہے، بغیر تحقیق ابن خراش کی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، خاص کر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں ہشام کی بکثرت روایات لی ہیں، تو اگر اُس کو ناپسند کرتے تو روایات کیوں لیتے؟

پھر یہ عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کون ہے؟ ابوزرعہ جرجانی کہتے ہیں رافضی ہے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عیوب تلاش کرتا تھا (تاریخ بغداد ۱۰/ ۲۸۰) بلکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عیوب پر اُس نے ایک کتاب (دو جزء) لکھ ڈالی تھی جس پر حضرت ابومسعود احمد بن الفرات رازی اصفہانی نے نکیر کی تھی تو ابن خراش نے اُن کو قتل کی دھمکی دی تھی، جس پر حضرت ابومسعود نے فرمایا تھا کہ میری تو تمنا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی محبت میں مارا جاؤں (مرآۃ الزمان ۱۵/ ۳۹۹) تشیع کے باب میں مضامین لکھتا تھا (الکامل لابن عدی ۵/ ۵۱۸) اور روافض کی طرح حدیث **لانورث ماتر کناہ صدقۃ** کو باطل ٹھہراتا تھا (میزان الاعتدال ۲/ ۶۰۰) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش غالی شیعوں میں سے ہے بلکہ رفض کی طرف منسوب ہے (لسان المیزان ۱/ ۱۶) متعدد محققین (دکتور محمد مہدی المسلمی، اشرف منصور عبدالرحمٰن، عصام عبدالہادی محمود، احمد عبدالرزاق عید، ایمن ابراہیم الزاملی، محمود محمد خلیل) نے مل کر رجال حدیث سے متعلق امام دارقطنی کے اقوال کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کیا ہے بنام ''**موسوعة اقوال ابی الحسن الدارقطنی فی رجال الحدیث وعللہ**'' اس میں رقم ۲۱۵۲ پر ابن خراش کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ''**عبدالرحمن بن یوسف بن سعیدبن خراش الشیعی الکافر**''

اور ہشام سے متعلق یہ بھی ابن خراش نے ہی بتایا کہ ہشام اول بار کوفہ آئے تو حدیث یوں بیان کرتے **حدثنی ابی قال سمعتُ عائشة**، اور دوسری بار آئے تو کہتے **اخبرنی**

ابی عن عائشة، اور تیسری بار آئے تو کہتے **ابی عن عائشة**، یعنی باپ سے مرسل بیان کرتے، تو یہ بھی ابن خراش کی نقل ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دوسرے یہی مرض خود ابن خراش میں بھی تھا کہ وہ مرسلات کو موصولات بناتا تھا (میزان الاعتدال ۲/۶۰۰) اس لئے ابن خراش کی اِس بات کو ذکر کر کے علامہ ذہبی فرماتے ہیں **قلت الرجل حجة مطلقاً** (سیر اعلام النبلاء ۶/۳۵) میں کہتا ہوں ہشام مطلقاً (یعنی ہر حال میں) حجت ہے، اس لئے سب محدثین نے جس طرح **هشام قال سمعت ابی عن عائشة یا اخبرنی ابی عن عائشة** کے الفاظ سے مروی ہشام کی روایات لی ہیں ایسے ہی **هشام عن ابیه عن عائشة** کے ساتھ مروی روایات بھی بلاتفریق لی ہیں، کتب مسانید میں مسند امام احمد، ومسند اسحاق بن راھویہ، مسند بزار، مسند ابویعلی، میں مرویات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھ لیں، اور سارے صحاح ستہ اور اُن سے علاوہ دوسری حدیث کی کوئی سی کتاب اٹھالیں، کوئی بھی **هشام عن ابیه عن عائشة** کے الفاظ والی سند سے خالی نہیں ہے، ایسی روایات صحیح بخاری میں تقریباً ۸۹ تک ہیں، اور **هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة** کے الفاظ سے مؤطا امام مالک میں تقریباً چھبیس روایات ہیں، اور صحیح بخاری میں تقریباً ۸۲ تک ہیں، تو جناب کو جو اُس کی تدلیس وارسال سے روایات غلط ہونے کا ڈر لگ رہا ہے دنیا کا کوئی ایک محدث بھی آپ کا ہم خیال نہیں ہے، یہ حضرات ہشام کی تدلیس وارسال کو ذرا بھی مضر نہیں سمجھ رہے ورنہ ان روایات سے بلاجھجک کتابیں نہ بھر لیتے، بہر حال یہ جرح مردود ہے،

رہی یہ بات کہ اُس کی احادیث عراقی پر نکیر کی گئی! تو یعقوب بن شیبہ سے منقول یہ بات ذکر کر کے علامہ ذہبی اس کو بھی رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں

قلت فی حدیث العراقیین عن هشام اوهام تحتمل کماوقع فی حدیثهم عن معمر اوهام (سیر اعلام النبلاء ۶/۴۶)

میں کہتا ہوں کہ عراقیوں کی ہشام سے مروی احادیث میں ایسے اوہام ہیں جو قابل برداشت ہیں جیسے عراقیوں کی معمر سے روایات میں (قابل برداشت) اوہام ہیں،

ہشام سے متعلق بندہ کو اِس تفصیل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ابن خراش وغیرہ کے اِن اقوال کو اور اوہام کی روایتوں کو آنجناب قاضی صاحب نے لے کر اعتماد کیا ہے (عمر عائشہ رضی اللہ عنہا پر تحقیقی نظر ص ۲۷۵)

(4) اور ہشام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور عروہ رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے سات بڑے فقہاء میں سے ہیں،

تو یہ روایت بھی اگر اونچے درجہ کی صحیح نہ مانی جائے تو بھی اس کے حسن ہونے میں شک نہیں ہے،

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضور ﷺ کے ساتھ دفن کرنا، اور یہ کہ روضہ مبارکہ میں اُن کے دفن ہونے سے مروان رکاوٹ بنا ہے،

روایت چہارم:

(4) امام عمر بن شبہ نمیری (م ۲۶۲ھ) فرماتے ہیں مجھے میرے والد (شبہ) نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے نوفل بن الفرات نے بیان کیا کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو درخواست کی ہے کہ جب میں وفات پا جاؤں مجھے اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دیں (تو انہوں نے اجازت تو دے دی ہے) معلوم نہیں شاید شرم میں اجازت دی ہو، تو جب میں وفات پالوں اُن کے پاس حاضر ہو کر اس کی درخواست کرنا، اگر خوشی دل سے اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا، پھر اگر وہ اجازت دیں تو معلوم نہیں شاید جب آپ اِس کا ارادہ کریں تو لوگ رکاوٹ بن جائیں جیسے ہمارے لوگ گھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفن کے لئے رکاوٹ بنے تھے، تو اگر رکاوٹ بنیں تو اس معاملہ میں اُن سے جھگڑا نہ کرنا مجھے بقیع غرقد میں دفن کر دینا کہ اُس میں مدفون لوگوں میں میرے لئے نمونہ ہے، تو جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمادیا جی ہاں عزت واکرام کے ساتھ دفن کئے جائیں، یہ خبر مروان تک پہنچی تو وہ رکاوٹ بنا (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ ۱/۱۱۰)

اِس کے راوی عمر بن شبہ رحمہ اللہ (م ۲۶۲ھ) **الحافظ الثقة العلامة** صاحب تصانیف ہیں (طبقات علماء الحدیث ۲/۱۹۲ رقم ۵۰۲)، محدثین نے اُس کی خوب تعریف کی ہے، (سیر اعلام النبلاء) اُن کے والد شبہ بن عبیدہ بھی ثقہ ہیں ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا ہے (الثقات رقم ۱۳۶۲۸)، اور نوفل بن الفرات عقیلی بصری بھی ثقات میں ذکر کئے گئے ہیں (الثقات لابن حبان رقم ۱۶۱۱۴) امام ذہبی نے لاباٌس بہ کہا ہے (تاریخ الاسلام ۹/۳۱۴) البتہ روایت کا یہ حصہ مخدوش ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے یعنی ہمارے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں دفن ہونے نہ دیا (بقیع میں اُن کے دفن ہونے سے رکاوٹ ڈالی گئی تھی) یہاں جو فرمایا کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے (جنت البقیع میں) دفن سے رکاوٹ بنے ممکن ہے کہ اُس کی توجیہ یہ ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں جن لوگوں نے دفن نہ ہونے دیا وہ بظاہر اہل بیت کی محبت کے دعویدار تھے (گو حقیقت میں دغاباز تھے)، جس کے سبب کئی لوگ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی قاتلین عثمان سے ہمدردی ہے اور وہ اِس قتل میں اُن کے حامی ہیں اِس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضاحتی بیانات دینے پڑے تھے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بقیع میں دفن نہ کئے جائے کا الزام بھی اِن حضرات

پر لگا ہوگا

ان روایتوں کے علاوہ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات میں اپنے استاذ امام محمد بن عمر واقدی کی سندوں سے (۱) حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ (۲) منذر بن جہم رحمہ اللہ (۳) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ذکر کیا گیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے روضہ مبارکہ میں دفن کئے جانے کی وصیت فرمائی تھی، اور بعض لوگ مروان وغیرہ اس میں رکاوٹ بنے تھے، مگر چوں کہ اُن روایتوں کے راوی امام واقدی ہیں اس لئے وہ بطور شاہد ضرور دلیل بن سکتی ہیں گو اصل دلیل کے طور پر پیش نہ کی جا سکیں

امام محمد بن عمر واقدی:

مگر بات یہ ہے کہ واقدی اتنا گیا گذرا نہیں ہے جتنا ظاہر کیا جاتا ہے، چنانچہ

(۱) محمد بن اسحاق صغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم اگر میرے نزدیک واقدی ثقہ نہ ہوتا میں اُس سے حدیث روایت نہ کرتا واقدی سے چار ائمہ نے حدیثیں بیان کی ہیں ابن ابی شیبہ، ابوعبید، ابوخیثمہ اور ایک اور کا ذکر کیا (تہذیب الکمال) (۲) مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں واقدی ثقہ وقابل اعتماد ہے (۳) معن بن عیسی فرماتے ہیں کہ مجھ سے واقدی سے متعلق پوچھا جاتا ہے؟ میرے متعلق واقدی سے پوچھا جائے (۴) یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ واقدی ثقہ ہے (۵) ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں واقدی ثقہ ہے (۶) ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ امام مالک وابن ابی ذئب کے مسائل واقدی سے زیادہ ثقہ راوی سے لئے جاسکتے ہیں تو اُس کی تصدیق نہ کی جائے، ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ واقدی اہل اسلام لوگوں میں سے امین ہے (۷) دراوردی کہتے ہیں واقدی تو امیر المؤمنین فی الحدیث ہے (۸) مجاہد بن موسی کہتے ہیں کہ واقدی سے بڑھ کر حدیث کے کسی حافظ سے میں نے حدیث نہیں لکھی، (تاریخ الاسلام للذہبی ۱۴/۱۹۸ تا ۲۰۲) (۹) امام محمد بن سعد کہتے ہیں واقدی مغازی سیر اور فتوح واحکام اور لوگوں کے اخلاق سے متعلق (خوب) علم رکھنے والے تھے (تاریخ الاسلام ذہبی) (۱۰) محمد بن سلام جمحی کہتے ہیں واقدی اپنے زمانے کا عالم تھا (سیر اعلام النبلاء) (۱۱) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (گو) اُس کے ضعف پر اجماع ہو گیا [مگر اجماع کا دعوی درست نہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، قواعد فی علوم الحدیث] (لیکن) اُس کی سب سے عمدہ وہ روایات ہیں جو ابن سعد نے طبقات میں اُس سے لی ہیں کیوں کہ ابن سعد اُس کی روایتوں میں سے بعض کو منتخب کرتے تھے (تاریخ الاسلام ۱۴/۱۹۹) اور فرماتے ہیں **مع ضعفه يكتب حديثه و يروى لانى لااتهمه بالوضع (سير اعلام النبلاء ۸/۱۶۵)** باوجودیکہ ضعیف ہے اُس کی حدیث لکھی جائے اور روایت کی جائے کیوں کہ میں اُس کو وضع (گھڑنے) سے متہم نہیں سمجھتا، اور فرماتے ہیں **والواقدى وان كان لانزاع فى ضعفه فهو صادق اللسان كبير القدر** اگر چہ واقدی کے ضعیف ہونے میں اختلاف نہیں لیکن وہ زبان کا سچا اور اونچے درجے کا آدمی ہے، (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۴۲، ترجمہ ابن ابی ذئب)

(۱۲) محمد بن صالح کہتے ہیں کہ جس عورت نے خیبر میں نبی کریم ﷺ کو زہر دی تھی اُس کے متعلق امام مالک سے پوچھا گیا (کہ اُس کا کیا ہوا تھا؟) فرمایا مجھے اُس کا علم نہیں میں اہل علم سے اُس کے متعلق پوچھوں گا، پھر امام مالک رحمہ اللہ امام واقدی سے ملے اور اُن سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے جو علم ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اُس کو قتل کیا، بعد میں امام مالک رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اہل علم (امام واقدی) سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ نے اُس کو قتل کیا تھا (تاریخ بغداد ۳/۲۱۷) (۱۳) ابوبکر صغانی نے واقدی کی احادیث کو حسن بتایا (تاریخ بغداد ۳/۲۱۸) (۱۴) مسیبی سے پوچھا گیا تو فرمایا واقدی ثقہ وقابل اطمینان ہے (۱۵) ابویحیی ازہری (یا زہری) سے پوچھا گیا تو فرمایا ثقہ وقابل اطمینان ہے، (تاریخ بغداد ۳/۲۲۰)

(۱۶) علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ حموی (م ۶۲۶ ھ) فرماتے ہیں واقدی کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف ٹھہرایا جیسے یحیی بن معین، ابوحاتم، نسائی، ابن عدی، ابن راہویہ، دارقطنی، **اما فى اخبار الناس و السير و الفقه و سائر الفنون فهو ثقة باجماع (معجم الادباء ۶/۲۵۹۶)** لیکن لوگوں کی خبروں اور سیر وفقہ اور سب فنون میں تو واقدی بالاجماع ثقہ ہے، (۱۷) عباس العنبری کہتے ہیں واقدی مجھے عبدالرزاق سے زیادہ پسند ہے (عیون الاثر ۱/۲۴) (۱۸) امام ابن کثیر کہتے ہیں واقدی کے پاس بہترین زائد روایات اور زیادہ تر لکھی ہوئی تاریخی باتیں ہیں، وہ اس شان کے بڑے ائمہ میں سے ہے، **وهو صدوق فى نفسه مكثار** اور وہ اپنی ذات میں سچا ہے بکثرت روایات رکھنے والا ہے (البدایہ ۳/۲۳۴، ۲۳۵) (۱۹) احمد بن عبداللہ بن صالح کوفی فرماتے ہیں میں نے واقدی سے بکثرت لکھا ہے اور وہ ثقہ ہے، میں نے اُس سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا، **(جمهرة تراجم الفقهاء المالكية ۳/۱۱۵۹)**

(۲۰) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فان الصحيح فى الواقدى التوثيق قال الشيخ تقى الدين بن دقيق العيدفى الامام جمع شيخناابو الفتح الحافظ فى اول كتابه المغازى و السير اقوال من ضعفه و من وثقه و رجح توثيقه و ذكر الاجوبة عما قيل (قواعدفى علوم الحديث ملحقه مع اعلاء السنن جلد ۱۸ صفحه ۴۲۵ ۹ ط دارالفكر)

واقدی سے متعلق صحیح توثیق (اُس کو ثقہ قرار دینا) ہے، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں ہمارے استاذ ابوالفتح ابن سید الناس نے اپنی مغازی وسیر کی کتاب (عیون الاثر)

میں ضعیف قرار دینے والوں اور ثقہ قرار دینے والوں دونوں کے اقوال ذکر کئے اور واقدی کی توثیق (ثقہ ماننے) کو ترجیح دی ہے اور جو اُس پر اعتراض کئے گئے اُن کے جوابات ذکر کئے ہیں،

صرف فہرست ابن الندیم میں واقدی کا تشیع ذکر کیا گیا ہے، جب کہ علماء اہل سنت میں سے کسی نے اُس پر تشیع کا الزام نہیں لگایا؟

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو نقل کیا گیا کہ واقدی احادیث میں تبدیلیاں کرتا ہے، تو اُس کے متعلق ابراہیم حربی فرماتے ہیں مراد اُس سے یہ ہے کہ ایک حدیث جس کا متن ایک ہوتا ہے اور اُس کی سندیں متعدد راویوں سے ہوتی ہیں تو امام واقدی اُن متعدد سندوں کو اس طرح اکٹھا کرتے ہیں کہ مجھے فلاں وفلاں وفلاں نے حدیث بیان کی پھر اُن کا بیان کردہ وہی ایک متن ذکر کر دیتے ہیں، اور یہ کام تو صرف واقدی نہیں کرتے بلکہ حماد بن سلمہ، ابن شہاب زہری، اور محمد بن اسحاق وغیرہم بھی کرتے ہیں اور اِس میں حرج نہیں ہے (تاریخ دمشق لابن عساکر وغیرہ)

بہر حال واقدی سے متعلق تصویر کا یہ رخ بھی ہے، جس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ علامہ واقدی بالکل گیا گذرا نہیں ہے، اگر ضعیف بھی ہو جیسا کہ کئی محدثین فرماتے ہیں تو بھی اُس کی روایات ضعیف ہی ہوں گی، محض واقدی کی وجہ سے من گھڑت نہیں کہی جا سکتیں، اور ضعیف روایتوں کی تائید صحیح روایات سے ہو تو اُن ضعیف روایتوں کا مضمون بھی صحیح ٹھہرے گا،

حاصل کلام:

ایسی متعدد روایتوں کے سبب، بہت سے محققین مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی، حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے اجازت لے لی تھی، اور فرمایا تھا کہ اگر روضہ مبارکہ میں دفن ہونے سے لوگ رکاوٹ بن جائیں تو مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا، تو جب رکاوٹ پیش آئی تو اُنہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا، بعض کے نام اور حوالے درج ذیل ہیں

(1) امام ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بغدادی (م ۲۳۰ھ) [الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۳۴۰،] (2) امام محمد بن حبان بن احمد بن حبان تمیمی (م ۳۵۴) [الثقات ۳/۶۷] (3) علامہ ابن عبد البر مالکی (م ۴۶۳ھ) [الاستیعاب ۱/۳۸۳] (4) امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) [تاریخ دمشق ۱۳/۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹] (5) امام علی بن ابی الکرم محمد بن محمد، ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) [الکامل فی التاریخ لابن اثیر ۳/۵۸، اسد الغابۃ ۲/۱۳] (6) امام ابو المظفر یوسف، سبط ابن الجوزی (م ۶۵۴ھ) [مرآۃ الزمان فی تواریخ الاعیان ۷/۱۲۷] (7) امام ابن خلکان احمد بن محمد بن ابراہیم برمکی (م ۶۸۱ھ) [وفیات الاعیان ۲/۶۷] (8) علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (م ۷۴۸ھ) [تاریخ الاسلام ۴/۴۰، سیر اعلام النبلاء ۳/۲۷۵] (9) امام ابن کثیر اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) [البدایہ والنہایہ ۸/۴۴] (10) امام یوسف بن عبد الرحمٰن بن یوسف ابو الحجاج المزی (م ۷۴۲ھ) [تہذیب الکمال ۶/۲۵۴] (11) علامہ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ البکجری الحنفی (م ۷۶۲ھ) [التراجم الساقطۃ من کتاب اکمال تہذیب الکمال ۱/۹۶] (12) علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک بن عبد اللہ صفدی (م ۷۶۴ھ) [الوافی بالوفیات ۱۲/۶۸] (13) علامہ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) [تہذیب التہذیب ۲/۳۰۰] (14) علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (م ۹۰۲ھ) [التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ ۱/۲۸۲] (15) علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) [تاریخ الخلفاء ص ۱۴۴] (16) علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ قسطنطینی حاجی خلیفہ کاتب چلپی (م ۱۰۶۷ھ) [سلم الوصول الی طبقات الفحول ۲/۳۱] (17) عبد الملک بن حسین بن عبد الملک لعصامی المکی (م ۱۱۱۱ھ) [**سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی** ۳/۱۰۳] (18) علامہ علی بن عبد اللہ سمہودی (م ۹۱۱ھ) [خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ ۲/۳۷۸)

ایک اشکال:

رہا یہ اشکال کہ مروان تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ اور تدفین کے انتظامات میں بھی شریک تھے، جنازے کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے تو جس کی طرف سے ہمدردی کا اتنا اظہار ہو وہ روضہ مبارکہ میں دفن سے کیسے رکاوٹ بن سکتے تھے؟ چنانچہ امام ابن سعد اپنی سند سے جویریہ بن اسماء سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے لوگوں نے اُس کا جنازہ نکالا تو مروان نے اُن کی چارپائی اٹھائی، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اُن کی چارپائی اٹھاتے ہو حالاں کہ آپ اُنہیں غصے کے گھونٹ پلاتے رہتے تھے؟ مروان نے کہا میں یہ معاملہ ایسے شخص سے کرتا تھا جس کا حلم (برداشت) پہاڑوں کے برابر ہوتا تھا (**الطبقات الکبری ۱/۳۵۴ رقم ۳۱۸**)

جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام ابن سعد علی بن محمد سے اور وہ جویریہ بن اسماء سے روایت کرتے ہیں، علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف مدائنی ثقہ و مستند مؤرخ ہے، سنہ ۲۲۴ھ یا ۲۲۵ھ میں فوت ہوئے، اور راوی جویریہ بن اسماء بن عبید بصری بھی ثقہ ہے، سنہ ۱۷۳ھ میں فوت ہوئے، مگر چوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے، اور اُس وقت جویریہ بن اسماء پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس لئے سند منقطع ہے اِتنی روایات کے مقابلہ میں وزن نہیں رکھتی، اور اگر اِس روایت کی کوئی حیثیت مان لی جائے تو ممکن

ہے کہ مروان کے دونوں عمل ہوں کہ روضہ مبارکہ میں دفن سے رکاوٹ بھی بنااور جنازہ کی چارپائی بھی اٹھالی، اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی کسی شخص کو اچھی طرح کئی مُکے لگادے اور پھر جس جگہ مارا ہواُس کو مَلنے لگے کہ او ہو آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی، جیسے جناب عالی اکابرین کا احترام بھی کرتے ہیں اور ناقدین و گستاخانِ صحابہ کی فہرستیں تیار کرتے وقت اکابرین کو بھی گستاخان میں درج کرتے ہیں اور ماشاءاللہ اُن کے احترام میں بھی ذرا فرق نہیں آنے دیتے،

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث کلاب حوأب اور قاضی طاہر علی پر ایک نظر

افادات از: حضرت مولانا مجیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ

وٹسپ پر مضمون لینے کیلئے رابطہ کریں:

محمد عمر فاروق ڈیروی: مدرس دار العلوم الاسلامیہ ماہڑہ: 0342-6624427

ناشر : المكتبة العلمية الاشرفية

مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

مضمون: ——————— حدیث کلاب حوأب اور قاضی طاہر علی پر ایک نظر

ناشر: ——————— المكتبة العلمية الاشرفية مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ

کمپوزنگ: ——————— المكتبة العلمية الاشرفية

سیٹنگ: ——————— محمد عمر فاروق ڈیروی دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدناسيدالمرسلين وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وعلى من تبعهم باحسان الىٰ يوم الدين ،امابعد:

اس جدید دور میں محققین دنیا نئی نئی تحقیقات اور ریسرچ میں مصروف ہیں ایسے محققین نے جس طرح دنیاوی چیزوں میں جدید تحقیق شروع کی دینی احکام اور معلومات کو بھی اپنی تحقیق کے لئے تختہ مشق بنایا، تحقیق اور ریسرچ سے کوئی منع نہیں کرتا یہ بری چیز نہیں اچھی چیز ہے مگر اس تحقیق میں اتنا آگے چلا جانا کہ اسلاف صالحین اور محدثین، متکلمین اور مفسرین وغیرہم رحمہم اللہ کی کی ہوئی تحقیقات میں غلطی نکالنا اور ان کے بیان کردہ نظریات پر نکتہ چینی اسلاف بیزاری کی خطرناک سڑک ہے، اس سڑک پر سب سے پہلے منافقین اور عبداللہ بن سبا کا گروہ چلا اور انہی نے اس سڑک کو شاہراہ بنایا، پھر ان کے پیچھے خارجی ،معتزلہ،قدریہ، جبریہ وغیرہ گروہ چلے ،اہل سنت نہ اس راہ پر چلے ، نہ اس راہ پر چلنے والوں کی تائید کی ، بلکہ چلنے والے لوگوں کو اس راہ سے ہٹانے کی خوب کوشش کی ، چلنے والوں کے شبہات

دور کرنے کی محنت کر کے سیدھے راہ پر چلنے کی ترغیب دی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی ہدایات یہی تھیں،

فانہٗ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کلَّ محدثۃ بدعۃٍ وکلَّ بدعۃٍ ضلالۃ

بیشک تم میں سے جو میرے بعد زندگی گذارے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو تم پر لازم ہے میرے راستہ پر اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے راستہ پر چلنا اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو دانتوں سے خوب پکڑ لو، اور نئی باتوں سے بچو کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے،

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم،

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے جس کے پیچھے چلو گے صحیح راہ پر چلتے رہو گے ،

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر

میرے بعد جو دو حضرات ہوں گے یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے چلتے رہنا،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا

من استنَّ منکم فلیستنِّ بمن قدماتَ فانَّ الحیَّ لاتؤمن علیہ الفتنۃ اولائک اصحاب محمد ﷺ

تم میں سے جو شخص کسی راہ پر چلنا چاہے تو وہ فوت شدہ اکابرین کے راستے پر چلے کیوں کہ زندہ شخص سے متعلق فتنہ سے امن نہیں، وہ (جن کے راستہ پر چلنے کا کہہ رہا ہوں) نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم،

اسلاف کو برا کہنے اور تنقید کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا

لاتسُبُّوا اصحابی فواللہ لو انَّ احدکم ان انفق مثل اُحدٍ ذھباً مابلغ مُدّ احدھم و لانصیفہٗ

میرے صحابہ کی برائی نہ کرنا، اللہ کی قسم اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کر دے وہ ان حضرات کے ایک مد یا آدھا مد خرچ کرنے کے ثواب کو نہیں پہنچ سکے گا،

اذا رئیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علیٰ شرکم ،

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کی برائی کریں کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر،

ان احادیث میں بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ہدایات ہیں مگر یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اسلاف جن پر تنقید درست نہیں وہ صرف صحابہ کرام ہیں بلکہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہم ہم سے پہلے گذرنے والے اہل حق ہمارے اسلاف ہیں،

اذافعلت امتی خمسة عشرة خصلةً حل بهاالبلاء اذاكان المغنم دُولاً والامانة مغنماًوالزكوة مغرماًواطاع الرجل زوجتهٗ وعق امهٗ وبر صديقهٗ وجفااباهٗ وارتفعت الاصوات فى المساجدوكان زعيم القوم ارذلهم واُكرِم الرجل مخافةَ شرهٖ وشربت الخمورولبس الحرير واتخذت القينات والمعازف ولَعَنَ آخِرهٰذه الامة اولُهافليرتقبواعندذالك ريحاًحمراءَ اوخسفاًاومسخاً(الجامع الصغير ۴۷۷ت عن علی ،ض)

جب میری امت پندرہ کام کرے گی ان پر مصائب اتریں گے، جب مشترک مال (چندلوگوں میں) گھومنے لگے گا اورامانت غنیمت سمجھ لی جائے گی اورزکوۃ تاوان سمجھی جائے گی اورآدمی اپنی بیوی کا کہا مانکر ماں کوستائے گا، دوست سے حسن سلوک اور باپ سے بدسلوکی کرے گا، اورمسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی ،اورقوم کا سردار گھٹیا ترین آدمی ہوگا، اورآدمی کی عزت اس کے شر کے ڈر سے کی جائے گی اورشرابیں پی جائیں گی ،اورریشم پہنا جائے گا اورگانے والی عورتیں اورگانے باجے کے آلات رکھے جائیں گے اوراس امت کے بعدوالے پہلے والوں پر لعنتیں کریں گے تب سرخ آندھیوں یازمین میں دھنسنے یاشکلیں بدلنے کی انتظار کریں،

اس حدیث میں اسلاف میں پہلے سب اہل حق اکابرین کا ذکر آیا اوران پر لعنتوں اورتنقید پر مختلف قسم کے عذاب آنے کی وعیدذکر ہوئی ہے، اس لئے اخلاف کے لئے اسلاف پر تنقیداوران کو برا کہنا جائز نہیں ہے، ائمہ مجتہدین سے اختلاف کرنا گو جائز ہو مگر اس کے لئے ان کا ہم پلہ ہونا تو انصاف کی بات ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف کرنا تو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے جیسے غیر مقلدوں نے یہ رسم نکالی ہے کہ صحابہ کرام کے اجماعی مسائل وعقائد تک سے متعلق یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ان کی بات بھی قرأن وسنت کے خلاف ہوسکتی ہے، **لاحول ولاقوة الاباللہ**، یہ درست ہے کہ صحابہ کرام فرداً فرداً معصوم نہیں ہیں اوران کو فرداً فرداً معصوم سمجھنا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے کہ اہل سنت کے نزدیک معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، مگر بطور جماعت صحابہ کرام معصوم ہیں یعنی جس عقیدے اورمسئلہ میں ان کا عملی یا قولی یا تقریری اجماع ہو اس کے خلاف کرنا اوراس کو قرأن وسنت کے خلاف

کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، بات ذرا لمبی ہوگئی مگر مفید ہے، بالخصوص جس غرض کے لئے قلم اٹھایا وہ یہ ہے کہ ایسے نئے محققین میں سے ایک شخصیت پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی صاحب کی بھی ہے، ان کی کئی کتابیں ایک ساتھی کے ذریعہ مطالعہ کو ملیں، ان کی تحریر سے ان کا جو جذبہ معلوم ہوتا ہے یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی بھی شخصیت کے خلاف لکھی جانے والی تحریر کے خلاف قلم اٹھا کر صحابہ کے خلاف اٹھنے والے اعتراض کا خاتمہ کر دینا، یہ بہت اچھا جذبہ ہے، اس کی قدر کی جانی چاہیئے، مگر اس جذبہ کے نتیجہ میں ان کے قلم میں جو سختی آئی ہے اس کی اصلاح ضروری معلوم ہوتی ہے، ٹھیک ہے کہ قاضی صاحب بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کا معنیٰ یہ تو نہیں کہ وہ اس گھمنڈ میں آجائیں کہ سارا علم اور بزرگی تو ہمارے گھر ہے اور جو بھی ہماری رائے کے خلاف رائے رکھے اس کے خلاف قلم اٹھا کر اس کی رائے پر یوں تنقید شروع کر دینا کہ اس تنقید کو دیکھ کر شیعہ کو موقع ملے کہ جی اگر ہم صحابہ کرام کے گستاخ ہیں تو تمہارے مولوی عالم بھی گستاخ ہیں، اہل بدعت اور غیر مقلد بھی وہ کتاب لے کر علماء دیوبند کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیں کہ تمہارے قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ فلاں دیوبندی عالم نے فلاں صحابی کی گستاخی کی ہے، **استغفر الله**، یہ طرز خطرناک ہے، قاضی صاحب کا قلم اسی طرز پر چلتا نظر آتا ہے، اپنی کتابوں میں مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم وغیرہم کے خلاف انتہائی سخت قلم چلایا اور سخت بدگمانیاں کی ہیں جیسے کسی شیعہ اور بدعتی کے خلاف لکھ رہے ہوں، کوئی غلطی نظر آئے اس کی صحیح توجیہ کریں، مگر ان حضرات کو گستاخان صحابہ کی فہرست میں تو درج نہ کریں، تاکہ کہیں کوئی ایجنسی علماء دیوبند کے خلاف طعن و تشنیع میں اور ان پر سے اعتماد اٹھوانے کے لئے بطور آلہ کار استعمال نہ کرے، قاضی صاحب نے بدگمانی کا جو سبق دیا اس سے ہمیں یہی وہم ہونے لگا ہے کہ اس آڑ میں کوئی ان کو استعمال تو نہیں کر رہا؟ اللہ کرے ایسا نہ ہو،

قاضی صاحب کئی باتوں میں ان اکابرین کی غلطی ہونے پر مصر ہیں، ان حضرات کی تحقیق پر اعتماد نہیں کرتے، بیشک یہ بات کہنے میں ہم بھی قاضی صاحب کے ساتھ ہیں کہ اِن موجودہ اکابرین اہل علم کو ہر تحریر و تقریر کے لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ بات کی تحقیق کر کے لکھنا اور بولنا چاہیئے کیوں کہ عوام کالانعام ان حضرات کی بات پورے اعتماد سے لیتے ہیں اس لئے کچھ کہنے لکھنے سے پہلے خوب تحقیق کریں،

ہاں مگر کئی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن پر قاضی صاحب کا اصرار غلط معلوم ہوتا ہے، مثلاً حدیث کلاب حوأب کے

بارے میں قاضی صاحب نے ایک نہیں دو کتابیں لکھ ماریں نا معلوم ان کے پاس وقت اور پیسہ فالتو ہے؟ اگر ہاں تو ان کو چاہیئے کہ اہل باطل کی کتابوں کے جواب میں کتابیں تحریر کریں، اور غرباء مساکین، طلباء کی پیسہ کے ذریعے خوب مدد کریں، اور اجر و ثواب کمائیں، اور اگر کسی اہل حق کی غلطی کی نشان دہی کریں تو اول ان کو صرف خط لکھیں اور مختصر مگر جامع مانع لکھیں کہ علماء کے اوقات اتنے فارغ نہیں، اور احقاق حق کر کے خاموش ہو جائیں، یا براہ راست مل لیں، راقم چھوٹا مدرس ہے میرا وقت بھی اتنا فارغ نہیں ہے مگر اس خیال سے قلم اٹھالیا کہ شاید قاضی صاحب تک اپنی معلومات پہنچانے سے اصلاح ہو جائے،

قاضی صاحب روایت پر تبصرے کرتے وقت اتنا احادیث کے پیچھے نہیں چلتے جتنا درایت کے پیچھے چلتے ہیں، اس لئے کسی روایت کو رد کرنے کے لئے جتنا تبصرہ عقل ودرایت کی صورت میں کرتے ہیں اتنا سند و اسلاف کی تحقیق کی صورت میں نہیں کرتے، ہماری عقل اور درایت ہے ہی کتنی کہ روایت کی صحت وضعف کے لئے اپنی عقل ودرایت معیار بنائیں، اس سے عقل کا ہیضہ نہ پیدا ہو جائے جیسے معتزلہ کو یہ بیماری لگی تھی کہ احکام شریعت میں عقل کو فیصل تک مان لیا تھا اس لئے جو عقل نہ مانتی اس کا انکار کر دیتے، اس میں شک نہیں کہ عقل ودرایت سے کام لینے اور اس سے روایت کی حقیقت جاننے کا ایک درجہ ہے مگر فقط درایت سے روایت کی جانچ درست نہیں ہے، بہرحال اسلاف کی تحقیقات کو سامنے رکھنا اور روایات کے بارے ان کے نظریئے اور فیصلے کو دیکھنا بھی شدید نہیں اشد ضروری ہے، منکرین حدیث احادیث طیبہ کو عقل سے پرکھتے ہیں، قرآن پر پرکھنا تو محض نام کا ہے،

علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کے نظریات:

ضمناً عرض کر دوں کہ قاضی صاحب ایک معتزلی و منکرین حدیث کے مزاج کے شخص حبیب الرحمٰن لدھیانوی پر بھی اعتماد رکھتے ہیں اس لئے ان کو علامہ کہہ کر ذکر کرتے ہیں (عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ) یہ کاندھلوی صاحب تو ایصال ثواب وغیرہ جیسے اہل سنت کے عقائد کے بھی منکر ہیں، اس کے خلاف انہوں نے ایک کتاب عقیدہ ایصال ثواب قرآن کریم کی روشنی میں لکھی، جس کو کیپٹن مسعود عثمانی کی جماعت نے ہاتھوں ہاتھ لیا، کاندھلوی صاحب اس کتاب میں لکھتے ہیں

احادیث جتنی ہیں وہ سب ظنی ہیں (عقیدہ ایصال ثواب ص۱۰،۱۱) اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے، اس کے لئے روایات کے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے (ایضاً)

ان کی کتاب مذہبی داستانیں اتنی معتبر کتاب نہیں جتنا قاضی صاحب سمجھے ہوئے ہیں، کاندھلوی صاحب اپنے کو فاضل دارالعلوم دیوبند کہتے تھے مگر مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی تو فاضل دیوبند تھے تو کیا وہ معیار ہیں؟

حدیث کلاب حوأب کی تحقیق:

بہرحال قاضی محمد طاہر علی صاحب ہاشمی نے کئی احادیث کو تحقیق کا نشانہ بنایا ان میں سے ایک حدیث کلاب حوأب ہے، میری عقل ناقص ہے اس لئے اس بارے میں جتنی عقلی ودرایتی باتیں قاضی صاحب نے کی ہیں ان پر زیادہ تبصرہ نہیں کروں گا جتنا مناسب ہوگا اتنا ذکر کروں گا،

قاضی صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے

(۱) جن کتابوں میں یہ حدیث ہے اکثر کا مأخذ مسند احمد ہی ہے، مسند احمد اتنی معتبر کتاب نہیں ہے، (۲) یہ حدیث خبرواحد غریب ہے (۳) اس کے راوی قیس بن ابی حازم میں اوصاف مردودیت موجود ہیں، ضعیف، منکرالحدیث، ساقط الحدیث ہے، اور جس راوی میں اوصاف مردودیت ہوں اس کی حدیث متروک العمل ہوگی (۴) محدثین نے حدیث حوأب کی صحت میں بھی کلام کیا ہے، (۵) حدیث کا دوسرا مأخذ مستدرک حاکم ہے، اس کے راوی بھی قیس ہیں اور حاکم شیعہ ہے (۶) طبری میں یہ روایت بصورت افسانہ صفوان بن قبیصہ احمسی نے عرنی سے بیان کی ہے وغیرہ، اس کے راوی اسماعیل بن موسیٰ، عابس الازرق، ابوخطاب ہجری، صفوان بن قبیصہ احمسی، عرنی ضعیف، مجہول، وغیرہ ہیں (۷) بالفرض روایت صحیح ہو تو اس کا مصداق ام زمل بنت ام قرفہ سلمی ہے،

اب اس بارے میں اصل حقائق ملاحظہ ہوں

حدیث کے مأخذ اور راوی:

قاضی صاحب نے تین مأخذ بیان کئے ہیں، مسند احمد، مستدرک حاکم، اور تاریخ طبری، یہ قاضی صاحب کے مطالعہ کی کمی کو واضح ظاہر کررہا ہے، حدیث کلاب حوأب کے مأخذ صرف یہ تین کتابیں نہیں ہیں، طبری بھی اصل مأخذ ہرگز نہیں ہوسکتی کیوں کہ تاریخ طبری اصل میں حدیث کی کتاب نہیں ہے، حدیث کا مأخذ حدیث کی کتابیں ہوتی ہیں، اس حدیث کا مأخذ کیا ہے؟

(۱) مسند اسحاق بن راہویہ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳) الفتن نعیم بن حماد (۴) مسند احمد (۵) مسند ابویعلی (۶) صحیح ابن حبان (۷) معجم اوسط طبرانی (۸) مستدرک حاکم (۹) الاحادیث

المختارۃ ضیاء مقدسی (۱۰) مسند بزار (۱۱) بیہقی دلائل النبوۃ (۱۲) غریب الحدیث ابراہیم بن اسحاق الحربی (۱۳) شرح مشکل الاثار امام طحاوی وغیرہ،

اب ان مأخذوں کا بھی کچھ تعارف کرانا پڑے گا کیوں کہ لگتا ہے جیسے قاضی صاحب پر منکرین حدیث کا کچھ اثر ہو رہا ہو،

امام ابن ابی شیبۃ:

نام عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ العبسی کوفی رحمہ اللہ ہے، امام سفیان بن عیینہ، اعمش، وکیع، ابراہیم بن اسماعیل ابن علیہ وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابوبکر بن ابی عاصم، بغوی، وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، سنہ ۲۳۵ھ کو فوت ہوئے، امام ابن ابی شیبہ کوفی ہیں مگر قاضی صاحب کو اگر کوفی محدثین سے الرجی ہے تو قاضی صاحب اس الرجی پر صبر کریں اور کوفیوں سے بیزار نہ ہوں ورنہ فقہ حنفی اور امام عاصم کی قرأت والے قرأنوں سے بھی بیزار ہو جائیں، یہ خوامخواہ کی غلط فہمی ہے کہ غیر مقلدوں کی طرح کوفی راویوں سے کنارہ کریں، بڑے بڑے اصحاب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ میں آ گئے تھے اور ان کے شاگرد کوفی تھے، تو ہر کوفی قابل رد نہیں ہے، ان کی مصنف ابن ابی شیبہ متعدد مطابع سے شائع ہوئی ہے، پاکستان میں طیب اکیڈمی ملتان نے اور مکتبہ امدادیہ نے شائع کی راقم کے پاس طیب اکیڈمی کی مصنف نو جلدوں میں ہے، ریاض سعودیہ سے مکتبۃ الرشد نے سات جلدوں میں شائع کی ہے،

امام ابراہیم بن اسحاق الحربی:

امام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بغدادی بہت بڑے محدث ہیں سنہ ۱۹۸ھ کو پیدائش ہوئی سنہ ۲۸۵ھ کو وفات پائی، امام احمد، ابونعیم، مسدد، علی بن الجعد، ابن ابی شیبہ وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے محدثین ابن صاعد، ابوبکر قطیعی، ابوبکر شافعی وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، امام ذہبی ان کو **الامام، الحافظ شیخ الاسلام** کہتے ہیں، ان کی کتاب غریب الحدیث ہے، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے سنہ ۱۴۰۵ھ کو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، کتاب کے نام میں لفظ غریب سے دھوکہ نہ لگے کہ انہوں نے اس میں غریب حدیثیں لکھی ہیں یعنی جن کی صرف ایک سند ہوتی ہے، بلکہ اپنی سند سے احادیث تحریر کرتے ہوئے مشکل الفاظ کے معانی بتاتے ہیں، اس لئے اس کو غریب الحدیث کا نام دیا یعنی حدیث کے مشکل الفاظ (کا حل)

امام اسحاق بن راہویہ:

'یہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم حنظلی مروزی خراسانی رحمہ اللہ ہیں، سنہ ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے، امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق بن ہمام، فضل بن دکین، وکیع بن جراح، عبداللہ بن مبارک، وغیرہم کے شاگرد ہیں، تہذیب التہذیب میں ان کے متعلق دوصفحہ کا ترجمہ ہے، کسی محدث نے ان پر کلام نہیں کیا، امام اسحاق نے مسند تحریر فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ پایا گیا، مدینہ منورہ مکتبۃ الایمان سے سنہ ۱۴۱۲ھ کو پانچ جلد اور دارالکتاب العربی سے سنہ ۲۰۰۲ء، ۱۴۲۳ھ کو ایک جلد شائع ہوئی،

امام نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحارث مروزی:

امام نعیم بن حماد خزاعی مروزی مصری سنہ ۲۲۸ھ کو فوت ہوئے، امام عبداللہ بن مبارک اور ہشیم، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کے شاگردوں میں سے امام بخاری ہیں، امام ذہبی نے الامام الشہیر سے ذکر کیا ہے، کئی محدثین نے ان کی ثقاہت کو بیان کیا، بعض نے جرح بھی کی ہے، مگر بالکل گئے گذرے محدث نہیں ہیں، اپنے دور کے فتنوں نے بھی ان کو مجروح کیا ہے، ان کی کتاب الفتن مکتبۃ التوحید قاہرہ سے دوجلد میں سنہ ۱۴۱۲ھ کو شائع ہوئی،

امام ضیاء الدین المقدسی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن السعدی المقدسی دمشقی صالحی حنبلی ہیں، سنہ ۵۶۹ھ کو پیدا ہوئے، سنہ ۶۴۳ھ کو فوت ہوئے، امام ذہبی ان کو **الفقیہ الحافظ** لکھتے ہیں، سب محدثین نے ان کی بہت تعریف کی ہے، اگر چہ یہ زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہیں مگر ان کا مقام اتنا ہے کہ محدثین نے ان کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے، انہوں نے احادیث صحیحہ پر کتاب **الاحادیث المختارۃ** یا **المستخرج من الاحادیث المختارۃ مما لم یخرجہ البخاری ومسلم فی صحیحہما** لکھی یہ تیرہ جلدوں میں دار خضر بیروت لبنان سے طبع ہوئی ہے، بخاری مسلم کی احادیث کی طرح کی صحیح احادیث اپنی سند سے درج کی ہیں،

امام ابن حبان بستی:

یہ امام ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد ــــــــ تمیمی بستی ہیں سنہ ۳۵۴ھ کو فوت ہوئے، امام نسائی، ابویعلی موصلی

،ابن خزیمہ وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد اور امام حاکم اور ابو عبداللہ بن مندہ کئی محدثین کے استاذ ہیں، ان کے استاذ امام ابن خزیمہ نے اپنے علم کے مطابق احادیث صحیحہ کا ایک ذخیرہ اکٹھا کرنے کے لئے کتاب لکھی جو **الصحیح لابن خزیمة** سے مشہور ہے، شاگرد نے بھی استاذ کی اتباع میں صحیح احادیث کے جمع کرنے کے لئے کتاب لکھی جو صحیح ابن حبان سے مشہور ہے، اس کتاب کا نام **التقاسیم والانواع** بھی ذکر ہوتا ہے اور **المسند الصحیح** بھی ذکر کیا جاتا ہے، امام علاء الدین علی بن بلبان مصری حنفی (م ۷۳۹ھ) نے کتاب کو ابواب کی ترتیب پر تحریر کیا ہے جس کا نام **الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان** ہے، یہ استاذ اور شاگرد اپنی ان کتابوں میں جو احادیث ذکر کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہیں،

امام احمد بن عمرو بزار:

یہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار ہیں سنہ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے سنہ ۲۹۲ھ کو فوت ہوئے ، امام ہدبہ بن خالد، عبدالاعلی بن حماد، حسن بن علی بن راشد وغیرہم کے شاگرد اور امام ابوالشیخ ، ابوبکر ختلی ، عبدالباقی بن قانع وغیرہم جیسے محدثین کے استاذ ہیں، انہوں نے اپنی احادیث کا مجموعہ لکھا، جس کا نام **البحر الزخار** ہے، **مسند البزار** کے نام سے مشہور ہے،

امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی:

یہ امام احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال شیبانی مروزی بغدادی رحمہ اللہ ہیں، سنہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے، چار بڑے ائمہ فقہاء میں سے ایک ہیں، امام سفیان بن عیینہ، ہشیم وغیرہما بڑے محدثین ان کے استاذ ہیں ،اور بخاری ، مسلم، ابوداؤد۔ ابوزرعہ، بغوی ، وغیرہ ان کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کے متعلق زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، ان کی بہت سے کتابوں میں سے اس حدیث کا مأخذ مسند ہے، مسند امام احمد کا بہت سا حصہ امام احمد بن حنبل کا اپنا ہی ہے ، مسند احمد کی ترتیب کے دوران وفات ہوئی تو ان کے بیٹے امام عبداللہ بن احمد اور ابوبکر قطیعی نے مسند میں کچھ اضافے کئے ، محققین کا کہنا ہے کہ اس میں درج امام احمد کی مرویات میں ضعف نہیں ہے، ان کے بیٹے اور شاگرد نے جو حصہ درج کیا اس میں ضعیف روایات شامل ہوگئیں، مگر وہ امام احمد کی مرویات نہیں ہیں بلکہ بیٹے اور شاگرد نے اپنے مشائخ سے منقول روایات درج کیں، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد** میں ان روایات پر بحث فرمائی ہے، مگر حدیث کلاب حوأب کو ان میں درج نہیں

فرمایا،

امام حاکم نیشاپوری:

یہ امام محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ الضبی نیشاپوری ہیں، نیشاپور میں سنہ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے، امام ابوبکر نجاد، وغیرہ اساتذہ میں ہیں، امام دارقطنی، ابوبکر بیہقی، ابن حزم، محمد بن عبداللہ اصبہانی، ابوبکر قفال، ابوالقاسم قشیری وغیرہ ان کے شاگردوں میں ہیں، انہوں نے کتاب لکھی **المستدرک علی الصحیحین** جس میں امام بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح احادیث کا انتخاب کر کے ان کا مجموعہ امت کو دینا تھا، امام حاکم اور ان کی اس کتاب سے متعلق کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو آگے ذکر ہوگی انشاء اللہ،

امام احمد بن الحسین بیہقی:

یہ امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ بیہقی خراسانی ہے سنہ ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۴۵۸ھ کو فوت ہوئے، امام ابوبکر بن فورک، امام حاکم، ابوعبدالرحمٰن سلمی، وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک ہمارا ماٰخذ دلائل النبوۃ ہے، دارالکتب العلمیہ بیروت سے سات جلدوں میں طبع ہوئی، مگر چوں کہ امام بیہقی امام حاکم کے شاگرد ہیں اس لئے امام بیہقی کا ماٰخذ امام حاکم ہیں، مگر یہ نہیں کہ امام بیہقی نے مستدرک سے حدیث نقل کی ہے بلکہ خود امام حاکم سے سن کر بیان فرمائی ہے،

امام ابویعلیٰ موصلی:

یہ امام ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ موصلی ہیں، سنہ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۰۷ھ میں فوت ہوئے، امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب، ابن ابی شیبہ، یحیی بن معین، خلیفہ بن خیاط، احمد بن منیع رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، امام نسائی، ابن حبان، طبرانی، وغیرہم رحمہم اللہ جیسے محدثین آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، محدثین میں سے یہ عظیم محدث حنفی ہے، ان کی حدیث نبوی میں بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سے ہمارا ماٰخذ مسند ہے، اس کو مسند صغیر کہتے ہیں مگر دنیا میں اس کی چھ جلدیں فی الحال شائع ہوئیں، جو ناقص ہے، دارالکتب العلمیہ بیروت کی مطبوعہ ہمارے سامنے ہے،

امام سلیمان بن احمد طبرانی:

یہ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی طبرانی ہیں، سنہ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۶۰ھ میں وفات پائی، امام نسائی اور طحاوی وغیرہم جیسے سینکڑوں محدثین کے شاگرد ہیں، اور امام ابوالشیخ، ابوبکر بن مردویہ، ابونعیم اصبہانی، وغیرہم رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، امام طبرانی کی بہت سی اور بڑی بڑی کتابیں ہیں، معجم صغیر، معجم اوسط، معجم کبیر مشہور ہیں، ہمارا مأخذ معجم اوسط ہے، جو دارالحرمین قاہرہ سے دس جلدوں میں طبع ہوئی،

امام طحاوی حنفی:

یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ حنفی ہیں، امام ذہبی نے ان کو **امام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة** سے ذکر کیا ہے، ڈیڑھ صفحہ میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے محدثین سے ان کی تعریف ذکر فرمائی ہے، (تذکرۃ الحفاظ) ان کی کتاب شرح مشکل الآثار ہے، جو مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے ۱۶ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، یہ تو حدیث کلاب حوأب کے مأخذ ہیں،

حدیث کلاب حوأب کی تحقیق میں قاضی صاحب کے اکابر:

قاضی صاحب نے حدیث کلاب حوأب پر عدم اعتماد کے لئے جن کا سہارا لیا، ان میں ایک حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ہے کہ وہ کہتے ہیں

یہ روایت سراسر غلط اور موضوع ہے (حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟ ص ۳۳ بحوالہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار ص ۲۹۰)

دوسرا بزرگ مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب ہے کہ وہ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں

اس واقعہ کی بنیاد ایک وضعی جعلی اور من گھڑت حدیث ہے، ایسے ہی جیسے ہمارے ذخیرہ حدیث میں بہت سی غلط روایات عجمی سازش کے سبب داخل ہوگئیں (مصداق کون؟ ۵۷، بحوالہ خلفائے راشدین حسن کردار وعمل ص ۴۶۹ برحاشیہ)

علوی صاحب شاید منکرین حدیث سے متاثر ہیں کہ ان کی بولی بولتے ہیں کہ ذخیرہ حدیث پر عجمی سازش اثر کرگئی کہ کئی غلط روایات ذخیرہ حدیث میں داخل ہوگئیں، ہمارے اسلاف نے حدیث کی تحقیقات میں اتنی محنت کی ہے کہ کوئی بندہ اب صحیح ثابت احادیث نبویہ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا، گویا روٹی پکا کر ہمیں کھانے کو پیش کردی ہے کہ لو کھاؤ،

علوی صاحب ہوں یا سیالکوٹی ان لوگوں کی حیثیت بھی قاضی صاحب جیسے محقق جیسی ہے، کیا یہ لوگ آئندہ

ذکر ہونے والے بڑے بڑے محققین کے مقابلے میں کوئی حیثیت رکھتے ہیں؟ کیا علم حدیث وعلم اسماء الرجال میں اِن لوگوں کی مہارت مسلّم ہے؟ ہرگز نہیں، اِن پر زیادہ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اب ہم حدیث کی اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے بحث کرتے ہیں،

حدیث کلاب حوأب کے راوی:

اب دوسری بات یہ کہ اس حدیث کے راوی کتنے ہیں؟ قاضی صاحب ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیچارے کو رگڑے دے رہے ہیں، اکیلا یہ بیچارہ کیوں مجروح ہو رہا ہے، راقم کے مطالعہ میں یہ آیا کہ حدیث کلاب حوأب کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین صحابہ ہیں (۱) خود حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا (۲) حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۳) حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دو حضرات کے حوالے براہ راست اصل کتابوں سے راقم کے سامنے ہیں، تیسرے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بالواسطہ معلوم ہوئی ہے، ہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل راوی دو ہیں اور اِن دو میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ہیں،

حدیث کلاب حوأب اور اس کا متن:

حدیث کلاب حوأب کے متن دو ہیں، ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے، دوسرا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا یا قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ایتکن صاحبة الجمل الادبب یُقتَلُ حولیھاقتلی کثیرة تنجوبعدماکادت (ابن ابی شیبه)

تم میں سے بکثرت بالوں والے اونٹ والی کون ہوگی جس کے آس پاس بہت سے آدمی قتل ہوں گے، پھسلنے کے قریب ہوکر (یا لڑنے کے بعد) بچ جائے گی،

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یا قیس کی روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنو عامر کے کسی پانی کے پاس سے رات کو گذریں تو ان پر کتے بھونکنے لگے، تو پوچھا یہ کونسا پانی ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ حوأب کا پانی ہے، تو ٹھہر گئیں اور کہنے لگی، میں خیال کرتی ہوں کہ لوٹ جاؤں، تو حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ٹھہریں، اللہ آپ پر رحم کرے نہیں بلکہ آگے چلیں تو آپ کو مسلمان دیکھیں گے تو اللہ تعالی ان میں صلح کی صورت پیدا کر دے گا، فرمایا میں تو خیال کرتی ہوں کہ لوٹ جاؤں، بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا

قال لناذات یوم کیف باحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب (ابن ابی شیبه)

ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیسے حال ہوگا تم بیویوں میں سے ایک کے ساتھ کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے،

اب اس حدیث کی سندوں کی صورت حال بھی واضح ہو،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی سند:

اول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی سند کیا ہے؟ تو سنیئے:

(۱) امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثنا محمد بن عثمان بن کرامة ثنا عبیداللہ بن موسیٰ عن عصام بن قدامة البجلی عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال رسول اللہ ﷺ،

(۲) امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اخبرنا ابو اسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذہ وغیرہ ان زاھر بن طاھر الشحامی اخبرھم انبأ احمد بن منصور المغربی ثنا محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمة انبأ جدی محمد بن اسحاق بن خزیمة ثنا نصر بن علی انبأ عبداللہ بن داؤد عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما،

(۳) امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں

حدثنا وکیع عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال رسول اللہ ﷺ

(۴) امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حدثنا فھد بن سلیمان حدثنا ابو نعیم حدثنا عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ ﷺ قال لنسائه

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد صرف حضرت عکرمہ رحمہ اللہ ہیں، ان سے روایت کرنے والے صرف عصامہ بن قدامہ بجلی ہیں، مگر عصامہ سے روایت کرنے والے

چار ہیں عبداللہ بن داؤد اور عبیداللہ بن موسیٰ اور امام وکیع اور ابونعیم رحمہم اللہ،اس کے بعد عبیداللہ سے راوی محمد بن عثمان بن کرامہ اور عبداللہ سے راوی امام ابن خزیمہ ہیں ،پھر محمد بن عثمان بن کرامہ سے روایت کرنے والے امام بزار ہیں ،اورامام وکیع سے روایت کرنے والے امام ابن ابی شیبہ ہیں ،ابونعیم سے روایت کرنے والے فھد بن سلیمان اور فھد سے راوی امام طحاوی ہیں، یہاں سے آگے کی سند پر زیادہ غور کی ضرورت نہیں ،اور صرف یہ دیکھیں کہ قاضی صاحب کے بیان کردہ مجروح راویوں میں سے کوئی راوی موجود نہیں ہے، یہ آگے ذکر کریں گے کہ جو راوی موجود ہیں ان میں کوئی مجروح تو نہیں ہے؟ یا کیا سب ثقہ ہیں؟

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی سند:

دوم: اب حضرت ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی سند پر غور کریں:

(۱) امام نعیم بن حماد فرماتے ہیں

حدثنا یزیدبن ھارون عن ابن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم عن عائشة رضی اللہ عنھاعن النبی ﷺ انه قال لازواجه...الخ

(۲) امام ابراہیم بن اسحاق حربی فرماتے ہیں

حدثنا ابن نمیر حدثنا عبدة عن اسماعیل عن قیس عن عائشة ان النبی ﷺ قال لازواجه....

امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں

حدثنا ابو اسامة قال حدثنا اسماعیل عن قیس قال وفیه قالت مااظننی الاراجعةً انی سمعت رسولَ اللہ ﷺ قال لناذات یوم الحدیث ،

(۳) امام ابن حبان فرماتے ہیں

اخبرنا عمران بن موسیٰ بن مجاشع قال حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال حدثنا وکیع وعلی بن مسھر عن اسماعیل عن قیس ...وفیه قالت ماظننی الاراجعة انی سمعتُ رسولَ اللہ ﷺ یقول ...الحدیث

(۴) امام ابویعلی فرماتے ہیں

حدثنا عبدالرحمن بن صالح حدثنا محمدبن فضیل عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن

ابی حازم قال مرت عائشة ...وفیه قالت ردونی سمعت رسولَ الله ﷺیقول الحدیث ،

(۵)امام احمد بن حنبل خود فرماتے ہیں

حدثنایحیی عن اسماعیل حدثناقیس قال ...وفیه قالت ان رسول الله ﷺقال لهاذات یوم ....الحدیث ،

حدثنامحمدبن جعفرحدثناشعبة عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ان عائشة .....قالت ماظننی الاراجعة ان رسولَ الله ﷺقال لنا.....الحدیث

(۶)امام حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں

حدثناابوعبدالله محمدبن یعقوب الحافظ ثنامحمدبن عبدالوهاب العبدی ثنایعلی بن عبیدثنااسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال لمابلغت عائشة ....قالت ماظننی الاراجعة سمت رسولَ الله ﷺیقول ....الحدیث ،

(۷)امام سلیمان بن احمد طبرانی فرماتے ہیں

حدثنامحمدبن علی نایزیدبن موهب ثنایحیی بن زکریابن ابی زائدة عن مجالدعن الشعبی عن مسروق عن عائشة قالت ....وفی ذالک الیوم قال لناکیف .....الحدیث

(۸)امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں

اخبرناجریرعن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم قال اقبلت عائشة ...وفیه فقالت ماظننی الاراجعة فانی سمعتُ رسولَ الله ﷺیقول ...الحدیث ،

(۹)امام احمد بن الحسین بیہقی فرماتے ہیں

اخبرناابوعبدالله الحافظ قال سمعتُ اباعبدالله الزبیربن عبدالواحدیقول سمعتُ عبدان الاهوازی یقول حدثناعمروبن العباس حدثنا محمدبن جعفرحدثناشعبة عن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس ان عائشة لمااتت علی الحوأب....وفیه فقالت ماظننی الاراجعةً انی سمعتُ رسولَ الله ﷺقال لنا.....الحدیث ،

اخبرناابوعبدالله الحافظ حدثناابوعبدالله محمدبن یعقوب الشیبانی حدثنامحمدبن

عبدالوهاب العبدی حدثنایعلی بن عبیدحدثنا اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم قال ....قالت ماظننی الاراجعة سمعتُ رسول الله ﷺیقول ..الحدیث ،

(۱۰)امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی (م۹۴۲ھ)اپنی کتاب **سبل الهدیٰ والرشادفی سیرة خیر العباد** میں (ج۱۰ص۱۶۵طبع بیروت)ذکرفرماتے ہیں

وروی ابویعلٰی وابن حبان عن قیس بن ابی حازم عن انس رضی الله عنه قال بلغت عائشة بعض میاه بنی عامر...قالت ماظننی الا راجعة سمعت رسول الله ﷺقال لناذات یومٍ ..الحدیث

ان سب سندوں پرغورفرمائیں کہ یہ روایت حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ براہ راست رسول اللہﷺ سے نقل نہیں کرتے ،کیوں کہ قیس خودصحابی نہیں ہیں اگرچہ ان کے والدحضرت ابوحازم رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ،رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کرنے والی ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں ،حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے بیچارے قیس اکیلےنہیں ہیں بلکہ دویا(امام صالحی کے حوالے کےمطابق) تین راوی ہیں ایک حضرت انس ،دوسرے قیس بن ابی حازم ،تیسرے مسروق ،پھران سے روایت کرنے والاایک ایک راوی ہے،مسروق سے امام شعبی اورانس وقیس سے اسماعیل بن ابی خالد،اورامام شعبی سے روایت کرنے والاتوایک مجالدہےاوران سے بھی ایک یحیی بن زکریابن ابی زائدہ ،اوران سے یزیدبن موھب اوران سے شیخ طبرانی محمد بن علی اوران سے امام طبرانی روایت کرتے ہیں،مگراسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرنے والے یزیدبن ہارون،ابواسامہ ،عبدہ ،امام وکیع ،علی بن مسہر،محمد بن فضیل ،یحیی بن سعید،شعبہ ،جریر،یعلی بن عبیدوغیرہم روایت کرنے والے ہیں ،اوران حضرات سے آگے روایت کرنے والے امام نعیم بن حماد،ابن ابی شیبہ ،امام احمد،عثمان بن ابی شیبہ،ابن نمیر،عبدالرحمٰن بن صالح ،محمد بن جعفر،محمد بن عبدالوہاب العبدی ،امام اسحاق بن راہویہ،وغیرہم ہیں ،اس سے آگے سند پرغورکرنے کی ضرورت نہیں ہے،

اب دونوں روایتوں کے مجموعہ کودیکھیں تونتیجہ یہ نکلے گا کہ دوصحابی راوی ہیں ،اوران دو سے آگے حضرت ابن عباس سے روایت کرنے والا ایک عکرمہ اورام المؤمنین سے روایت کرنے والے تین انس،قیس،مسروق ہیں،کل چارہوئے ،اس طرح حدیث کلاب حوأب اپنے دوسرے دورمیں (تابعین کے دورمیں)خبرواحد سے نکل

کر خبر مشہور میں داخل ہوگئی، تیسرے دور میں تین راوی ہوئے ایک روایت ابن عباس کا اور دوام المؤمنین کی روایت کے، اور چوتھے دور کے راویوں کی تعداد دیکھیں تو مشہور سے اوپر متواتر کے درجہ میں جا پہنچتی ہے، گو متواتر کی اصطلاحی تعریف صادق نہ ہونے کی وجہ سے متواتر نہیں ہے، اس لئے اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا مناسب نہیں، امام ابن عربی اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی تحقیق کے مطابق اس کو ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ دینے کے مکلّف ہیں، اور ہم لوگ اپنے علم کے مطابق فیصلہ دینے کے مکلّف ہیں، ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے، ہمارا یہ فیصلہ **ان یتبعون الاالظن و ان ھم الایخرصون** کا مصداق ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسلاف کی تائیدات وتصدیقات ہمارے فیصلے پر موجود ہیں،

محققین کے فیصلے:

لیجئے ڈھیر سارے محققین کے فیصلے یہ ہیں،

(۱) امام ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ ام المؤمنین (یا کہیں قیس بن ابی حازم) کی حدیث سے متعلق فرماتے ہیں

وھٰذااسنادعلی شرط الشیخین ولم یخرجوہ ، یہ حدیث امام بخاری ومسلم کی شرط پر ہے لیکن اِن ائمہ نے اس کو بیان نہیں کیا (البدایۃ ۲۳۶/۶ طبع داراحیاء التراث العربی بیروت، معجزات النبی ﷺ ۲۹۰/۱)

(۲) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

واخرج ھٰذااحمدوابویعلی والبزاروصححہ ابن حبان والحاکم وسندہٗ علی شرط الصحیح
(فتح الباری ۴۳۸/۱۴ طبع دارالفکر کتاب الفتن)

اس حدیث کو امام احمد وابویعلی وبزار نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی سند صحیح بخاری کی شرط پر ہے،

(۳و۴) امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے اس حدیث پر سکوت کیا اور جس حدیث پر امام حاکم کے ساتھ ذہبی بھی سکوت کریں تو وہ حدیث حسن ہوتی ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فمااقرہ علیہ فھوصحیح وماسکت عنہ ولم یتعقہ بشیءٍ فھو کماقال ابن الصلاح حسن
(قواعدفی علوم الحدیث)

جس روایت پر امام حاکم کے حکم کو امام ذہبی برقرار رکھے وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور جس پر ذہبی سکوت کریں

تو جیسا کہ امام ابن صلاح نے فرمایا وہ حدیث حسن ہوتی ہے،

لیکن امام ذہبی نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں فرمایا ہے

هٰذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجوه (سير اعلام النبلاء ۲/۱۵۳/۴، طبع دار الحدیث قاہرہ)

یہ حدیث صحیح سند والی ہیں لیکن (بخاری، مسلم) نے اس کو بیان نہیں کیا،

(۵) امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ نے اس کو الاحادیث المختارۃ میں روایت کیا ہے اور اپنی کتاب کے شروع میں فرمایا کہ ہم نے وہ احادیث ذکر کیں جن کی سندیں عمدہ ہیں، اگر کسی حدیث میں کوئی علت تھی تو وہ بیان کی **(الاحاديث المختاره ۱/۶۹)**

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وجميع مافي هٰذه الكتب الخمسة صحيح فالعزو اليها معلم بالصحة سوى مافي المستدرك من المتعقب (ديباجة جمع الجوامع ، كنز العمال ۱/۱۸)

بخاری، مسلم، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، المختارہ ضیاء مقدسی میں جو روایات ہیں سب صحیح ہیں تو ان کی طرف نسبت صحیح ہونے کی علامت ہے سوائے مستدرک کی ان روایتوں کے جن پر گرفت کی گئی ہے،

علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

التزم فيه الصحة وذكر فيه احاديث لم يسبق الى تصحيحها وقد سلم له فيه الا احاديث يسيرة جداً تعقبت عليه (الرسالة المستطرفة ۲۷)

امام ضیاء نے اس کتاب میں صحت (صحیح احادیث ذکر کرنے) کا التزام کیا ہے، اور اس میں ایسی حدیثیں بھی ذکر کیں جن کو ان سے پہلے کسی نے صحیح نہیں کہا اور اس میں ان کو (غلطی سے) سلامتی رہی سوائے بہت تھوڑی حدیثوں کے جن کے متعلق ان پر گرفت کی گئی ہے،

حدیث کلاب حوأب سے متعلق ان پر گرفت نہیں ہوئی، بہر حال یہ حدیث امام ضیاء المقدسی کے نزدیک صحیح ہے،

(۶) امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب **الانواع والتقاسيم** یا **المسند الصحيح** میں روایت کیا ہے، اور اس میں وہی روایات بیان کیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں، تو یہ حدیث عائشہ بھی ان کے نزدیک صحیح ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیا اس میں یہ بھی ہے کہ فرمایا

فتدبرتُ الصحاح لاسهل حفظهاعلی المتعلمین (الاحسان ۱/۰۷طبع دارالمعرفه بیروت)

میں نے صحیح احادیث کو جمع کرنے پر غور کیا تا کہ طلباء پران کو یاد کرنا آسان کردوں،

اوپرامام سیوطی کا حوالہ ذکر ہوا کہ صحیح ابن حبان کی احادیث صحیح ہیں،

صحیح ابن حبان کی تبویب الاحسان پر تحقیق کرنے والے علامہ شیخ خلیل بن مامون شیحا امام ابن رشید الفہر ی کے حوالے سے لکھتے ہیں

فماحکم بصحتہٖ ممالم یحکم بہٖ غیرہ ان لم یکن من قبیل الصحیح یکن من قبیل الحسن وکلاهمایحتج بہٖ ویعمل علیه الاان یظهرفیه مایوجب ضعفهٗ (مقدمه المحقق ،الاحسان ۱/ ۲۹)

جس حدیث کوامام ابن حبان نے صحیح کہا جس پر کسی اور نے صحیح ہونے کا حکم نہ لگایا ہوایسی حدیث اگر صحیح کے قبیل سے نہ ہوتوحسن کے قبیل سے (ضرور) ہوگی اورحسن وصحیح دونوں سے حجت لی جاتی ہے،اورعمل کیا جا تا ہے سوائے اس کے کہ اس میں ضعیف ہونے کا کوئی سبب ظاہر ہوجائے،

اورحدیث کلاب حوأب بروایت قیس عن ام المؤمنین کودوسرے محدثین بھی صحیح کہہ رہے ہیں ،بہرحال امام ابن حبان نے تخریج کرکے صحیح قراردیا ہے،

(۷)امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ حدیث قیس سے متعلق فرماتے ہیں

رواہ احمدوابویعلی والبزارورجال احمدرجال الصحیح (مجمع الزوائد۷/۴۷۴،رقم ۱۲۰۲۵)

اس حدیث کوامام احمد وابویعلی وبزار نے روایت کیااورامام احمد کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں،

(۸)امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

۷۴۸قوله ونبح کلاب الحوأب علی بعض ازواجهٖ (الشفاء ۱/ ۶۵۹)احمدوالبزاروالبیهقی عن عائشة بسندصحیح (مناهل الصفافی تخریج احادیث الشفاء ۱/ ۱۵۲)

اس حدیث کوامام احمد وبزار وبیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے،

(۸)علامہ حمود بن عبداللہ بن حمود بن عبدالرحمٰن تو یجری رحمہ اللہ (م۱۴۱۳ھ)روایت قیس سے متعلق فرماتے ہیں

رواہ الامام احمدوابویعلی والبزاروابن حبان فی صحیحه والحاکم فی مستدرکہٖ قال

الحافظ ابن حجر وسندهٔ علی شرط الصحیح وقال الهیثمی رجال احمد رجال الصحیح (اتحاف الجماعة بماجاء فی الفتن والملاحم واشراط الساعة ۱۷۵/۱)

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس کی سند کو **علی شرط الصحیح** اور ہیثمی نے اس کے راوی بخاری کے راوی بتائے

یعنی علامہ حمود کے نزدیک بھی حدیث قیس صحیح ہے،

(۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث قیس سے حجت پکڑتے ہوئے فرماتے ہیں

وفی صحیح ابن حبان عن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ۱۳۲/۶ طبع سعودیۃ **)**

صحیح ابن حبان میں اسماعیل بن ابی خالد سے قیس کی روایت ہے،

معلوم ہوا کہ ان کی نزدیک حدیث قیس صحیح حدیث ہے،

(۱۰) نزدیک دور کے اہل حدیث محقق علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ حدیث قیس سے متعلق فرماتے ہیں

اخرجهٔ احمد(۵۲/۶)عن یحیی وهو ابن سعیدو(۹۷/۶)عن شعبة وابواسحاق الحربی فی غریب الحدیث (۱/۷۸/۵)عن عبدة وابن حبان فی صحیحه (۱۸۳۱ ،موارد)عن وکیع وعلی بن مسهروابن عدی فی الکامل (ق۲۲۳ /۲)عن ابن فضیل ،والحاکم ۱۲۰/۳) عن یعلی بن عبیدکلهم عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ان عائشة لماأتت علی الحوأب سمعت نباح الکلاب فقالت ماظننی الاراجعةً ان رسول الله ﷺقال لنا(فذکره)فقال لهاالزبیرترجعین عسی الله عزوجل ان یصلح بک الناس هٰذالفظ شعبة ومثلهٔ لفظ یعلی بن عبیدولفظ یحیی قال لماقبلت عائشة بلغت میاه بنی عامر لیلاًنبحت الکلابُ ،قالت ایُّ ماء هٰذا؟قالواماء الحوأب ، قالت ماظننی الاراجعة فقال بعض من کان معهابل تقدمین فیراک المسلمون فیصلح الله ذات بینهم ،قالت ان رسول الله ﷺقال لناذات یوم کیف باحداکن تنبح ....قلت واسنادهٔ صحیح جداًرجاله ثقات اثبات من رجال الستة الشیخین والاربعة رواه السبعة من الثقات عن اسماعیل بن ابی خالدوهو ثقة ثبت کمافی التقریب وقیس بن ابی حازم

مثلہٗ الاانہ قدذکربعضھم فیہ کلاماًیفیدظاھرہ انہ مجروح فقال الذھبی فی المیزان ثقۃ حجۃ کادان یکون صحابیاًوثقہ ابن معین والناس وقال علی ابن عبداللہ عن یحیی بن سعید منکرالحدیث ثم سمی لہ احادیث استنکرھافلم یصنع شیئاًبل ھی ثابتۃ لاینکرلہ التفردفی سعۃ مارواہ ،من ذالک حدیث کلاب الحوأب ....قلت اجمعواعلی الاحتجاج بہٖ ومن تکلم فیہ فقدآذی نفسہٗ .....قلت وقدتأول الحافظ فی التھذیب قول یحیی بن سعیدوھوالقطان منکرالحدیث بان مرادہ الفردالمطلق ،قلت فان صح ھٰذاالتأویل فیہ والافھومردودلانہ جرح غیرمفسر لاسیماوھو معارض لاطباق الجمیع علی توثیقہٖ والاحتجاج بہٖ وفی مقدمتھم صاحبہ اسماعیل بن ابی خالدفقدوصفہ بانہ ثبت کماتقدم ولایضرہٗ وصفہ ایاہ بانہ خرف لان الظاھرانہ لم یحدث فی ھذہ الحالۃ ولذالک احتجوابہ مطلقاً،ولئن کان حدث فیھافاسماعیل اعرف الناس بہٖ فلایروی عنہ والحالۃ ھٰذہ وعلی ھٰذافالحدیث من اصح الاحادیث ولذالک تتابع الائمۃ علی تصحیحہ قدیماًوحدیثاً، الاول ابن حبان فقداخرجہ فی صحیحہ کماسبق ، الثانی الحاکم باخراجہ ایاہ فی المستدرک کماتقدم ولم یقع فی المطبوع منہ التصریح بالتصحیح منہ ولامن الذھبی فاالظاھرانہ سقط من الطابع اوالناسخ فقدنقل الحافظ فی الفتح (۱۳/۴۵)عن الحاکم انہ صححہ وھواللائق بہ لوضوح صحتہٖ ،الثالث الذھبی فقدقال فی ترجمۃ السیدۃ عائشۃ من کتابہ العظیم سیرالنبلاء (ص ۶۰ بتعلیق الاستاذالافغانی) ھذاحدیث صحیح الاسنادولم یخرجوہٗ ،الرابع الحافظ ابن کثیرفقال فی البدایۃ بعدان عزاہ کالذھبی لاحمدفی المسندوھذااسنادعلی شرط الشیخین ولم یخرجوہ ،الخامس الحافظ ابن حجرفقدقال فی الفتح بعدان عزاہ لاحمدوابی یعلی والبزاروصححہ ابن حبان والحاکم وسندہ علی شرط الصحیح فھؤلاء خمسۃ من کبارائمۃ الحدیث صرحوابصحۃ ھٰذاالحدیث وذالک ما یدل علیہ النقدالعلمی الحدیثی کماسبق تحقیقہ ولااعلم احداًخالفھم ممن یعتدبعلمھم ومعرفتھم فی ھٰذاالمیدان سوی یحیی بن سعیدالقطان فی کلمتہ المتقدمۃ وقدعرفت جواب الحافظین الذھبی والعسقلانی علیہ فلانعیدہ الاان العلامۃ القاضی ابابکربن العربی رحمہ اللہ

تعالی جاء فی کتابه العواصم من القواصم کلام قدیدل ظاهره انه یذهب الی انکارهٰذاالحدیث ویبالغ فی ذالک اشدالمبالغة فقال ....قلت ونحن وان کانوا افقه علی انکارثبوت تلک الشهادة فانهاماصان الله تبارک وتعالیٰ اصحابهٔ ﷺمنهالاسیمامن کان منهم من العشرة المشبرین بالجنة کطلحة والزبیرفانناننکرعلیه قوله ولاقال النبی ﷺذالک الحدیث ؟کیف وهوقدثبت عنه ﷺبالسندالصحیح فی عدة مصادرمن کتب السنة المعروفة عنداهل العلم ولعل عذره فی ذالک انه حین قال ذالک لم یکن مستحضراًللحدیث انه واردفی شیء من المصادربل لعلهٔ لم یکن اطلع علیهااصلاً فقدثبت عن غیرواحدمن العلماء المغاربة انه لم یکن عندهم علم ببعض الاصول الهامة من تالیف المشارقة ،فهذاابن حزم مثلاًلایعرف الترمذی وابن ماجة ولا کتابیهماوقدتبین لی ان الحافظ عبدالحق الاشبیلی مثله فی ذالک فانه لاعلم عنده ایضاًبسنن ابن ماجة ولابمسندالامام احمد.... فلیس من البعیدان ابابکربن العربی فی ذالک وان کان رحل الی الشرق والله اعلم ولکن اذاکان ماذکرته من العذرمحتملاًبالنسبة الی ابی بکربن العربی فماهوعذرالکاتب الاسلامی الکبیرالاستاذمحب الدین الخطیب الذی علق علی کلمة ابن العربی فی العاصمة ... .(قال)وکانه عفی الله عناوعنه لم یتعب نفسه فی البحث عن الحدیث فی دواوین السنة المعتبرة بل وفی بعض کتب التاریخ المعتمدة مثل البدایة لابن کثیرلوانه فعل هذاعلی الاقل لعرف موضع الحدیث فی تلک الدواوین المعتبرة اوبعضهاعلی الاقل...... .(سلسلة الاحادیث الصحیحة ۱/۸۴۶تا۸۵۲ طبع مکتبۃ المعارف الریاض)

اس عبارت میں علامہ البانی نے اتنی تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ مجتہد زماں قاضی طاہر علی صاحب کے کافی وساوس کا جواب ہوگیا،مگرہم یہاں اختصار سے مطلی ترجمہ کردیتے ہیں تفصیل آگے ہوگی انشاءاللہ،فرمایا

حدیث قیس بن ابی حازم کی سند بہت ہی صحیح ہے راوی ثقہ اورمضبوط ہیں،صحاح ستہ کے راوی ہیں،سات راویوں نے اسماعیل سے روایت کی اوراسماعیل ثقہ،مضبوط ہے،اورقیس بھی اسی جیسا ہے ہاں بعض نے اس میں اس کومجروح ظاہرکرنے والاکلام ذکرکیاہے،میزان الاعتدال میں ذہبی نے فرمایاقیس ثقہ،حجت ہے صحابی بن جانے کے قریب تھاابن معین اوردوسرے محدثین نے اس کوثقہ کہاہے،البتہ یحیی بن سعید نے منکرالحدیث کہہ کراس کی کئی روایتیں

ذکر کیں جن کو منکر بتایا لیکن انہوں نے یہ بیکار کام کیا وہ منکر نہیں بلکہ ثابت روایات ہیں روایات کی وسعت ہونے کی وجہ سے اس کا تفرد قابل نکیر نہیں ہوسکتا، اور قیس مضبوط تھا بڑی عمر کا ہو کر سو سال کو پہنچا اور سٹھیا ہو گیا، میں کہتا ہوں اس سے حجت لینے پر اجماع ہے اس پر کلام کرنے والے نے اپنی تکلیف کا سامان کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یحیی کا قول ذکر کر کے اس کی یہ تاویل کی کہ منکرالحدیث سے مراد مطلق اکیلا ہونا ہے، تو اگر یہ تاویل صحیح ہو تو ٹھیک ورنہ (منکرالحدیث ہونے کی) جرح مردود ہے کیوں کہ غیر مفسر ہے، بالخصوص جب کے سب محدثین کا اس کے ثقہ ہونے اور اس سے حجت لینے پر اجماع اس کے مقابلہ میں موجود ہے، اور اسماعیل بن ابی خالد کو مضبوط بیان کیا گیا تو یہ حال کہ قیس سٹھیا ہو گیا کچھ مضر نہیں کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس حالت میں حدیث بیان ہی نہیں کی، اسی لئے محدثین نے اس سے ہمیشہ حجت لی ہے، اور اگر ایسا حال ہو بھی گیا تو اسماعیل لوگوں کو خوب جانتا ہے وہ ایسی حالت میں ہرگز اس سے روایت بیان نہیں کرسکتا، لہٰذا حدیث اصح احادیث میں سے ہے،

اس لئے تو نئے پرانے سب ائمہ نے مسلسل اس کو صحیح کہا

(۱) امام ابن حبان نے (۲) حاکم نے، اگرچہ مستدرک میں تصحیح صراحۃً ذکر نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ طابع یا نقل کرنے والے سے تصحیح ساقط ہوگئی کیوں کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حاکم سے تصحیح نقل کی ہے، حدیث بھی تصحیح کے قابل ہے کیوں کہ صحت واضح ہے، (۳) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں فرمایا یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے روایت نہیں کی، (۴) ابن کثیر نے بدایہ میں بحوالہ مسند احمد ذکر کر کے کہا اس کی سند بخاری مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن انہوں نے روایت نہیں کی، (۵) ابن حجر نے مسند احمد وابویعلی وبزار کا حوالہ دے کر کہا ابن حبان وحاکم نے اس کو صحیح کہا اور اس کی سند صحیح بخاری کی شرط پر ہے، ان پانچ بڑے ائمہ حدیث نے حدیث صحیح ہونا واضح بیان کیا ہے، یہ حدیث کی علمی تحقیق ہونے کو ظاہر کرتا ہے، اور ان حضرات کی اس میدان کے کسی معتبر صاحب علم ومعرفت نے مخالفت نہیں کی، صرف یحیی بن سعید ہیں ان کی بات پر علامہ ذہبی اور عسقلانی کا تبصرہ بیان ہو گیا، البتہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے العواصم میں اس حدیث کا انکار کیا اور سخت مبالغہ کیا۔۔۔۔ میں کہتا ہوں (پچاس آدمیوں کی) گواہی کے ثبوت کے انکار میں ہم ان کے موافق ہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے بچایا ہے لیکن یہ کہ یہ نبی ﷺ کی حدیث نہیں ہم نہیں مانتے، کیسے مانیں جب کہ یہ علماء کے نزدیک حضور ﷺ سے صحیح سند سے متعدد کتب حدیث میں ثابت ہے، ممکن ہے ان کا یہ عذر ہو کہ یہ کہتے وقت ان کے سامنے کتابوں میں حدیث نہ آئی ہو، بلکہ

شایداس پر بالکل اطلاع نہ پائی ہو، کیوں کہ بہت سے اہل علم سے ثابت ہے کہ ان کے پاس بعض اہم مصادر کتب نہ تھیں مثلاً ابن حزم ترمذی، ابن ماجہ کو اور حافظ عبدالحق اشبیلی بھی ابن ماجہ اور مسند امام احمد کو نہ جانتے تھے، تو بعید نہیں کہ ابن عربی کا بھی یہی حال ہو، میرا بیان کردہ یہ عذر تو قابل برداشت ہے، لیکن محبّ الدین خطیب کی بحث کا کیا ہوگا جنہوں نے ابن عربی کی اس کتاب پر تعلیق لکھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں اللہ ہمیں اور ابن عربی کو معاف فرمائے انہوں نے حدیث کی معتبر کتابوں میں بلکہ بعض معتبر تاریخی کتابوں البدایہ (وغیرہ) میں جان نہیں کھپائی، اگر تھوڑی سی محنت کر لیتے تو بعض کتب حدیث میں تو حدیث معلوم کر لیتے،

اور یہی صورت حال حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پیش آئی ہوگی، اور **من یعلم حجة علی من لایعلم** جاننے والا حجت ہے نہ جاننے والے پر، اس لئے قاضی صاحب ان حضرات کو معذور سمجھیں، اور ان معذوروں کے پیچھے چلنے والے کے لئے چلنے میں کوئی عذر نہیں،

(۱۱) علامہ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص علامہ عصام موسیٰ ہادی صاحب نے حدیث قیس بن ابی حازم کو اپنی کتاب **صحیح اشراط الساعة** ص ۱۸ میں ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضرت قیس کی حدیث کا مضمون صحیح ہے،

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعلق محققین کا فیصلہ:

اب حدیث ابن عباس سے متعلق فیصلے سنیں،

(۱) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہ ثقات رواہ ابوبکربن ابی شیبة ورواتهٔ ثقات (فتح الباری ۴۳۸/۱۴ ،اتحاف الخیرة المهرة ۲۲/۸)

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اور اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں،

(۲) علامہ سیوطی فرماتے ہیں

البزاربسندصحیح (مناهل الصفافی تخریج احادیث الشفا ۱۵۳/۱ ،رقم ۷۴۹)

اس کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے،

(۳)امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہ ثقات (مجمع الزوائدرقم)

اس کو بزار نے روایت کیا اور اسکے راوی ثقہ ہیں،

(۴)علامہ ناصرالدین البانی فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہ ثقات ،ان الحدیث صحیح الاسنادولااشکال فی متنہٖ (سلسلة الاحادیث الصحیحة ۸۵۳/۱)

اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور راوی ثقہ ہیں، بلاشبہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متن میں کوئی اشکال نہیں ہے،

(۵)علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں

وھوحدیث صحیح رواہ البزارعن ابن عباس رضی اللہ عنھما(نسیم الریاض ۱۶۶/۳ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان)

یہ حدیث صحیح ہے،امام بزار نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ،

(۶)امام محمد بن احمد قرطبی (۶۷۱ھ)رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ھٰذاحدیث ثابت صحیح رواہ الامام المجمع علی عدالتہ وقبول روایتہ الامام ابوبکرعبداللہ بن ابی شیبة وکذالک وکیع مجمع علی عدالتہ وحفظہ وفقھہٖ عن عصام وھوثقة عدل فیماذکرابوعمربن عبدالبرفی کتاب الاستیعاب لہٗ عن عکرمة وھوعنداکثرالعلماء ثقة عالم (التذکرة ۱۰۸۱/)

یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا جن کی عدالت اور مقبول الروایت ہونے پر اجماع ہے،وہ وکیع سے روایت کرتے ہیں اور وکیع کی عدالت اور حافظ حدیث اور فقیہ ہونے پر اجماع ہے،انہوں نے عصام سے اور عصام ثقہ اور عادل ہے (استیعاب لا بن عبدالبر۱۷۴۳/۴)عصام نے عکرمہ سے اور عکرمہ اکثر علماء کے نزدیک ثقہ اور عالم ہے،

(۷)علامہ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالمحسن السلمان رحمہ اللہ (ساکن ریاض سعودیہ،م۱۴۲۲ھ)فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہٗ ثقات (مواردالظمأن لدروس الزمان ۴۸۰/۶)

اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں،

(۸)علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزار بسند صحیح عن ابن عباس (شرح الشفاء ،علی حاشیة نسیم الریاض ۱٦٦/۳)

اس حدیث کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،

(۹)علامہ حمود بن عبداللہ بن حمود تو یجری (م۱۴۱۳ھ)فرماتے ہیں

رواہ البزار قال الهيثمی والحافظ ابن حجر رجالهٔ ثقات ورواہ ایضاً ابن ابی شیبة بنحوہ (اتحاف الجماعة بماجاء فی الفتن والملاحم واشراط الساعة ۱۷۵/۱)

اس کو بزار نے روایت کیا،ہیثمی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا اس کے راوی ثقہ ہیں ،ابن ابی شیبہ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے،

یعنی علامہ حمود کے نزدیک بھی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح ہے،

(۱۰)علامہ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص علامہ عصام موسیٰ ہادی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اپنی کتاب **صحیح اشراط الساعة** کے صفحہ ۱۸ا پر ذکر فرمایا ہے،معلوم ہوا کہ(کتاب کے نام کے مطابق)یہ حدیث اور مضمون صحیح ثابت ہے،

دیکھیئے دونوں میں سے ہر حدیث کو اتنے زیادہ محدثین صحیح کہہ رہے ہیں ،اس کے بعد قاضی صاحب کے حدیث کو من گھڑت قرار دینے کے فیصلے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟یاد رکھیں سرسید اور منکرین حدیث کا یہ طرز تھا کہ اگر کسی آیت کی مشہور معتبر تفسیر پر یا کسی حدیث کے مضمون پر اہل مغرب اعتراض کر دیتے تو یہ لوگ اس مضمون کے ثبوت کا انکار کر دیتے اور قرآن مجید کی غلط تفسیر کرتے اور اس حدیث سے منکر ہو جاتے ،یہ عاجزی کی دلیل ہے ،قاضی صاحب شیعہ کے رد میں اس حد تک جا رہے ہیں کہ جہاں ان کا اعتراض ہوا اور جواب نہ آیا تو سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں ،ایسے ناسمجھ مخلصوں کی کمی نہیں ہے مگر یہ اخلاص کام کا نہیں ہے، یہ ویسا اخلاص ہے جیسے بادشاہ کے باز کا حشر بڑھیا نے یہ کیا تھا کہ اس کے پاؤں کے ناخن اور پنجے اتار دیئے، چونچ کاٹ دی ،باز کام کا نہ رہا،ایسے ہی دین کی ثابت جزئیات اور باتوں کا انکار کر کر کے آدمی دین کا خاتمہ کر دے گا اور اپنے ایمان کو چھٹی دے دے گا،

اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ یا ام المؤمنین رضی اللہ

عنہا کی روایتوں کی سندوں پر بحث کی جائے ،مگر شاید قاضی طاہر علی صاحب اور اس کی کتاب کے قاریوں کے ذہن میں شبہات موجود ہوں اس لئے روایتوں کی سند کے راویوں پر گفتگو کرنا مناسب ہے تا کہ پوری طرح اتمام حجت ہو جائے ،پھر کچھ خارجی شبہات کا حل ذکر ہوگا انشاء اللہ،

مسند بزار کی سند:

ثنا محمد بن عثمان بن کرامة ثنا عبید الله بن موسیٰ عن عصام بن قدامة البجلی عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ،

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند:

حدثنا وکیع عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ

الاحادیث المختارة للضیاء کی سند:

اخبرنا ابو اسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذه وغیره ان زاهر بن طاهر الشحامی اخبرهم انبأ احمد بن منصور المغربی ثنا محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمة انبأ جدی محمد بن اسحاق بن خزیمة ثنا نصر بن علی انبأ عبدالله بن داؤد عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما،

امام طحاوی کی سند:

حدثنا فهد بن سلیمان حدثنا ابو نعیم حدثنا عِصام بن قُدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما(شرح مشکل الآثار ۱۴/۲۶۵)

غور فرمائیں ،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد حضرت عکرمہ ہیں،

عکرمہ بربری:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام رہے ہیں ،حضرات ابن عباس ،علی ،حسن ،ابو ہریرہ ،ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں ،ان سے حضرت ابراہیم نخعی ،شعبی ،اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ بکثرت راوی روایت لیتے

ہیں، یہ درست ہے کہ بعض ائمہ نے ان پر کلام کیا ہے، مگر ان کی جرح مردود ہے، اکثر ائمہ محدثین نے ان کی تعریف وتحسین کی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

احد اوعیة العلم تکلم فیه لرأیهٖ لالحفظهٖ فاتهم برأی الخوارج وقدوثقه جماعة واعتمده البخاری (میزان الاعتدال ۹۳/۳)

علم کا ایک خزانہ ہے، ان کی رائے کی وجہ سے ان پر کلام کی گئی ہے، ان کے حفظ حدیث کی وجہ سے ان پر کلام نہیں کی گئی، تو ان پر خارجیوں کی رائے رکھنے کا الزام دیا گیا، ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور امام بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے،

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثقة ثبت عالم بالتفسیر لم یثبت تکذیبهٗ عن ابن عمرو لایثبت عنه بدعة (تقریب التهذیب ۶۸۵/۱)

عکرمہ ثقہ، مضبوط، تفسیر کا عالم ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو جھوٹا کہنا ثابت نہیں ہے، اور نہ ان سے بدعت (خارجی، اباضی نجدی ہونا) ثابت ہے (یعنی جو منقول ہے صحیح ثابت نہیں ہے)

امام بخاری فرماتے ہیں

لیس احدمن اصحابناالااحتج بعکرمة (التاریخ الکبیر بخاری ۴۹/۷ طبع حیدرآباد دکن)

ہمارے اصحاب محدثین میں سے جو بھی ہے عکرمہ کی روایت سے حجت لیتا ہے،

امام احمد بن عبداللہ عجلی (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں

ثقة وهوبریء ممایرمیه الناس به من الحروریة وهوتابعی (تاریخ الثقات للعجلی ۳۳۹/۱ طبع سنه ۱۹۸۴ء)

ثقہ ہیں اور جو لوگوں نے حروری (خارجی) ہونے کا الزام لگایا اس سے بری ہیں، تابعی ہیں،

امام ابن عدی فرماتے ہیں عکرمہ سے جب ثقہ راوی روایت کریں تو (حدیث صحیح ہوگی) وہ خود ٹھیک حدیث روایت کرنے والا ہے، ہاں اس سے ضعیف راوی روایت کرے تو کمزوری اس ضعیف کی طرف سے ہوگی نہ کہ عکرمہ کی طرف سے، ائمہ اس سے روایت لینے سے نہیں رکے اور صحیح احادیث جمع کرنے والے ائمہ نے اس کی جو احادیث ثقہ راویوں

سے مروی ہوں صحاح میں داخل کی ہیں **(الکامل ٦/ ٤٦٩ دارالکتب العلمیہ بیروت)**

امام دارقطنی نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام **اسماء التابعین ومن بعدھم ممن صحت روایته عن الثقات** ہے ،یعنی اس کتاب میں تابعین اوران کے بعد کے وہ راوی ذکر ہیں جن کی روایتیں ثقہ راویوں سے مروی ہیں تو صحیح ہیں ،اس کتاب میں عکرمہ مولی ابن عباس کا نام ٩٤٦ نمبر پر درج ہے ،امام ذہبی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں امام احمداور بخاری اور جمہور محدثین اس کی روایت سے حجت لیتے ہیں (١٠٦/٣)امام ذہبی نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اس کا نام رکھا **من تکلم فیه وھو موثق** جس راوی میں کلام کیا گیا حالاں کہ وہ ثقہ کہا گیا ہے اسمیں ٢٤٦ نمبر پر عکرمہ کا ذکر کیا ہے ،امام مغلطائی رحمہ اللہ امام محمد بن نصر مروزی سے نقل فرماتے ہیں

قداجمع عامة اھل العلم علی الاحتجاج بحدیثه واتفق علی ذالک رؤساء اھل العلم بالحدیث من اھل عصرنامنھم احمدبن حنبل وابن راھویه وابوثورویحیی بن معین (اکمال تھذیب الکمال ٩/ ٢٥٥)

جمہورعلماء کا عکرمہ کی حدیث سے حجت لینے پر اجماع ہے ،اورعلم حدیث رکھنے والے بڑے علماء جیسے امام احمد،اسحاق بن راہویہ،ابوثور، یحیی بن معین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے ،

تہذیب التہذیب میں بہت تفصیل ہے، یہاں اتنی تفصیل کافی ہے،

عصام بن قدامہ:

عکرمہ سے روایت کرنے والے عصام بن قدامہ بجلی ابومحمد کوفی ہیں ،امام یحیی بن معین فرماتے ہیں صالح ہے ،ابوزرعہ وابوحاتم وابوداؤد فرماتے ہیں لابأس بہ یعنی ثقہ ہے ،امام نسائی ثقہ کہتے ہیں ،امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر فرمایا ہے (تہذیب االتہذیب)علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں عصام کو ثقہ کہا ہے ،عصام سے روایت کرنے والے امام وکیع ،عبیداللہ بن موسیٰ ،عبداللہ بن داؤد ،ابونعیم ہیں ،

ابونعیم:

یہ ابونعیم فضل بن دُکین کوفی ہیں ،صحاح ستہ کے راوی ہیں ،علامہ ابن حجر نے تہذیب میں پانچ صفحات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے ،سب محدثین نے ان کی تعریف اورتوثیق کی ہے ،ابونعیم سے فہد بن سلیمان روایت کرتے ہیں ،

فہد بن سلیمان:

یہ فہد بن سلیمان بن یحیی کوفی مصری ہیں، امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں ثقہ مضبوط تھے، سنہ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے (مغانی الاخیار فی شرح اسماء رجال معانی الآثار) فہد سے روایت کرنے والے امام طحاوی ہیں،

امام ابو جعفر طحاوی:

یہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ حنفی ہیں، امام ذہبی نے ان کو **امام العلامۃ الحافظ صاحب التصانیف البدیعۃ** سے ذکر کیا ہے، ڈیڑھ صفحہ میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے محدثین سے ان کی تعریف ذکر فرمائی ہے، (تذکرۃ الحفاظ) یہاں تک امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار کی سند مکمل ہوئی اور امام طحاوی کی یہ سند بالکل صحیح ہے،

امام وکیع بن جراح:

امام وکیع بن جراح بن ملیح کوفی امام، حافظ حدیث مضبوط عظیم محدث ہیں، جن کے شاگردوں میں امام احمد اور شافعی ہیں، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، اوزاعی، ابن جریج وغیرہم جیسے بڑے محدثین کے شاگرد ہیں، سنہ ۱۹۷ھ میں فوت ہے، امام وکیع سے امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں، یہاں تک ابن ابی شیبہ کے راوی مکمل ہوئے، اور سند بالکل صحیح ہے،

مسند بزار کی سند میں عصام سے روایت کرنے والے عبیداللہ بن موسیٰ ہیں

عبیداللہ بن موسیٰ:

عبیداللہ بن موسیٰ بن ابی المختار باذام عبسی، کوفی، کے متعلق امام یحیی بن معین، ابن عدی فرماتے ہیں ثقہ ہے، عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں، سچا اور ثقہ راوی ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں سچا اور ثقہ اور حسن الحدیث ہے، عجلی فرماتے ہیں ثقہ ہے، قرآن کا عالم اور علم قرآن میں سردار ہے، ابن سعد فرماتے ہیں انشاء اللہ ثقہ اور سچا ہے، کثیر الحدیث ہے، بہتر حالت والا ہے، ساجی کہتے ہیں سچا ہے، بعض محدثین نے اس کا تشیع ذکر فرمایا ہے ابن قانع کہتے ہیں کہ کوفی ہے صالح ہے تشیع ظاہر کرتا ہے، ساجی کہتے ہیں سچا ہے تشیع میں افراط ہے، ابوداؤد کہتے ہیں جلا ہوا شیعہ تھا اور اس کی حدیث درست ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا تشیع کا اظہار کرتا ہے، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں شیعہ ہے منکر الحدیث ہے، یاد رہے کہ یہ صحاح ستہ کا راوی ہے (تہذیب التہذیب ۴/۵۹۲۔۵۹۳، ۵۹۴) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے تشیع کا اظہار کرتا ہے (تقریب ۱/۶۴۰) امام ذہبی اس کو **الحافظ الثبت** (مضبوط) کہتے ہیں سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا، سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہوا (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۹)

مگر متقدمین میں تشیع ایسا عیب نہیں ہے جس سے ان کی حدیث پر اثر پڑے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابان بن تغلب کے ترجمہ میں (جو ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطیء مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما وربما اعتقد بعضهم ان علیاً افضل الخلق بعد رسول الله ﷺ واذا کان معتقد ذالک ورعاً دیناً صادقاً مجتهداً فلاتر د روایتهٔ بهذا لاسیما ان کان غیر داعیة (تهذیب التهذیب ١/ ١٢٩)

متقدمین کی اصطلاح میں تشیع یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، اور حضرت علی لڑائیوں میں درست رائے پر اور اس کے مخالف خطاء پر تھے، اور کبھی بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل تھے، ایسا عقیدہ والا جب پرہیزگار، دیندار، سچا، مجتہد ہو اس کی روایت مردود نہ ہوگی بالخصوص جب اس نظریہ کی تبلیغ کرنے والا نہ ہو،

اور عبید اللہ بن موسیٰ بھی ایسے ہی شیعہ میں سے ہے، نہ کہ رافضی محض جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قواعد فی علوم الحدیث میں بھی یہی ذکر فرمایا کہ تشیع یا تشیع میں غلو جرح نہیں ہے،

محمد بن عثمان بن کرامہ:

عبید اللہ سے روایت کرنے والا محمد بن عثمان بن کرامہ عجلی کوفی ہے، یہ امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم کا استاذ ہے، اس کے ترجمہ میں تہذیب التہذیب میں محدثین کا جرح کا کوئی کلمہ نہیں ہے محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے تعریف کی ہے (تہذیب ٦/ ٣٩١، ٣٩٢) اور محمد بن عثمان سے امام بزار روایت کر رہے ہیں، تو امام بزار کی سند کے سب راوی سچے اور ثقہ ہیں نہ ان میں کوئی ضعیف ہے نہ وضاع ہے، تو ان کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ محدثین کے حوالوں سے ذکر ہوا،

اب رہی امام ضیاء الدین المقدسی کی سند، تو اس میں عصام بن قدامہ سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن داؤد ہیں،

عبد اللہ بن داؤد:

یہ عبد اللہ بن داؤد بن عامر ہمدانی خُریبی کوفی الاصل ہیں، ثقہ اور عابد ہیں بخاری وسنن اربعہ کے راوی

ہیں (تقریب) سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے، ہشام بن عروہ، اعمش، اوزاعی وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں حسن بن صالح، سفیان بن عیینہ، مسدد، بندار، فلاس وغیرہم جیسے محدثین ہیں، امام ذہبی ان کو الحافظ، الامام، القدوۃ سے ذکر کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۴۷) تہذیب میں سوا صفحہ پر ان کا ترجمہ ہے، کسی نے ان پر کلام نہیں کیا (تہذیب ۳/۶۰۷، ۶۰۸) عبداللہ سے روایت کرنے والے نصر بن علی ہیں

نصر بن علی:

یہ نصر بن علی بن صہبان جہضمی بصری صغیر ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام نسائی اور ابن خراش اور ابو حاتم فرماتے ہیں ثقہ ہے، محمد بن علی نیشاپوری فرماتے ہیں حجت ہیں، امام احمد لاباًس بہ یعنی ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ۷/۳۰۶، ۳۰۷) امام ذہبی **الحافظ العلامہ** کہہ کر ذکر کرتے ہیں سنہ ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے (تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۸، ۷۹) نصر بن علی سے روایت کرنے والے امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ ہیں

امام ابن خزیمہ:

یہ امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری ہیں، سنہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۳۱۱ھ میں ۸۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے، امام اسحاق بن راہویہ، احمد بن منیع وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے امام بخاری، مسلم، نے صحیحین کے علاوہ کتابوں میں روایات لی ہیں، امام ابن حبان جیسے محدث عظیم ان کے شاگرد ہیں، امام ذہبی نے چھ صفحات میں ان کا ترجمہ بیان کیا ہے اور **الحافظ الکبیر امام الائمہ، شیخ الاسلام** لکھا ہے، (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۰۷۔۔۔۲۱۳) محدثین کے تعریفی الفاظ لکھنے کے محتاج نہیں ہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں امام تھے مضبوط تھے ان کی کوئی مثال نہیں، ابن ابی حاتم سے کسی نے ان سے متعلق پوچھا تو فرمایا افسوس ہمارے بارے میں ان سے پوچھو نہ کہ ہم سے ان کے بارے میں، وہ امام تھے جن کی اقتداء کی جائے، (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۱۲) امام ابن خزیمہ سے روایت کرنے والے محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں،

محمد بن الفضل:

یہ محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں، امام ابن خزیمہ کے پوتے ہیں، امام ذہبی **الشیخ الجلیل المحدث** کہہ کر ذکر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں انہوں نے اپنے دادا سے سماع حدیث کیا ہے، سنہ ۳۸۷ھ میں فوت ہوئے، تین سو چوراسی میں بیمار ہوئے اور عقل میں تغیر سے زوال عقل ہو گیا، امام ذہبی فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں

کہ جنہوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا درستگی کی حالت میں کیا ہے ،زوال عقل کے بعد سماع ممکن ہی نہیں ہے(**سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۹ دارالحدیث قاہرہ**)امام محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے احمد بن منصور المغربی ہیں،

امام احمد بن منصور المغربی:

یہ احمد بن منصور المغربی ہیں،ان کا مستقل تذکرہ ہمیں نہیں مل سکا کئی حفاظ حدیث ائمہ جو مغربی کے شاگردوں میں ہیں ان کے تذکرہ کے ضمن میں تاریخ ابن عساکر، سیر اعلام النبلاء ،تذکرۃ الحفاظ میں ذکر ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ائمہ محدثین میں سے ہیں،ان سے روایت کرنے والے زاہر بن طاہر الشحامی ہیں

زاہر الشحامی:

یہ ابوالقاسم زاہر بن طاہر بن محمد بن محمد بن احمد الشحامی ہیں نیشاپوری ہیں عالی سند ہونے میں اپنے وقت کے شیخ ہیں ،ابوسعد بن السمعانی فرماتے ہیں یہ شیخ بیدار بکثرت احادیث روایت کرنے والے ہیں ،سنہ ۴۴۶ھ میں پیدا ہوئے ،سنہ ۵۳۳ھ میں فوت ہوئے ،ان کا ایک عیب ذکر ہوا کہ نمازوں میں کوتاہی کرتے تھے،لیکن وہ کہتے کہ میرا عذر ہے ،تو معذور تھے اور پھر کئی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے لیکن لگتا ہے کہ بعد میں اس کوتاہی سے توبہ کرلی ہوگی (تاریخ بغداد ۲۱/۸۷)امام ذہبی فرماتے ہیں روایت میں سچا راوی ہے ،نمازوں میں کوتاہی کرلیتے (اپنے کو معذور بتاتے ، مرتب)عالی سند ہیں ،محدثین نے ان سے بکثرت روایات لیں ،ابن عساکر نے ان سے بکثرت روایتیں لی ہیں (المغنی ۱/۲۳۶)ان سے روایت کرنے والے داؤد بن محمد بن محمود ہیں

داؤد بن محمد بن محمود:

یہ ابواسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذہ ہیں ،سنہ ۵۲۰ھ میں پیدا ہوئے ،سنہ ۶۰۳ھ میں فوت ہوئے ،امام ذہبی نے ان کا تذکرہ تاریخ الاسلام (۱۳/۴۷)میں کیا ہے ،یہ بھی بہت بڑے محدثین میں سے ہیں ،امام طبرانی کی معجم کبیر کا فاطمہ جوزدانیہ سے سماع کیا ،ان سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد امام ضیاء الدین المقدسی ہیں ، یہاں تک الاحادیث المختارۃ للضیاء کی سند مکمل ہوئی ،یہ سند بھی اگر صحت کے اعلی درجہ پر نہ ہو تو حسن درجہ پر ضرور ہے ، بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کلاب حوأب کی سند بالکل صحیح ہے ،اس کا انکار ضد محض ہوگا جس کا علاج کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے ،

حدیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند پر بحث :

اب ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایت کی سند پر غور فرمائیں ،دوبارہ مکمل سند ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ،گذشتہ صفحات میں دیکھیں کہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرنے والی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں،اوران سے روایت کرنے والے ایک قیس بن ابی حازم ہیں،دوسرے حضرت مسروق ہیں،

مسروق کی سند:

قیس کی سند پر بحث سے پہلے مسروق کی سند پر بحث کرلیں ،حضرت سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے مسروق ہیں،

مسروق:

یہ مسروق بن الاجدع بن مالک۔۔۔۔ہمدانی کوفی ہیں،سنہ ۶۲ یا ۶۳ ھ میں فوت ہوئے ،حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان خاص شاگردوں میں سے ہیں جوفتوی دیتے اور قرأن مجید پڑھاتے تھے،ثقہ فقیہ اور عابد ہیں ،جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تہذیب میں دو صفحہ میں ان کا ترجمہ ہے،کسی محدث نے ان پر کلام نہیں کیا،امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِن کو اپنا متبنیٰ بیٹا بنایا تھا،(تذکرۃ الحفاظ ،تقریب)مسروق سے روایت کرنے والے امام شعبی ہیں

شعبی:

یہ امام عامر بن شراحیل شعبی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے ،سنہ ۱۰۰ھ کے بعد فوت ہوئے ،ثقہ ہیں فقیہ ہیں،امام ذہبی نے **علامۃ التابعین** فرمایا اور فرمایا امام حافظ فقیہ مضبوط ثبت تھے،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ،تقریب)امام شعبی سے روایت کرنے والے مجالد ہیں،

مجالد:

یہ مجالد بن سعید ہمدانی کوفی ہیں،ان پر جرح بھی ہوئی ہے،مگر امام ابن عدی فرماتے ہیں اس کی **عن الشعبی عن جابر** اور **عن غیر جابر** کئی صحیح احادیث ہیں،اوردوسری(**عن غیر الشعبی**) روایات محفوظ نہیں ہیں،امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کئی محدثین نے اس میں کلام کیا ہے لیکن وہ سچا راوی ہے،عجلی کہتے ہیں **جائز الحدیث** (درست حدیث والا) ہے،امام بخاری کہتے ہیں سچا راوی ہے (تہذیب)امام منذری فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے اس کو ثقہ

قرار دیا ہے، اورامام مسلم نے دوسری روایات کی تائید میں اس کی روایات لی ہیں (الترغیب ۹۱۰/۴) امام ذہبی کہتے ہیں صالح الحدیث ہے (المغنی ۲۴۷/۲) یہ حسن الحدیث راوی ہے، بخاری کے سوا صحاح خمسہ میں اس کی روایات ہیں، اور متابعت میں تو اس کی حدیث پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی، مجالد سے روایت کرنے والا یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ ہے،

یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ:

یہ یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی ہے، تہذیب میں ان کا ترجمہ دو صفحات پر مشتمل ہے سب محدثین ان کی توثیق اور تعریف کررہے ہیں، ثقہ مضبوط صحاح ستہ کا راوی ہے، یحیی سے روایت کرنے والا یزید بن موھب ہے،

یزید بن موھب:

یہ دراصل یزید بن خالد بن عبداللہ بن موھب ہمدانی رملی ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ابن قانع نے کہا صالح ہے بقی بن مخلد کہتے ہیں انتہائی ثقہ تھا (تہذیب ۶۳۶/۷، ۶۳۷) یزید سے روایت کرنے والا محمد بن علی ہے جو امام طبرانی کا استاذ ہے،

محمد بن علی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن علی بن زید الصائغ مکی ہے، امام صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی رحمہ اللہ (م ۷۶۴ھ) محمد بن علی کے متعلق **المحدث بمکة** فرماتے ہیں اور یہ کہ وہ سچائی اور معرفت حدیث کے ساتھ اپنے وقت میں مکہ کے محدث تھے سنہ ۲۹۱ھ میں فوت ہوئے (الوافی بالوفیات ۸۰/۴) علامہ ابوالطیب نایف بن صلاح بن علی المنصوری لکھتے ہیں کہ الصائغ امام سعید بن منصور، یحیی بن معین وغیرہ سے حدیث بیان کرتے ہیں، اور ان سے امام طبرانی، ابن الاعرابی وغیرہ حدیث بیان کرتے ہیں، دارقطنی کہتے ہیں ثقہ ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ذہبی فرماتے ہیں **المحدث ،الامام الثقة** ہیں، سچائی فہم اور وسعت روایت کے ساتھ بہت سے محدثین سے حدیث کی سماعت کی (**ارشادالقاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی** ۶۰۰/ طبع دارالکیان الریاض) اس کے بعد امام طبرانی کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں، وہ مجمع علیہ محدث عظیم ہیں،

اس سند سے متعلق امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواه الطبرانی فی الاوسط ورجالهٔ وثقوا وفی بعضهم ضعف (مجمع الزوائد ۵۱۲/۸)

اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ بتائے گئے ہیں بعض راویوں میں معمولی ضعف

ہے،

تو یہ سنداگر اونچے درجہ کی صحیح نہ کہی جائے تو حسن ہونے میں شبہ نہیں ہے، اب قیس کی سند اور راویوں پر بحث کرتے ہیں

قیس بن ابی حازم:

یہ ابوعبداللہ قیس بن ابی حازم بجلی احمسی کوفی ہیں، ان کے والد ابو حازم کا نام حصین بن عوف ہے جو صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، امام ذہبی ان کو **الامام محدث الکوفة** لکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی ملاقات کیلئے چلے لیکن راستہ میں تھے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے، (تذکرۃ الحفاظ ۱/۴۹) عشرہ مبشرہ میں سے سوائے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے باقی حضرات سے حدیث نبوی کا سماع کیا ہے، بیان بن بشر، اسماعیل بن ابی خالد، امام اعمش، مجالد وغیرہم رحمہم اللہ ان کے شاگرد ہیں (تذکرۃ الحفاظ) ابوداؤد فرماتے ہیں سند کے اعتبار سے سب تابعین سے عمدہ سند والے ہیں، یعقوب بن ابی شیبہ فرماتے ہیں قدیم تابعین میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملاقات رہی ہے جب کامل مرد تھے، یہ مضبوط روایت والے ہیں، امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں زہری سے بڑھ کر ثقہ ہیں، ان کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالد اس کو مضبوطی میں ستون یعنی ثقہ کہہ کر حدیث بیان کرتے (تہذیب التہذیب ۲۶/۶، ۲۷) امام عجلی فرماتے ہیں قیس ثقہ ہے (الثقات للعجلی ۳۹۲/۱) امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے (الثقات ۳۰۷/۵) امام دارقطنی نے قیس کو اپنی کتاب [**اسماء التابعین ومن بعدهم ممن صحت روایته عن الثقات عند البخاری**] میں ۸۸۸ نمبر پر درج کیا ہے جس میں وہ راوی ذکر ہیں جن کی روایت ثقہ سے منقول ہو تو امام بخاری کے نزدیک روایت صحیح ہوتی ہے (۳۰۰/۱) یعنی قیس بن ابی حازم کی روایات ثقہ سے مروی ہوں تو امام بخاری کے نزدیک صحیح ہیں، امام ذہبی نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام رکھا **الرواة الثقات المتکلم فیهم بمالا یوجب ردهم** اس میں قیس کا ذکر ۶۷ نمبر پر کیا یعنی قیس ایسے راویوں میں سے ہے جس میں کسی نے کلام کیا تو اس کی جرح مردود ہے، اور فرمایا قیس ثقہ ہے، امام ہے، قریب تھا کہ صحابی بن جاتا، اور اس کی حدیث تمام دفاتر اسلام میں ہے، اس میں امام ذہبی نے یحیی بن سعید قطان کا قول ذکر کیا کہ قیس منکر الحدیث ہے، پھر فرمایا **هذا القول مردود** یہ قول مردود ہے (صفحہ ۱۵۳) **الکاشف** (۱۳۸/۲) میں فرمایا محدثین نے قیس کو ثقہ کہا ہے، اور **المغنی فی الضعفاء** (۵۳۶/۲) میں فرمایا قیس ثقہ ہے پہاڑ ہے، ابن معین اور محدثین نے اس کو ثقہ

قرار دیا پھر یحیی کا قول ذکر کیا کہ اس کی منکر احادیث ہیں جن میں سے حدیث کلاب حوأب بھی ہے ، پھر فرمایا یہ احادیث ثابت ہیں (یحیی نے درست نہیں کہا) سیر اعلام النبلاء (۱۱۲/۵) میں قیس کے ذکر میں ان کو **العالم الثقة الحافظ** فرمایا، امام صلاح الدین ابوسعید خلیل دمشقی (م ۷۶۱ھ) اپنی کتاب **المختلطین** (۹۹/۱) میں ۳۷ نمبر پر قیس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان اکابر تابعین میں سے ہے جن سے حجت لی جاتی ہے،

قاضی طاہر علی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ قیس اخیر عمر میں سٹھیا گئے تھے، جی ہاں ان کے سٹھیا ہونے کو بیان کرنے والے ان کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالد ہیں اور اس حدیث کو ان سے روایت کرنے والے بھی اسماعیل ہیں تو اسماعیل کا دماغ خراب نہیں تھا کہ سٹھیا ہونے کے بعد حدیث سنی ہو اور آگے بیان کردی ہو، ظاہر ہے کہ یہ حدیث حالت صحت میں سنی ہے، تب ہی آگے بیان کی ہے، قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے ذکر کیا کہ بعض محدثین نے قیس کو ضعیف، منکر الحدیث اور ساقط الحدیث قرار دیا ہے، اس بارے میں ہمیں تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قاضی صاحب جتنے ساقط الحدیث ، مردود الروایت ہیں اتنے قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ساقط الحدیث اور مردود الروایت نہیں ہیں ، کیوں کہ قاضی صاحب خائن اور منکرین حدیث کی طرح یک طرفہ ٹریفک چلانے کے عادی ہیں اور قیس رحمہ اللہ خیانت، کذب، وضع، وغیرہ جیسی عادتوں سے محفوظ ہیں،

اصل بات سمجھیں کہ امام یعقوب بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ متقن الروایت ہے یعنی جن کی روایت مضبوط ہوتی ہے، یہ امام یعقوب کا اپنا فیصلہ ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ہمارے اصحاب (محدثین) نے اس میں کلام کیا تو بعض نے تو اس کی قدر و عظمت کو اونچا بتایا، اور اس سے منقول حدیث کو سب سے زیادہ صحیح سند والی بتایا (یہ ایک قول ہوا جس کے مؤید خود امام یعقوب ہیں) اور بعض نے ان پر طعن کیا اور فرمایا کہ ان کی منکر روایات ہیں (یہ دوسرا قول ہے جس کے مخالف خود امام یعقوب ہیں) اور جن حضرات نے قیس کو بڑھایا ہے انہوں نے وہ احادیث یہ سمجھ کر لی ہیں کہ وہ ان کے نزدیک منکر نہیں ہیں، اور کہا وہ احادیث (بس) غریب ہیں (یعنی ایسی اخبار واحدہ ہیں جن کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں، اور ظاہر ہے کہ خبر واحد غریب مردود نہیں ہوتی تو وہ احادیث کیوں مردود ہوں گی) اور بعض نے قیس پر ان کے مذہب کے اعتبار سے طعن کیا ہے اور کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے تھے اور مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے افضل سمجھتے اس لئے قدیم کوفی محدثین میں سے بہت سے حضرات نے اس

سے مروی روایت سے پرہیز کیا (تہذیب ۲۷/۶ طبع دار الحدیث قاہرہ)
لیجیئے جن محدثین نے ان پر طعن کیا خود امام یعقوب بن ابی شیبہ کے نزدیک وہ طعن قابل قبول نہیں ہے، مردود ہے ، پھر جب قیس عثمانی یعنی حضرت عثمان کو حضرت علی سے افضل سمجھنے والے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے ہوئے تو اگر یہ روایت حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر طعن کا سبب ہوتی وہ کیوں بیان کرتے ؟
بعض محدثین نے ان کی روایات کو منکر کہا تو اس بارے میں صرف یحیی بن سعید القطان کا قول ذکر ہے کہ انہوں نے قیس کو منکر الحدیث کہا ہے کسی اور کا نام کتب اسماء الرجال میں ذکر نہیں ،تو یہاں بھی قاضی صاحب نے دانستہ یا نا دانستہ خیانت کی ہے کیوں کہ آگے علامہ ابن حجر کا تبصرہ تو بیان کرنا چاہیئے تھا وہ قاضی صاحب ہضم کر گئے ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں

ومراد القطان بالمنکر الفرد المطلق (تھذیب ۲۸/۶)

یحیی قطان کے منکر کہنے سے مراد فرد مطلق ہے،

یعنی یحیی بن سعید کے منکر کہنے سے مراد یہ ہے کہ قیس کئی روایات میں اکیلے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اکیلے ہونا کوئی جرح نہیں ہے نہ راوی ضعیف ٹھہرتا ہے، پھر حدیث کلاب حوأب تو ایسی منکر نہیں بنتی کیوں کہ اس کی روایت میں قیس اکیلا نہیں ہے جیسا کہ سندوں پر بحث گذری ہے ،قاضی صاحب نے جو کہا کہ بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے تو کتب اسماء الرجال میں قیس کے متعلق ضعیف ہونے کا قول کسی بھی محدث کا نہیں ملتا یہ قاضی صاحب نے خوامخواہ محدثین کے ذمہ لگایا ہے، جس پر میں زیادہ تبصرہ کروں تو قاضی صاحب جلالی آدمی لگتے ہیں جوش میں آجائیں گے ،بس اتنا کہوں گا کہ اس حرکت سے قاضی صاحب کی پوزیشن قیس کی اس پوزیشن سے بھی گر گئی جو قیس کی پوزیشن قاضی صاحب کے نزدیک ہے، ہاں اب یہ سوال ہوگا کہ اور نہ سہی تو منکر الحدیث تو کہہ دیا گیا تو کیا اس سے قیس ضعیف نہیں ہوا اور کیا قیس کی روایات ضعیف نہ ہوں گی؟ تو جواب یہ ہے کہ محدثین نے قطان کے قول کے باوجود قیس اور اس کی روایات کو ضعیف نہیں مانا چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اجمعوا علی الاحتجاج بہ ومن تکلم فیه فقد آذیٰ نفسهٗ (میزان الاعتدال ۳۹۳/۳ ،تھذیب التھذیب ۲۸/۶)

محدثین نے اس کی روایات کو حجت بنانے پر اجماع کیا ہے اور جس نے قیس پر کلام کیا اس نے اپنے آپ

کو(خوامخواہ) تکلیف میں ڈالا ہے،

حديثهٔ محتج به في كل دواوين الاسلام (تذكرة الحفاظ ۱/۴۹)

اس کی حدیث تمام دفاتر اسلام میں حجت بنائی گئی ہے ،

قاضی صاحب !اپنے پر رحم کر کے آئندہ اپنی جان کو اس تکلیف میں نہ ڈالیں ،نہ اپنے قارئین اور ہم لوگوں کو تکلیف دیں، یہ آپ کی مہربانی ہوگی، جب محدثین نے اس سے حجت لینے پر اجماع عملی کرلیا تو آپ کی حیثیت اس اجماع کے مقابلہ میں کیا ہے؟ اور آپ کون ہوتے ہیں اس اجماع کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والے؟ بہرحال قیس ثقہ ہے،اس کی روایات حجت ہیں ،نہ ضعیف ہے، نہ مردود الروایت ہے،اور قیس تو اکیلا بھی نہیں ہے اس لئے حدیث غریب بھی نہیں رہتی ،قیس کا متابع امام مسروق ہے،۔۔۔۔۔۔ پھر قیس سے روایت کرنے والے اسماعیل بن ابی خالد ہیں

اسماعیل بن ابی خالد:

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی کوفی ہیں،تہذیب التہذیب میں تقریباً ڈیڑھ صفحہ میں ان کا ترجمہ ہے اور سب محدثین کی توثیق اور تعریف نقل ہے جلیل القدر تابعی ہیں تفصیل سے ان کے متعلق محدثین کی آراء ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ،ابن مہدی نسائی،ابن معین ،عجلی ،ابوحاتم ،یعقوب بن ابی شیبہ،ابن حبان ،یعقوب بن سفیان ،وغیرہم سے توثیق نقل ہے، کسی نے ضعیف نہیں کہا،اسماعیل سے روایت کرنے والے دس راوی ہیں ،یعنی شعبہ،یزید بن ہارون ،جریر،عبدہ ،ابواسامہ،وکیع ،علی بن مسہر،یعلی بن عبید،محمد بن فضیل، یحیی بن سعید قطان ہیں،

شعبہ بن الحجاج **الحجة الحافظ شيخ الاسلام** ہیں(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴۴)یزید بن ہارون **الحافظ القدوة شيخ الاسلام** ہیں(ایضاً ۱/۲۳۱)جریر بن عبدالحمید **الحافظ الحجة محدث الرى** ہیں(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹۹)عبدہ بن سلیمان کوفی **الامام الحافظ** ہیں(ایضاً ۱/۲۲۷)ابواسامہ حماد بن اسامہ **الحافظ الامام الحجه** ہیں(۱/۲۳۴)وکیع بن الجراح بن ملیح **الامام الحافظ الثبت محدث العراق احدالائمة الاعلام** ہیں(۱/۲۲۳،۲۲۴)علی بن مسہر کوفی **الامام الحافظ قاضى الموصل** ہیں(۱/۲۱۲)یعلی بن عبید طنافسی **الحافظ الثبت** ہیں(۱/۲۴۴)محمد بن فضیل ابن غزوان کوفی **المحدث الحافظ** ہیں(۱/۲۳۰) یحیی بن سعید قطان بصری **الامام العلم سيد الحفاظ** ہیں(۱/۲۱۸)یہ سارے اکابر محدثین میں سے ہیں،تفصیل چوں کہ بہت ہوگئی اس لئے

ان میں سے ہر ایک کا تفصیلی ترجمہ ذکر نہیں کیا، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث میں ان سب کو درج کیا ہے ،ان میں سے کسی ایک پر کوئی معمولی کلام ہوا بھی ہے تو محدثین نے اس کو درست نہیں سمجھا اور ان سب حفاظ حدیث کی حدیثوں کو حجت اور صحیح مانا ہے ،لیجیئے ان راویوں تک امام احمد بن حنبل کی ایک سند اور امام ابن ابی شیبہ ،نعیم بن حماد، اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ چار ائمہ محدثین کی سند مکمل ہوگئی ،معلوم ہوا کہ قیس کی حدیث کلاب حوأب والی ان ائمہ کی سند بالکل صحیح ہے ،اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ آگے کی تحقیق کی جائے ،لیکن اختصار کے ساتھ آگے کی سند پر بھی بحث کر لیتے ہیں ،امام احمد کی دوسری سند میں امام شعبہ سے روایت کرنے والے محمد بن جعفر ہذی غندر ہیں صحاح ستہ کے راوی ہیں ثقہ ہیں کتاب سے حدیث صحیح بیان کرتے ہیں ہاں ان میں غفلت ہے(حافظہ سے بیان کرنے میں کبھی غلطی لگ جاتی ہے)(تقریب)شعبہ سے روایت کرنے میں مضبوط ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر یہی ہے کہ یہ روایت بھی چوں کہ صحیح بیان کی ہے اس لئے کتاب سے بیان کی ہوگی ، یہاں تک امام احمد کی دوسری سند مکمل ہوگئی ، یہ سند بھی اگر(غندر کی غفلت کی وجہ سے گو وہ حارج نہیں ہے)اونچے درجہ کی صحیح نہ مانیں تو حسن درجہ سے کم نہیں ہے، یاد رہے کہ محدثین مسند احمد میں امام احمد کی مرویات میں سے بعض کے متعلق موضوع ہونے کی بات بالکل نہیں کرتے ،ہاں ان کے بیٹے عبداللہ کی ان کے دوسرے مشائخ سے مروی روایات اور ابوبکر قطیعی کی بعض روایات پر یہ کلام کرتے ہیں ،اور چوں کہ حدیث کلاب حوأب خود امام احمد کی مرویات میں شامل ہے اس لئے محدثین کی ایسی کلام اِس کے بارے میں گھسیڑ دینا قاضی صاحب کے لئے درست نہیں ہے،

امام ابویعلیٰ کی سند میں محمد بن فضیل سے روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن صالح ہیں

عبدالرحمٰن بن صالح:

یہ عبدالرحمٰن بن صالح ازدی عتکی ابوصالح کوفی بغدادی ہیں یہ سچے راوی ہیں ،البتہ ان میں تشیع ہے (تقریب)امام یحیی بن معین فرماتے ہیں یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کو آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے آدھے حرف میں بھی جھوٹ بولنے سے ،امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین ،موسیٰ بن ہارون ،ابن حبان اس کو ثقہ کہتے ہیں ،ابوحاتم صدوق (سچا) کہتے ہیں ،ابن عدی فرماتے ہیں اس کے متعلق حدیث میں ضعیف ہونے کا تذکرہ نہیں ہوا نہ میں حدیث میں اس کو متہم کرتا ہوں ،ابوقاسم بغوی فرماتے ہیں میں نے اس کو یہ کہتے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے افضل آدمی حضرت ابوبکر اور عمر ہیں رضی اللہ عنہما (تہذیب ۴/۳۲۲،۳۲۳) یہاں تک امام ابویعلیٰ کی سند مکمل ہوئی تو یہ

سند بھی اگر عبدالرحمٰن کے تشیع کی وجہ سے (گو وہ صدق کی وجہ سے حارج نہیں) صحیح نہ مانیں تو بھی حسن ثابت ہوئی،
امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی سند میں عبدہ بن سلیمان سے روایت کرنے والا ابن نمیر ہے

ابن نمیر:

یہ عبداللہ بن نمیر کوفی ہے جو **الحافظ الامام** ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۳۹) ثقہ، محدث اہلسنت میں سے ہے (تقریب) تو امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی سند بھی بالکل صحیح ہوئی، اس میں تو کوئی ایسا راوی بھی نہیں ہے جس پر ذرا سا تشیع کا الزام ہو،
امام ابن حبان کی سند میں امام وکیع اور علی بن مسہر سے روایت کرنے والے عثمان بن ابی شیبہ ہیں

عثمان بن ابی شیبہ:

یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ عبسی کوفی ہیں، ثقہ اور حافظ حدیث مشہور محدث ہیں، البتہ ان کے بعض اوہام ہیں (تقریب) امام ابن معین فرماتے ہیں ثقہ قابل اطمینان ہیں، ذہبی فرماتے ہیں اس کی کئی اکیلی اور غریب روایات ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۴، ۲۵) عثمان متابع کا محتاج نہیں، وسعت علمی کی وجہ سے اس کی اکیلی روایات پر نکیر نہیں کی جاسکتی، بخاری مسلم نے ان پر اعتماد کیا ہے (میزان الاعتدال ۳/۳۷) عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کرنے والا عمران بن موسیٰ بن مجاشع ہے،

عمران بن موسیٰ بن مجاشع:

یہ عمران بن موسیٰ بن مجاشع جرجانی محدث جرجان ہے، امام ذہبی **الحافظ الثقہ** کہتے ہیں، اور یہ کہ ثقہ مضبوط صاحب تصانیف ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۳۲) یہاں تک امام ابن حبان کی سند بھی مکمل ہوگئی، اس سند کے راویوں میں بھی ایسا کوئی عیب نہیں جس سے سند ضعیف ہو، تو ابن حبان کی سند بھی صحیح ہے، اب ایک امام حاکم اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کی سندوں کی بحث باقی رہی، امام حاکم کی سند میں یعلی بن عبید سے روایت کرنے والا محمد بن عبدالوہاب عبدی ہے،

محمد بن عبدالوہاب العبدی:

یہ ابو احمد محمد بن عبدالوہاب العبدی الفراء ہیں، امام ذہبی ان کو **محدث نیسابور** لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۲۲) اور امام ذہبی اور عبدالحی بن احمد العکری حنبلی ان کو **الفقیہ الادیب** علم کے خزانہ لوگوں میں سے ایک بتاتے ہیں (**العبر فی خبر من غبر** ۱/۳۹۳، **شذرات الذھب** ۳/۳۰۶) امام عفیف الدین یافعی (م ۷۶۸ھ

) بھی ان کو **الفقیه ،الادیب ،الاوحد** (بے مثال) علم کے خزانوں میں سے ایک لکھتے ہیں **(مرأة الجنان وعبرة الیقظان ۲/ ۱۳۹)** علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور عارف ہے (تقریب ۲/۱۰۸) محمد بن عبدالوہاب سے روایت کرنے والا محمد بن یعقوب شیبانی ہے،

ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی ہیں امام ابومحمد عفیف الدین یافعی رحمہ اللہ ان کو **الحافظ** لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں محدث نیشاپور ہیں ، مسند کبیر لکھی ہے اور صحیحین پر بھی تصنیف لکھی ، اور باوجود حدیث وعلل واسماء رجال میں مہارت کاملہ کے نیشاپور سے سفر نہیں کیا **(مرأة الجنان وعبرة الیقظان ۲/ ۲۵۳)** امام ابویعلی خلیلی خلیل بن احمد قزوینی (م ۴۴۶ھ) فرماتے ہیں اخرم سے مشہور ہے ثقہ اور حافظ ہے ، امام حاکم فرماتے ہیں میں نے دیانت اور علم میں ان کا مثل نہیں دیکھا **(الارشاد فی معرفة علماء الحدیث ۳/ ۸۳۵)** امام ذہبی **الامام الحافظ الحجة** لکھتے ہیں ، سنہ ۲۵۰ھ کو پیدا ہوئے ، حدیث جمع کی اور خوب محفوظ کی ، وسعت علم کے باوجود حدیث کے لئے سفر نہیں کیا اپنے شہر پر اکتفاء کیا ، حاکم کہتے ہیں ابن شرقی کے بعد ہمارے شہر کے صدر المحدثین تھے ، حفظ کرتے اور سمجھتے ، **المستخرج علی الصحیحین** اور **المسندالکبیر** لکھی **(سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۴۶۶)** امام ابوعبداللہ محمد بن یعقوب سے روایت کرنے والے خود امام حاکم ہیں ، چوں کہ امام حاکم بھی قاضی صاحب کے ہاں مجروح ہیں اس لئے ان کے حالات اور ثقاہت لکھنے کی بھی ضرورت ہے اس لئے لکھے جاتے ہیں ،

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم:

یہ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم الضبی الطہمانی نیشاپوری ہیں ، امام ذہبی ان کو **الحافظ الکبیر امام المحدثین** سے ذکر کرتے ہیں سنہ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے ، سنہ ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے ، تیس سال تک حدیث کا سماع کیا خراسان ، ماوراء النہر وغیرہ شہروں میں گھومے ، دو ہزار سے زیادہ محدثین ان کے استاذ ہیں ابوالعباس الاصم ، ابوعبداللہ الاخرم ، ابوبکر النجاد وغیرہم سے حدیث لی ، امام بیہقی ، دارقطنی ، ابوذر ہروی ، ابویعلی خلیلی وغیرہم ان کے شاگرد ہیں ، امام خلیل بن عبداللہ الحافظ فرماتے ہیں ثقہ ہیں وسیع العلم ہیں **(تذکرة الحفاظ ۳/۱۶۲،۱۶۳)** اور ذہبی فرماتے ہیں ثقہ اور حجت ہیں **(العبر ۲/ ۲۱۰))** امام عبدالغافر بن اسماعیل فرماتے ہیں اپنے زمانہ کے محدثین کے امام ہیں ، حدیث کی اچھی طرح پہچان رکھنے والے ہیں **(تذکرہ ۳/ ۱۶۴)** امام ابوحازم العبدوی فرماتے ہیں اپنے

زمانہ کے محدثین کے امام تھے،امام دارقطنی فرماتے ہیں یاد رکھنے میں خوب مضبوط ہیں (۱۶۵/۳)ابویعلی خلیل فرماتے ہیں عالم ہیں ،عارف ہیں ،وسیع علم والے بہت تصانیف والے ہیں ،اس سے بڑھ کر علم میں میں نے نہیں دیکھا(**الارشادفی معرفة علماء الحدیث ۸۵۱/۳**)امام مبارک بن احمد ابن المستو فی (م ۶۳۷ھ)فرماتے ہیں حاکم ثقہ اور حجت تھے(**تاریخ الاربل ۱۵۷/۲**)امام سیوطی **الحافظ الکبیر امام المحدثین** لکھتے ہیں (**طبقات الحفاظ ۴۱۱/۱**)امام خیرالدین بن محمود بن محمد زرکلی دمشقی (م ۱۳۹۶ھ)فرماتے ہیں اکابر محدثین ومصنفین میں سے ہیں،صحیح حدیث کی تمیز وعلم سب سے زیادہ رکھتے ہیں (**الاعلام ۲۲۷/۶**)امام ابوحاتم فرماتے ہیں ان کے ثقہ ہونے پر اجماع قائم ہوگیا ہاں تشیع کی طرف منسوب ہیں(**فیض القدیر ۳۳/۱**)

کیا امام حاکم رافضی ہیں؟

اب ایک بات رہ گئی جس کو قاضی طاہر علی صاحب لئے پھرتے ہیں، یہ کہ حاکم شیعہ ہے یا رافضی؟امام تقی الدین عبدالوہاب سبکی شافعی رحمہ اللہ (م ۷۷۱ھ) نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے فرماتے ہیں کہ امام حاکم پر تشیع کا الزام لگا ہے،اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کرتے ہیں (حضرت عثمان سے افضل جانتے ہیں)صحابہ پر طعن کیئے بغیر،

فنظرنافاذاالرجل محدث لایختلف فی ذالک ،وھٰذہ العقیدة تبعدعلی محدث فان التشیع فیھم نادروان وجدفی افرادقلیلین ،ثم نظرنامشائخہ الذین اخذعنھم العلم فوجدناھم من کباراھل السنة ومن المتصلبة فی عقیدة ابی الحسن کالشیخ ابی بکربن اسحاق الصبغی والاستاذابی بکربن فورک والاستاذابی سھل الصعلوکی وامثالھم وھؤلاء ھم الذین کان یجالسھم فی البحث ویتکلم معھم فی اصول الدیانات ومایجری مجرھا،ثم نظرناتراجم اھل السنة فی تاریخہ فوجدناہ یعطیھم حقھم من الاعظام والثناء مع ماینتحلون ،

ہم نے غور کیا تو یہ محدث ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا اور ایسا عقیدہ محدث پر بعید ہے کیوں کہ ان میں تشیع نادر ہے اگر چہ تھوڑے افراد میں پایا گیا، پھر ہم نے ان کے استاذ دیکھے جن سے علم لیا تو وہ اکابر اہل سنت اور سخت قسم کے ابوالحسن اشعری کے عقیدہ والے تھے جیسے شیخ ابوبکر بن اسحاق صبغی ،استاذ ابوبکر بن فورک،استاذ ابوسہل صعلوکی وغیرہ،اِنہی کے ساتھ امام حاکم کسی تحقیق کے لئے مجلس کرتے اور دین کے اصولوں وغیرہ میں گفتگو کرتے ،پھر ہم نے

حاکم کی تاریخ میں غور کیا تو اس میں دیکھا کہ وہ اہل سنت اکابرین کو ان کا حق دیتے ہیں یعنی عظمت کا بیان اور تعریف بمع ان کے عقائد کے (مزید فرماتے ہیں) پھر ہم نے امام ابوالقاسم ابن عساکر کو دیکھا کہ انہوں نے امام حاکم کو ان اشعریوں میں شمار کیا جو اہل تشیع کو بدعتی کہتے اور شیعوں سے اظہار برأت کرتے ہیں، تو ہمیں اِس شخص پر لگائی ہوئی تہمت میں شک ہو گیا پھر ہم نے تفصیلات دیکھیں تو ہمیں نظر آیا کہ طعن کرنے والے یہ ذکر کرتے ہیں کہ محمد بن طاہر المقدسی نے ذکر کیا کہ اس نے ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا حدیث میں ثقہ ہے اور رافضی خبیث ہے، اور یہ کہ ابن طاہر نے کہا کہ حاکم اندر سے سخت متعصب شیعہ تھا اور افضلیت اور خلافت کے مسئلہ میں سنی ہونا ظاہر کرتا تھا، اور حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے غلو کرتے ہوئے منحرف تھا اس کا کھل کر اظہار کرتا اور اس سے کوئی عذر نہ کرتا۔ (مزید لکھتے ہیں)

استخرتُ الله طویلاًو استهدیته التوفیق و قطعتُ القول بان کلام ابی اسماعیل و ابن طاهر لایجوز قبولهٔ فی حق هٰذاالامام لمابینهم من مخالفة العقیدة و مایرمیان بهٖ من التجسیم اشهر ممایرمی به الحاکم من الرفض

میں نے اللہ تعالی سے بہت استخارہ کیا اور توفیق ہدایت مانگی اور اس بات کو یقینی سمجھ لیا کہ ابو اسماعیل اور ابن طاہر کی کلام کو اِس امام کے حق میں قبول کرنا جائز نہیں، کیوں کہ دونوں میں عقیدہ کی مخالفت ہے اور تجسیم کی جو تہمت اِن دو پر ہے وہ امام حاکم پر رفض کی تہمت سے زیادہ مشہور ہے،

ولم یبلغناان الحاکم ینال من معاویة و لایظن ذالک فیه و غایة ماقیل فیه الافراط فی ولاء علی کرم الله وجههٔ

اور ہم تک یہ بات (صحیح) نہیں پہنچی کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے، اور اس کا ان میں گمان بھی نہیں کیا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ ان کے متعلق جو کہا جا سکتا ہے تو یہ کہ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بہت زیادہ محبت ہے (**طبقات الشافعیه الکبری للسبکی** ۴/ ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳)

معلوم ہوا کہ امام حاکم رحمہ اللہ پر خوامخواہ الزام لگا دیا گیا، اور پھر ہر بعد والا بحوالہ ابن طاہر نقل کرتا رہا، حالاں کہ ابن طاہر کے سوا اس کی کوئی سند نہیں،

امام ذہبی نے بحوالہ ابن طاہر ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے نقل کر کے کہ حاکم رافضی خبیث ہے، امام ذہبی

فرماتے ہیں

ان اللہ یحب الانصاف ماالرجل برافضی بل شیعی فقط (میزان الاعتدال ۳/۶۰۸،لسان المیزان ۵/۲۳۳)

اللہ تعالی انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی آدمی نہیں ہے صرف شیعہ ہے،

کلالیس ہورافضیاًبل یتشیع،کذاقال شیخ الاسلام الانصاری ولم یصب فان الحاکم لیس برافضی بل ہوشیعی معظم للشیخین بیقین ولذی النورین وانماتکلم فی معاویۃ رضی اللہ عنہ فأوذی (سیراعلام النبلاء ۱۲/۵۷۶)

ہرگزنہیں وہ رافضی نہیں ہیں بلکہ تشیع اختیار کرتے ہیں،شیخ الاسلام انصاری نے یہ کہا لیکن ٹھیک نہیں کہا،کیوں کہ حاکم رافضی نہیں بلکہ شیعہ ہے یقیناً شیخین اورعثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی تعظیم کرتا ہے،بس اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلام کیا تو اس کوستایا گیا،

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ یہاں تو امام ذہبی نے ان کے رافضی ہونے کی نفی کردی ہے لیکن تلخیص المستدرک میں ایک روایت کے تحت امام ذہبی فرماتے ہیں

قبح اللہ رافضیاًافتراہ اوراس کاترجمہ کیااس رافضی کابراہو،یہ روایت اس نے خودگھڑلی ہے

،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حالاں کہ یہ ترجمہ بالکل غلط اور جملہ کی ترکیب نحوی کے خلاف ہے،قاضی صاحب کونحو سے واسطہ ہے تو ذراسوچیں کہ قاضی صاحب نے **قبح اللہ رافضیاً** کوایک جملہ اور **افتراہ** کوالگ دوسرا جملہ بناکرترجمہ کردیااورترجمہ میں بھی کئی محذوفات مان کراضافے کردیئے،صحیح ترجمہ اس طرح ہے

''اللہ تعالی اُس رافضی کابراکرے جس نے اِس کوگھڑاہے''

اب یہ ایک جملہ ہوااورکوئی محذوف نہیں ماننا پڑا،اس میں **رافضیاً** موصوف **افتراہُ** صفت ہے،موصوف صفت مل کر**قبح** فعل کامفعول بہ ہے،قاضی صاحب کاترجمہ مانیں توامام حاکم پرایک الزام نہیں دوالزام لگیں گے اول یہ کہ امام حاکم رافضی ہیں،دوم یہ کہ حدیث گھڑتے ہیں یعنی وضاع بھی ہیں حالاں کہ کسی نے آج تک ان پروضع کاالزام نہیں لگایا،دراصل امام ذہبی فرمانا چاہتے ہیں کہ جس رافضی نے اس کوگھڑاہواللہ اس کابراکرے نہ یہ کہ امام حاکم رافضی ہے

اور اس نے اس کو گھڑا ہے اور اللہ امام حاکم کا برا کرے **استغفر الله** ،

اس پر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ اگر راوی مراد ہو تو اگر گھڑنے والا راوی رافضی بنتا ہے تو اس روایت کو صحیح سمجھنے والا بدرجہ اولیٰ اس لقب کا مستحق ہوگا (علمی محاکمہ ص ۴۵۱)

جواب یہ ہے کہ کسی کا مذہب محض قیاس سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے اس طرح قیاس سے امام حاکم کو رافضی نہیں کہہ سکتے، ممکن ہے کہ ان کے نزدیک روایت کی کوئی صحیح توجیہ ہو مثلاً حضور ﷺ کا مقصود صحابہ یا بالخصوص خلفاء راشدین کے علاوہ باقی امتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افضل عمل والا ہونا بتانا ہو، تو بتایئے پھر کیوں رافضی ٹھہریں گے ؟ کیا تاویل ہو سکے تب بھی اور نہ ہو سکے تب بھی بہر حال امام حاکم کو رافضیوں کی جماعت میں ہی شامل کر کے چھوڑنا ہے؟

ابن طاہر کے حالات:

یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ابن طاہر نے جو امام انصاری سے حاکم کا رافضی خبیث ہونا ذکر کیا ہے تو بیشک ابن طاہر محدث ہیں ،اور ان کے استاذ انصاری رحمہ اللہ بھی محدث ہیں ،مگر ابن طاہر کے متعلق حافظ ابوالفضل بن ناصر فرماتے ہیں یہ ایسا ہے جس سے حجت نہیں لی جا سکتی ،اس نے ایک کتاب لکھی جس میں بے ریش لڑکوں پر بدنظری کو جائز ثابت کرنا چاہا ،اور اس میں امام یحیی بن معین سے حکایات نقل کیں ،اور فرمایا یہ مذہب اباحت رکھتا تھا (تاریخ بغداد ۲۱/۲۴۲) تو اگر واقعی ایسی بات ابن طاہر سے ثابت ہو تو اس کی منقول روایت درست نہیں مانی جا سکتی ،امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ سے معلوم ہوا کہ ابن طاہر داؤد ظاہری کا مذہب رکھتا تھا اور ظاہریہ کے نزدیک خوبصورت لڑکوں کو دیکھنا (بدنظری) جائز ہے اور ابن طاہر بھی ان میں سے ہونے کی وجہ سے جائز سمجھتا تھا (حالاں کہ بدنظری گناہ ہے)اور ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن طاہر کے مذہب اباحت سے اباحت مطلقہ جو زندیقیت ہے مراد نہیں بلکہ صرف سماع جائز قرار دیتا تھا ،ابن عساکر کہتے ہیں ابن طاہر کی بکثرت کتابیں ہیں لیکن ابن طاہر کثیر الوہم ہے ،اس کے اچھے اشعار ہیں نحو اچھی طرح نہیں جانتا تھا ،سلفی کہتے ہیں فاضل تھا معرفت رکھتا تھا لیکن **لحنہ** تھا (**لحنہ** کے دو معنی لغت میں ہیں جس کی غلطی لوگ بکثرت پکڑیں ،اور جو لوگوں کی غلطی بہت پکڑے ،یہاں قرین قیاس دوسرا معنی معلوم ہوتا ہے [کھیڑ مزاج] مطلب یہ ہوا کہ قاضی طاہر علی صاحب کا ہم مزاج تھا گو وہ ظاہری تھا یہ حنفی ہیں)(تذکرۃ الحفاظ ۲۹/۴) بہر حال مخالفت مذہب وعقیدہ کی وجہ سے امام حاکم پر الزام لگا دیا ،اسی کو مذہبی تعصب کہتے ہیں ،اور ایسے

دومخالفین کی ایک دوسرے پر جرح مردود ہوتی ہے،اور یہ باتیں کہ حاکم کہتے کہ حضرت علی وصی ہیں، وغیرہ ممکن ہے کہ وہ بھی ایسے راوی کی نقل کردہ ہوں، بے بنیاد ہیں،

اوپر مذکورامام سبکی کی عبارت سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی کہ اِن حضرات کا فرقہ مجسمہ سے ہونا مشہور ہے ،اورحاکم اہل سنت شافعی ہیں اِس اختلاف عقیدہ نے اُن کوایسی باتوں پر مجبور کیا ہوگا ، یہ نہیں کہا جا رہا کہ انہوں نے جان کرجھوٹا الزام لگا دیا ہوگا بلکہ ان کے اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی غیر نے ایسی غلط فہمیاں ڈال دی ہوں گی ،اورغلط فہمی سے آدمی الزام لگا دیتا ہے اوراپنے کوسچا سمجھ رہا ہوتا ہے اورواقع میں بات غلط ہوتی ہے مگر آدمی اس میں معذورہوتا ہے،ایسا ہی معاملہ یہاں ہوا ہوگا،

رہاان کا شیعہ ہونا تو اگر ثابت ہوتو شیعہ ہونا ایسا عیب نہیں جس سے روایات رد ہوں ، ورنہ جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا انتہائی محبت علی پر مخالفین نے شیعان علی میں سے ہونے کا الزام لگا دیا ہوگا،شاید یہ ایسا ہو جیسے امام نسائی کو اہل دمشق نے شیعہ مشہورکردیا حالاں کہ اہل دمشق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ونفرت تھی ،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل نہیں سننا چاہتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ہی سننا چاہتے تھے،امام نسائی نے ایسے ہی لوگوں کی غلط فہمی اور بد مذہبی دور کرنے کے لئے کتاب خصائص علی رضی اللہ عنہ لکھی ،اوراس میں حدیث طیر بھی تحریر کی ،حالاں کہ وہ امام اہل سنت ہیں،ایسے ہی امام حاکم کو سمجھیں،امام حاکم کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت بڑھانے والوں نے امام حاکم کی مخالفت کی،اورامام حاکم کی شیعیت سے شہرت انہی کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ لگتا ہے،شاید امام نسائی کی طرح ان کا قصد بھی فضائل علی بیان کرکے فضا کی اصلاح ہو،اور مخالفین علی نے کئی دوروں میں کئی لوگوں کو شیعان علی سے شہرت دے دی، جیسے اِن لوگوں نے امام نسائی کو اتنی تکلیف دی کہ آخر اسی تکلیف سے فوت ہوگئے،ایسے لوگ امام حاکم کو ستانے کے درپئے ہوئے اوران کا منبر تک توڑ دیا تھا اوران کو نکلنے نہیں دیتے تھے، یہ محمد بن کرام کے لوگ تھے جوفرقہ کرامیہ کہلاتے ہیں (البدایہ ۱۱/۳۵۵،طبقات الشافعیین لابن کثیر) کتاب مستدرک دیکھیں تو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق خلفاء راشدین کی ترتیب بیان کی ہے،اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے **خلیفة رسول الله ﷺ ابی بکر بن ابی قحافة الصديق رضی الله عنه** کہہ کر مناقب شروع کئے ،لقب عتیق ،صدیق ،حضور ﷺ کے ساتھ ان کی مناسبت وموافقت ،اول مسلم بننا،صحابہ کا سردار،حضور ﷺ کا اپنی زندگی میں انکوامام بنانا،پھر حضور ﷺ سے منقول ان کے مناقب بیان کئے،صحابی کے خواب

میں ترازو پر حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پھر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہ کا تولا جانا پھر ترازو کا آسمان پر چلا جانا ذکر ہے جس سے حضور ﷺ کے بعد ان کا پھر حضرت عمر کا پھر حضرت عثمان کا خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے رضی اللہ عنہم بیان کی، حدیث **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر** جو بلافصل خلافت صدیق وفاروق کی دلیل ہے بیان کی، اور خلافت کے تیس سال ہونے کی حدیث بیان کی (جو قاضی صاحب نہیں مانتے، اس پر آگے تفصیل بیان ہوگی انشاء اللہ) جس سے چاروں خلفاء راشدین کا برحق خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے ،حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا حضور ﷺ کو سب سے محبوب ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا بالاجماع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ماننا اور خلیفہ کہنا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا عنوان قائم کیا، حضور ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ سے مانگنا، ان سے اسلام کا غلبہ ہونا، کمالات نبوت کا کچھ حصہ ملنا (**لو کان بعدی نبی لکان عمر**) ملہم من اللہ ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان وقلب پر حق وارد ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد) سب سے افضل ہونا (**ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر**) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے میں صحیح الرائے ہونا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کی، پھر فضائل امیر المؤمنین ذی النورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کیا، اس میں پہلے پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے میں بے قصور ہونا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل، ام المؤمنین کی حدیث جس میں مسجد کی بنیاد رکھنے میں اول نبی کریم ﷺ نے پھر حضرت ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم نے پتھر اٹھایا اور حضور ﷺ نے فرمایا عائشہ! یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے (کیا یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں؟) عثمان رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، فتنہ واختلاف میں ان کا حق پر ہونا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والوں اور خلافت چھوڑنے کا کہنے والوں کا منافقین ہونا، حضور ﷺ کا ان سے خوش ہوکر دنیا سے جانا، پھر ان کی شہادت اور اس کے بعض اسباب بیان کئے، اسی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بزبان علی رضی اللہ عنہ داماد نبی ہونا، آخر میں پھر جنتی ہونا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عنوان دیا، ان کے والدین کے حالات، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب، حضور ﷺ کا غدیر خم کے موقع پر **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** فرمانا، اہل بیت کی عظمت (جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اہل بیت میں شامل ہونا ثابت ہے) ان کا اسلام لانا، مزید مناقب، پھر

جنگ جمل وصفین میں ان کا حق کے زیادہ قریب ہونا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کی وعید، روافض جو حب علی میں بڑھے، خوارج جو بغض علی میں بڑھ گئے ان کے خلاف حضورﷺ کا ارشاد کہ یہ دونوں ہلاک ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات، ان سے محبت لازم ہونا، ان کا جنتی شہید ہونا، اہل فتن سے قتال، ان کے قاتل کا اشقیٰ ہونا، میرے بعد امت آپ سے عہد شکنی کرے گی، شہادت، خلافت تیس سال ہونا، شیعہ کے عقیدہ رجعت وغیرہ کا رد، وغیرہ، یہ سب امام حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے، کیا اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ وہ بایں معنی شیعہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ یا ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے؟ جب مستدرک میں ان کا ظاہر یہ ہے تو باطن میں شیعہ کیسے کہے جا سکتے ہیں؟ قاضی طاہر علی صاحب کے ذہن میں ابن طاہر سے منقول یہ بات بیٹھ گئی کہ جی وہ باطن میں شیعہ تھے، ظاہر میں سنی ہونا ظاہر کرتے تھے، سوال یہ ہے کہ کیا ابو اسماعیل یا ابن طاہر علیم بذات الصدور بن گئے تھے؟ کیا قاضی صاحب ان کو اسی صفت سے موصوف مان چکے ہیں کہ جی انہوں نے جو کہہ دیا کہ باطن میں شیعہ تھے تو واقعی شیعہ تھے؟ امام عبدالوہاب سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثم انیٰ لہ اطلاع علی باطن الحاکم حتی یقضی بانہ کان یتعصب للشیعۃ باطناً(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۴ / ۱۶۴)

پھر ابن طاہر کو امام حاکم کے باطن پر کہاں سے اطلاع ہوگئی کہ فیصلہ دیتا ہے کہ امام حاکم باطن میں متعصب شیعہ تھے،

لہٰذا قاضی صاحب دماغ میں گھسے ہوئے شیطانی وساوس کو دور کریں، دور نہ ہوں تو ادھر توجہ نہ کریں کہ یہی وساوس کا علاج ہے،

امام حاکم کی بیان کی ہوئی بعض حدیثوں کی تحقیق:

قاضی طاہر علی صاحب بعض روایات کی بناء پر بھی امام حاکم کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا ذکر بھی ضروری ہے، اور کچھ نہیں تو علمی فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا،

حدیث طیر:

ایک حدیث طیر ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو صحیح ماننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین سے افضل ہونا لازم آتا ہے، لہٰذا ہم حدیث طیر کا انکار کرتے ہیں تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر افضلیت ثابت نہ

ہوجائے،**لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ،حدیث طیر کا مضمون یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھونے ہوئے پرندہ کا گوشت لایا گیا تو آپ نے دعا کی اے اللہ جو مخلوق میں سے تجھے بہت محبوب ہوایسا شخص میرے پاس لے آ،وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے ،۔۔۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔۔۔الخ (مستدرک ۳/۳۴۳،۳۴۴)

سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ صرف اس سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ **احب الخلق الی اللہ** ہوئے،اور خلق میں حضرات شیخین بھی ہیں تو شیخین سے بھی احب (زیادہ محبوب) ہوئے لہذا افضل ہوگئے؟ ہرگز نہیں،حدیث کی ایسی تاویل کرنی چاہیئے جس سے دوسری نصوص کے معارض نہ رہے،اپنی عقل سے کچھ سمجھ کر حدیث کو دوسری حدیث سے معارض ٹھہرالیا یہ تو اپنی عقل کو معیار بنانا ہے،ہماری ناقص عقل ہرگز معیار نہیں ہے،تو اب تاویل کیا ہوسکتی ہے؟

علامہ سید علی بن سلیمان شاذلی رحمہ اللہ حاشیہ ترمذی **نفع قوت المغتذی** میں اور ملا علی قاری مرقات میں امام تورپشتی سے نقل فرماتے ہیں

قال التورپشتی باحب خلقک ای من ھومن احب خلقک الیک فیشارکۂ غیرہ وھم المفضلون باجماع الامۃ فھو کقولہٖ عمرُافضل الناس واعقلھم ای من افضلھم واعقلھم ومما یبین لک ان حملہ علی العموم ممنوع انہ ﷺ من جملۃ خلق اللہ ولایجوزان یکون احب الیہ منہ فیرادبہٖ احب خلقہٖ من قرابتہٖ وقدکان ﷺ یطلق القول ویریدتقییدہٗ ویعم بہٖ ویریدتخصیصہ فیعرفہ ذوالفھم بالنظرلحال اووقت اوامرھوفیہ (حواشی ترمذی ۲/۲۱۵ طبع فاروقی کتب خانہ ملتان،مرقات ۱۱/۲۵۰ طبع مکتبہ رشیدیہ)

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں [**باحب خلقک**] کا معنی ہے [**مَن ھومِن احب خلقک**] جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی لوگوں میں سے تیرے بہت محبوب بندوں میں سے ایک ہو،اب **احب الخلق** میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوں گے یعنی وہ جن کو باجماع امت فضیلت حاصل ہے،تو یہ فرمان نبوی ایسے ہے جیسے آدمی کا قول [**عمر افضل الناس واعقلھم**] عمر سب لوگوں سے افضل اور سب سے زیادہ عقل والا ہے یعنی سب سے افضل اور سب سے سمجھدار (دوسرے جو لوگ ہیں ان) لوگوں میں سے ایک ہے،اور جو بات

تیرے سامنے یہ واضح کرے گی کہ اس کو عموم پر محمول کرنا ممنوع ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی تو مخلوق میں سے ہیں ،اور یہ درست نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کو حضور ﷺ سے زیادہ محبوب ہوں ،لہٰذا اس سے حضور ﷺ کے رشتہ داروں میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب شخص مراد ہوگا،اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ مطلق بات بولتے اور مراد آپ کی مقید کرنا ہوتا اور عام بات بولتے اور مراد تخصیص ہوتی تھی جس کو سمجھ والا حالت یا وقت یا صورت جس میں آپ ہوتے دیکھ کر سمجھ جاتا تھا،

دوسری تاویل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسم تفضیل قرآن مجید میں اور احادیث میں بار ہا اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے،مثلاً **ھو اعلم بکم اذانشأکم من الارض و اذانتم اجنۃٌ فی بطون امھاتکم** اللہ تعالیٰ تم کو زیادہ جانتا تھا جب تم کو پیدا کیا زمین سے اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے (تب بھی زیادہ جانتا تھا) یہاں **اعلم** اسم تفضیل ہے جیسے حدیث طیر میں **اَحَبِّ** اسم تفضیل ہے،اسم تفضیل میں دوسرے کی بہ نسبت زیادتی کا معنی ہوتا ہے،تو آیت کا مطلب یہ ہوگا تمہاری زمین سے پیدائش کے وقت اور ماؤں کے پیٹوں میں رہائش کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں دوسروں سے زیادہ جانتا تھا یعنی دوسرے بھی کچھ جانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علم سے کم اور اللہ جانتا تھا دوسروں کے علم سے زیادہ،حالاں کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا،تو آیت میں **اَعْلَمُ** بمعنی **عَالِمٌ** ہے،ایسے ہی حدیث طیر میں اسم تفضیل **اَحَبُّ** اپنے معنی میں نہیں ہے،کہ مطلب یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں ،اور دوسرے محبوب تو ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کم ، بلکہ **اَحَبُّ** بمعنی اسم مفعول ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں لیکن دوسروں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے ،یعنی دوسرے بھی محبوب ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی محبوب ہیں گو حضرت ابوبکر و عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اُن سے زیادہ محبوب اور افضل ہوں (**ھٰذاالتو جیہ من عندی ملھَم من اللہ**)

لیجیئے اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم کا مفہوم ہی ختم ہوگیا،تو اگر کوئی اس حدیث کو صحیح کہہ دے وہ شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والا کیوں ٹھہرے گا؟

اب رہا یہ اشکال کہ خود امام حاکم پہلے کہتے تھے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ،اگر صحیح ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی افضل نہ ہو،حالاں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان سے افضل ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ،تو حدیث کا یہی مفہوم (**تفضیل علی علی الشیخین**)امام حاکم نے سمجھا،بعد میں ان کی رائے بدلی (اور سمجھے کہ حضرت علی شیخین سے

افضل ہیں، رضی اللہ عنہم) تو حدیث طیر کو مستدرک میں ذکر کر دیا (تو حاکم شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضلیت دینے والا ہوا)

جواب یہ ہے کہ امام ذہبی نے جو رائے اور اس کی تبدیلی ذکر کی ہے، تو اول تو امام ذہبی کو ان کی رائے اور رائے کی تبدیلی یقینی معلوم نہیں ہے، محض اندازہ اور گمان ہے کیوں کہ ذہبی تاریخ الاسلام (ج ۲۸ ص ۱۲۷) میں لفظ بولتے ہیں **فلعله تغیر رایه** ' شاید ان کی رائے تبدیل ہوگئی، تو یہ محض گمان ہوا اور کیا محض گمان سے کسی پر حکم لگ سکتا ہے؟ یہ تو ان **یتبعون الاالظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا** کا مصداق ہوا، پھر اگر بالفرض گمان صحیح ہو تو اس سے مراد یہ رائے نہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں بلکہ اس سے مراد حدیث طیر کی صحت وضعف کی رائے ہے یعنی پہلے اس حدیث کی سند صحیح نہیں سمجھتے تھے پھر رائے تبدیل ہوگئی اور حدیث کو صحیح سمجھے تو مستدرک میں درج کر دیا حالاں کہ پہلی رائے درست تھی، اور اگر رائے سے تفضیل علی والی رائے بھی ہو تو بھی کیا بغیر ثبوت محض گمان سے تشیع کا الزام ثابت ہو سکتا ہے جب کہ امام حاکم کا ظاہر اس کے بالکل خلاف ہے ؟

حدیث طیر کی پوزیشن:

پھر حدیث طیر کی حیثیت کیا ہے، آیا ثابت ہے یا نہ؟ اس حدیث کو کئی محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے ، امام ترمذی نے سنن میں، طبرانی نے معجم اوسط وکبیر میں، نسائی نے سنن کبریٰ وخصائص علی میں، امام ابن شاہین نے شرح مذاھب اھل السنۃ میں، امام ابونعیم اصفہانی نے فضائل الخلفاء الراشدین اور حلیۃ الاولیاء میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں درج کی ہے، تو اگر امام حاکم کا درج کرنا جرم ہے تو یہی جرم دوسرے محدثین کا ہے، اور اگر یہ حدیث ذکر کرنے سے امام حاکم شیعہ بنتے اور ثابت ہوتے ہیں تو دوسرے محدثین بھی شیعہ ثابت ہوتے ہیں، اور اگر دوسرے محدثین نے جرم نہیں کیا تو امام حاکم نے بھی جرم نہیں کیا،

امام صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی علائی (م ۷۶۱ھ) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں **مصابیح السنة** میں مذکور بعض احادیث پر ہونے والے طعن کے جوابات دیئے ہیں، چوں کہ **مصابیح السنة** میں حدیث طیر بھی ہے (۴۵۱/۲ رقم ۴۷۸۵) اس لئے اس پر بھی بحث فرمائی، فرماتے ہیں

ولہ طرق کثیرۃ غالبھاواہ ،وفی بعضھامایعتبربہٖ فیقوی احدالسندین بالآخر،وامثل ماوردبہ طریقان ،احدھماماروا ہ الترمذی من جھۃ عبیداللہ بن موسیٰ احدالمتفق علیھم عن عیسی بن

عمرو قدوثقه يحيى بن معين وغيره ولم يضعفه احد عن اسماعيل بن عبدالرحمن السدى وقداحتج به مسلم والناس عن انس رضى الله عنه قال كان عندالنبى ﷺ طيرفقال اللهم ائتنى باحب خلقك يأكل معى من هٰذاالطيرفجاء على رضى الله عنه فاكل ،وقال الترمذى هٰذاحديث غريب لانعرفهٗ من حديث السدى الامن هٰذاالوجه ،والسدى اسمهٗ اسماعيل بن عبدالرحمن وقدسمع من انس ورأى الحسن بن على رضى الله عنهما،ورواه النسائى فى خصائص على رضى الله عنه من حديث مسهربن عبدالملك عن عيسىٰ بن عمرومسهرقدوثقه ابن حبان وغيره ،وقال فيه النسائى ليس بالقوى ،والطريق الثانى رواه الحاكم فى المستدرك من رواية محمدبن احمدبن عياض انبأابى ثنايحيى بن حسان عن سليمان بن بلال عن يحيى بن سعيدعن انس رضى الله عنه اطول مماتقدم ،ورجال هٰذاالسندكلهم معروفون سوى احمدبن عياض فلم ارمن ذكره بتوثيق ولاجرح ،وذكرالحاكم اى لهٗ عن انس رواه كثيرون وانه ايضاًمن حديث على وابى سعيدوسفينة رضى الله عنه بطرق صحيحة ولم يسبق اسانيدها، وقدانتقد عليه ذالك ،وفى مقابلتهٖ ذكرالحافظ محمدبن طاهروابوالفرج بن الجوزى ان جميع طرق هٰذاالحديث ضعيفة واهية وكل من الطرفين (علماء) والحق انه ربماينتهى الى درجة الحسن اويكون ضعيفاًيحتمل ضعفهٗ واماان ينتهى الى كونه موضوعاًفى جميع طرقه فلا (النقدالصحيح لمااعترض من احاديث المصابيح ۵۰/)

اورحدیث طیر کی بہت سی سندیں ہیں اکثر واہی ہیں ،اوربعض میں ایسی بات ہے جس سے اعتبار کیا جاسکتا ہے تو ایک سند دوسری کے ذریعہ قوی ہوجائے گی ،اوراس حدیث کی سب سے اچھی دوسندیں ہیں ،ایک وہ ہے جوترمذی نے عبیداللہ بن موسیٰ کے طریق سے روایت کی ہے عبیداللہ ان راویوں میں سے ایک ہے جس پر اتفاق کیا گیا ہے ،عبیداللہ نے عیسیٰ بن عمر سے روایت کی اورعیسیٰ کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا،اورکسی نے ضعیف نہیں قرار دیا،عیسیٰ نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی سے اورسدی سے امام مسلم اوردوسرے محدثین نے حجت پکڑی ہے،سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ کے پاس پرندے تھے ،تو دعا کی اے اللہ! میرے پاس ایسا آدمی لے آجو تجھے لوگوں میں سے بہت محبوب ہو جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے ،تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

حاضر ہوئے اور کھایا، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم کوسدی کی روایت سے صرف اسی سند سے معلوم ہوئی، سدی کا نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن ہے، اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کا سماع کیا ہے، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، اور اس کو امام نسائی نے خصائص علی رضی اللہ عنہ میں مسہر بن عبدالملک سے **عن عیسی بن عمر** روایت کیا ہے، اور مسہر کو ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، اور نسائی نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے ، اور دوسری سندوہ ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ محمد بن احمد بن عیاض نے کہا مجھے میرے والد نے بیان کی احمد نے کہا ہمیں یحیی بن حسان نے سلیمان بن بلال سے انہوں نے یحیی بن سعید سے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے گذشتہ روایت سے لمبی روایت بیان کی ، اور اس روایت کے سب راوی مشہور ہیں سوائے احمد بن عیاض کے ، اور احمد کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے جرح یا تعدیل کی صورت میں ان کا ذکر کیا ہو، اور امام حاکم نے ذکر کیا کہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے، اور یہ کہ یہ روایت حضرت علی، ابوسعید خدری اور سفینہ رضی اللہ عنہم سے بھی صحیح سندوں سے مروی ہے، لیکن حاکم نے ان کی سندیں نہیں بیان کیں اور اس کلام پر حاکم پر تنقید کی گئی ہے، اور ان کے مقابلہ میں حافظ محمد بن طاہر اور ابوالفرج ابن جوزی نے کہا کہ اس روایت کی سب سندیں ضعیف اور واہی ہیں، اور ہر طرف علماء ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ روایت کبھی درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے، یا ایسی ضعیف ہوسکتی ہے جسکا ضعف برداشت ہوسکتا ہے، لیکن موضوع ہونے تک پہنچ سکے ایسا نہیں ہے،

علامہ ذہبی بھی فرماتے ہیں

واما حدیث الطیر فله طرق کثیرة جداًقدافردتهابمصنف ومجموعهاهویوجب ان یکون الحدیث له اصل (تذکرة الحفاظ ۳/۱٦٤)

رہی حدیث طیر! تو اس کی بہت ہی زیادہ سندیں ہیں جن کو میں نے مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، ان سندوں کا مجموعہ ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہو،

حدیث طیر کی بعض سندیں:

اس حدیث کی سندیں بہت ہیں،

پہلی سند:

(۱) مسند ابویعلی کی جو روایت ہے، اس میں امام ابویعلی (۱) حسن بن حماد وراق کوفی سے روایت کرتے ہیں ابن ابی حاتم، سراج کوفی حماد کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا،
(۲) حسن بن حماد مسہر بن عبدالملک سے روایت کرتے ہیں مسند ابویعلی میں ہے کہ مسہر ثقہ ہے، ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، حسن بن علی خلال اس کی اچھی تعریف کرتے تھے (تہذیب) حسن بن حماد ضبی نے کہا ثقہ ہے (میزان الاعتدال ۱۱۳/۴) ابن حجر کہتے ہیں لین الحدیث ہے (حدیث میں ڈھیلا ہے، تقریب)
(۳) مسہر عیسی بن عمر سے روایت کرتا ہے، یہ عیسی بن عمر اسدی ہمدانی ہے، امام احمد لابأس بہ، ابن معین اور نسائی اور خطیب اور ابن نمیر ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، عجلی ثقہ اور صالح کہتے ہیں، ابوحاتم لابأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں، ابوبکر بزار لابأس بہ کہتے ہیں (تہذیب)
(۴) عیسی بن عمر اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ قرشی سدی کبیر سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عمر، حضرت حسن، ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے، انس و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، یحیی بن سعید قطان کہتے ہیں، لابأس بہ یعنی ثقہ ہے، جس نے اس کا ذکر کیا خیر کے ساتھ کیا، اور کسی نے اس کو ترک نہیں کیا، امام احمد ثقہ کہتے ہیں، نسائی صالح یا لابأس بہ (یعنی ثقہ) کہتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں صحیح حدیث والا سچا لابأس بہ ہے، عجلی ثقہ تفسیر کا عالم کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے (تہذیب) اور سدی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، تو یہ سند حسن درجہ کی ہے،
امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رجال ابی یعلیٰ ثقات وفی بعضهم ضعف (مجمع الزوائد ۱۶۸/۹)

ابویعلی کی سند کے راوی ثقہ ہیں بعض میں ضعف ہے،
سنن نسائی کبری اور خصائص علی للنسائی کی سند بھی یہی ہے اس میں امام نسائی زکریا بن یحیی سے روایت کرتے ہیں، یہ زکریا بن یحیی السجزی دمشقی ہیں جو نسائی کے استاذ ہیں، امام نسائی اس کو ثقہ کہتے ہیں، حافظ عبدالغنی ثقہ و حافظ کہتے ہیں (تاریخ الاسلام ذہبی ۱۸۰/۲۱) عبدالحی بن احمد بن محمد عکری حنبلی اس کو الحافظ اور ثقہ کہتے ہیں (شذرات الذھب ۳۶۵/۳) امام نسائی نے اپنے اساتذہ میں صرف یہی ایک زکریا بن یحیی ذکر کئے اور فرمایا خیاط السنۃ اور ثقہ ہے (**مشیخۃ النسائی ۸۷/۱**)

دوسری سند:

امام طبرانی رحمہ اللہ کی معجم اوسط میں ایک سند ہے جس میں امام طبرانی احمد بن الجعد سے اور وہ سلمہ بن شبیب سے وہ امام عبدالرزاق سے وہ امام اوزاعی سے وہ یحیی بن ابی کثیر سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس سند کے راوی کیسے ہیں؟

یحیی بن ابی کثیر ثقہ صحاح ستہ کا راوی ہے، امام اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمرو ثقہ فقیہ صحاح ستہ کا راوی ہے، امام عبدالرزاق بن ہمام مصنِّف کے مصنف ثقہ عظیم امام صحاح ستہ کے راوی ہیں، سلمہ بن شبیب ثقہ مسلم و سنن اربعہ کے راوی ہیں، امام طبرانی کے استاذ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز بن الجعد جوہری وشاء بغدادی بصری کے متعلق امام دارقطنی فرماتے ہیں لابأس بہ ہے (یعنی ثقہ ہے) امام ذہبی فرماتے ہیں الشیخ الثقۃ العالم ہیں (**ارشادالقاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی ۹۸**) یہ تو بالکل صحیح سند ہے،

تیسری سند:

ترمذی کی جو سند ہے، اس میں حضرت انس سے روایت کرنے والا (۱) اسماعیل سدی کبیر ہے، جس کا ذکر ہو چکا ہے، (۲) اسماعیل سے روایت کرنے والا عیسی بن عمر ہے، اس کا ذکر بھی ہو گیا،

(۳) عیسی بن عمر سے روایت کرنے والا عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفی ہے، یہ امام بخاری کا استاذ ہے، ذہبی فرماتے ہیں بذات خود ثقہ ہے لیکن جلا بھنا شیعہ ہے، ابوحاتم کہتے ہیں سچا، ثقہ حسن الحدیث راوی ہے ہاں ابونعیم اس سے زیادہ مضبوط ہے، ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے، عجلی فرماتے ہیں ثقہ ہے قرآن کا علم رکھنے والا ہے علم قرآن میں سردار ہے، ابوداؤد کہتے ہیں جلا بھنا شیعہ ہے (مگر) اس کی حدیث درست ہوتی ہے،

(۴) عبیداللہ سے سفیان بن وکیع روایت کرتے ہیں، سفیان بن وکیع بن جراح رواسی کوفی پر جرح ہوئی ہے، ابن حجر کہتے ہیں سچا راوی ہے لیکن اس کا جو وراق تھا اس کی وجہ سے آزمائش میں پڑا کہ وراق نے اس کے ذمہ وہ لگا دیا جو اس کی حدیثیں نہ تھیں تو اس کو نصیحت کی گئی لیکن نہ مانا تو اسکی حدیث ساقط ہوگئی، ابن حبان نے بھی کہا شیخ فاضل سچا تھا لیکن وراق کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوا، امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے (کتاب الدعوات، ترمذی) تو اس روایت کی یہ سند کمزور ہے،

امام ہیثمی طبرانی سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

رواه البزار والطبرانی باختصار ورجال الطبرانی رجال الصحیح غیر فطر بن خلیفة وهو ثقة (مجمع الزوائد ۹/۱۶۹)

اس کو بزار اور طبرانی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا، اور طبرانی کے راوی ہیں صحیح کے راوی ہیں سوائے فطر بن خلیفہ کے اور فطر ثقہ ہے،

اگر مان لیا جائے کہ اس روایت کی سب سندیں ضعیف ہیں، تو محدثین کا اصول ہے کہ کسی روایت کی متعدد سندیں ہوں تو وہ سندیں ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں، ممکن ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے مجموعہ اسناد کو دیکھ کر اس کو صحیح سمجھا ہو، پھر اگر صحیح نہ مانی جائے تو کم از کم ہر طرح روایت ضعیف ہی ہوئی موضوع تو نہیں ہو سکتی، اور ضعیف حدیث فضائل میں لی جاتی ہے، اور چوں کہ حدیث کی صحیح توجیہ بیان کر دی گئی ہے اس لئے یہ حدیث شیعہ نظریہ کی تائید نہیں کرتی،

ایک اور حدیث کی وجہ سے امام حاکم پر رافضی ہونے کا طعن:

قاضی طاہر علی صاحب نے ایک اور حدیث کی وجہ سے بھی امام حاکم کو رافضی ثابت کرنا چاہا کہتے ہیں

حدیث **افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة** اور حدیث طیر کی رو سے اب رافضی کے لقب کے بھی بجا طور پر مستحق ہو گئے ہیں (علمی محاکمہ ۱/۴۵۷)

حدیث طیر پر بحث ہو چکی ہے،

حدیث مبارزت علی جس سے امام حاکم رافضی بنائے گئے:

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبدود کو سخت حملہ سے مار ڈالا تو مستدرک میں روایت ہے کہ اس کارنامہ پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

لَمبارزة علی بن ابی طالب لعمرو بن عبدود یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة (مستدرک ۳/۳۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خندق کے دن عمرو بن عبدود سے مقابلہ تا قیامت میری امت کے اعمال سے افضل ہے،

اول: تو امام حاکم نے اس روایت کو بیان کر کے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، علامہ ابن حجر نے **اتحاف المهرة(۱۳/۳۳۱ رقم ۱۶۷۹۸)** میں فرمایا کہ یہ روایت من گھڑت ہے، ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس کے تحت

لفظ فرمائے

قبح اللہ رافضیاًافتراہ، اللہ اس رافضی کا برا کرے جس نے اس کو گھڑا ہے،

امام ذہبی کے اِنہی لفظوں کا سہارا قاضی صاحب نے لیا حالاں کہ امام ذہبی **رافضیاً** کہہ کر امام حاکم کو رافضی نہیں کہہ رہے کیوں کہ ذہبی خود امام حاکم کے رافضی ہونے کی نفی کر چکے ہیں (**تذکرۃ الحفاظ ۱۶۶/۳** اور تذکرۃ الحفاظ تلخیص المستدرک کے بعد لکھی ہے) بلکہ جس رافضی نے اس حدیث کو گھڑا ہے اسی رافضی کو بددعا دے رہے ہیں اس لئے قاضی صاحب کا اس کو سہارا بنانا غلط اور **توجیہ القول بمالایرضیٰ بہ القائل** کے قبیل سے ہے،

دوم: حاکم نے محض ذکر کیا ہے اور محض ذکر جرم ہے تو امام دیلمی نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے (**الفردوس بمأثورالخطاب ،باب اللام ۴۵۵/۳ رقم ۵۴۰۶**) اور خطیب بغدادی نے اپنی سند سے (جو حاکم کی سند سے الگ ہے) تاریخ بغداد (۵۴۶/۱۴) میں ذکر کیا تو کیا امام دیلمی اور خطیب بغدادی بھی رافضی ٹھہرے؟

سوم: اگر روایت کی کچھ حیثیت ہو تو یہاں بھی مغالطہ اسم تفضیل کے صیغہ کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور اس کی توجیہ حدیث طیر میں مذکور توجیہ کی طرح ہوگی ،یعنی امت قیامت تک جو افضل اعمال کرے گی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بھی ان افضل اعمال میں شامل ہے، نہ یہ کہ سب عمل کرنے والوں کے اعمال سے بڑھیا عمل ہے، تو وہ اس عمل کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے افضل نہ ہوئے،

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے انحراف:

اب رہی یہ بات کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے والوں سے منحرف ہیں لہٰذا رافضی ہیں ،تو اس بارے میں ایک حوالہ ہمیں یہ ملا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں

ھو معظم للشیخین بیقین ولذی النورین ،وانماتکلم فی معاویۃ فأوذی (سیراعلام النبلاء ۵۷۶/۱۲)

امام حاکم حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی تعظیم واحترام کرتے ہیں ،بس انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بات کی تو ان کو ستایا گیا،

اب وہ کیا بات کی؟ اس کا ذکر قاضی صاحب کو ملے تو نقل کریں، آخر مطلق بات کرنے سے نہ آدمی رافضی بنتا ہے نہ شیعہ، ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوگا اور یہی کہتے ہوں گے اور کہنے پر مُصر ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق

پر تھے اور ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے، یہ بول تو آدمی کو رافضی نہیں بناتا بلکہ یہ تو اہل حق اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، مگر چوں کہ یہ مسلک قاضی طاہر علی صاحب کا نہیں ہے اس لئے قاضی صاحب اس کو لے کر امام حاکم کو رافضی بنا دینے پر مُصر ہیں، اس پر بحث اگلے صفحات پر ہوگی انشاء اللہ، قاضی صاحب نے امام ذہبی وغیرہ سے جو حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے انحراف کا حوالہ ذکر کیا، اُس انحراف سے بھی امام حاکم کو رافضی بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ لغت میں انحراف کا معنی یہ ہے کہ برگشتگی، روگردانی، اعراض، عدول حکم، نافرمانی، انکار، سرکشی، بغاوت، مخالفت، یہ لکھ کر کہتے ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم حضرت معاویہ سے اعلانیہ و برملا برأت کا اظہار کرتے تھے، اور یہ انحراف ومخالفت بھی انتہائی درجہ کی تھی، امام ذہبی کے قول میں **کان منحرفاً غالیاً** کے الفاظ ہیں جو شدید درجہ کا بغض ظاہر کرتے ہیں (علمی محاکمہ ص ۴۷۳)

انحراف کا یہ معنی اردو لغت سے نکال کر بس کہہ دیا کہ جی دیکھو جب لغت یہ معنی بتا رہی ہے تو ظاہر ہوا کہ امام حاکم کا انحراف یہی تھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ اور تبرا کرتے تھے (اور ظاہر ہے کہ صحابہ پر تبرا رافضی کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ حاکم رافضی تھے) قاضی صاحب کا لغت سے انحراف کا معنی متعین کر کے امام حاکم کو رافضی بنانا ایسا ہوگا جیسے شیعہ سبّ کا لفظ حدیث سے نکال کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصبی بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا

مامنعک ان تسُبَّ اباالتراب الحدیث (مسلم ۲/۲۷۸)

آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ نہیں کرتے،

ظاہر ہے کہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ کرو، تو جو شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ کرو وہ خود بھی سَبّ کرتا تھا، اور سَبّ کا معنی لغت میں برا بھلا کہنا، گالی دینا ہے، معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیتے اور دینے کا حکم کرتے تو وہ ناصبی ہوئے، **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؟ تو کیا اس طرح لغت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصبی ثابت کرنا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں، اسی طرح لغت سے اتنے بڑے محدث کو رافضی ثابت کرنا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ صحیح ثبوت سے ان کے انحراف کو متعین کرنا ضروری ہے، عربی لغت میں انحراف کا معنی ایک طرف جھکاؤ اور میلان ہے، ان کا زیادہ جھکاؤ حضرت علی رضی اللہ

عنہ کی طرف ہوگا، بہرحال مستدرک حاکم سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اوران کے لشکر کوخطاء پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان جنگوں میں صواب پر ہونا ثابت کرتے ہیں، بس یہی نظریہ اُس وقت کے اُمویوں کو برداشت نہ تھا تو انہوں نے امام حاکم کا رافضی ہونا مشہور کیا، قاضی صاحب نے ایک حکایت لکھی ہے

عبدالرحمٰن (صحیح ہے ابوعبدالرحمٰن) سلمی امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اوران سے درخواست کی کہ حضرت !لوگوں کا بس یہی مطالبہ ہے کہ اگر آپ باہر تشریف لاکر (آگے قاضی جی کی افسانہ نویسی کا نظارہ ہے) اپنے اس تبرا شریف سے معذرت کردیں اوراس شخص (یعنی حضرت معاویہ) کی شان میں کوئی حدیث بیان کردیں تو اس محصوری کی تکلیف سے راحت پالیں ،لیکن ــــــــ دومرتبہ با نگ دہل فرمایا،نہیں ایسانہیں ہوسکتا، میرے دل میں اس شخص (معاویہ) کی محبت نہیں آ رہی ،(آگے قاضی جی کی تقریر ہے اصل کتابوں میں نہیں ہے) یہ مخطی ء ہے اس نے مولاعلی کے خلاف جنگ کی ــــ (ساری تقریر نقل کرنے کی ضرورت نہیں ،اوروہ کسی کتاب کی عبارت کا ترجمہ نہیں قاضی جی کی مجلس وعظ ہے)(علمی محاکمہ ص ۴۷۴)

لیجیئے قاضی جی اپنی طرف سے کیسی بے اصول ترجمانی کرتے ہیں؟اور کیسے ترجمے کرتے ہیں، یہاں امام حاکم کے لفظ ہیں

لایجیء من قلبی ،لایجیء من قلبی ، اس کا ترجمہ کیا'' میرے دل میں اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی محبت نہیں آ رہی، اوراسی ترجمہ پر ان کا دعوی ثابت ہورہا ہے،

اول: تو اس روایت کے بارے میں امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والغالب علی ظنی ان ماعزی الی ابی عبدالرحمن السلمی کذب علیه ولم یبلغناان الحاکم ینال من معاویة ولایظن ذالک فیه وغایة ماقیل فیه الافراط فی ولاء علی کرم الله وجههٗ ومقام الحاکم عندنااجل من ذالک واماابن کرام فکان داعیة الی التجسیم لاینکراحد ذالک ثم ان ھٰذه حکایة لایحکیهاالاھٰذاالذی یخالف الحاکم فی المعتقدفکیف یسع المرء بین یدی الله تعالیٰ ان یقبل قولهٗ فیهااو یعتمدعلی نقلهٖ (طبقات الشافعیه الکبریٰ للسبکی ۴/۱۶۳)

میرا غالب گمان یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کی طرف جو یہ حکایت منسوب ہوئی یہ ان پر جھوٹ ہے، اورہم تک یہ

بات (صحیح) نہیں پہنچی کہ امام حاکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہا ہو، اور نہ یہ بات ان کے حق میں گمان کی جاسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ جوان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے وہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی محبت میں افراط ہے ، اور امام حاکم کا مرتبہ ہمارے نزدیک ایسی بات سے بلند ہے (وہ نہیں کہہ سکتے) اور ابن کرام تو فرقہ مجسمہ کی طرف داعی تھا (جن کے لوگوں کا گروہ امام حاکم کو باہر نہ نکلنے دیتا اصل عقیدہ کا اختلاف تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر بہانہ بنایا) اس کا کوئی بھی منکر نہیں، پھر یہ ایسی حکایت ہے جس کو ایسا شخص نقل کرتا ہے جو عقیدہ میں امام حاکم کا مخالف ہے تو آدمی کیلئے اللہ کے سامنے کیسے گنجائش ہوگی کہ ایسے کا قول اِس حکایت میں مان لے یا اس کی نقل پر اعتماد کرے،

دوم: اگر یہ حکایت صحیح ہو اور اس کا وہ مطلب ہو جو قاضی صاحب نکالتے ہیں، تو (بشرط ثبوت) علم اصول حدیث اور علم اسماء الرجال رکھنے والے امام ذہبی وغیرہ محدثین امام حاکم سے رفض کی نفی کیوں کرتے ہیں؟، اس پر قاضی جی کے پاس اِن محدثین پر حیرانگی کے سوا کچھ نہیں ہے،

سوم: **لایجیء من قلبی** کا یہ معنیٰ قاضی جی کے امام حاکم کے ساتھ بغض کو ظاہر کرتا ہے'' میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آسکتی ''**لایجیءُ** کا صلہ **مِنْ** آیا اور **مِن** صلہ آنے سے اس کا ترجمہ نہ آنا نہیں ہوتا نہ نکلنا اور نہ ظاہر ہونا ہوتا ہے، **لایجیء** کی ضمیر فاعل کا مرجع قاضی جی نے محبت بنایا جس کا پہلے کچھ ذکر نہیں آیا، صحیح ترجمہ اس طرح بنے گا میرے دل سے وہ نہیں ظاہر ہوتا، یا نہیں نکلتا، کیا ظاہر نہیں ہوتا؟ یعنی جو مقصود اِن لوگوں کا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صواب پر کہوں اس کا اظہار میرے دل سے نہیں ہوسکتا، اب اس میں کونسا تبرا ہے؟ خوامخواہ امام حاکم رحمہ اللہ کو رافضی بنا کے ہی چھوڑنا ہے تو بس دلیل ہو یا نہ کہہ دیں کہ وہ رافضی ہیں، کسی پر خوامخواہ الزام لگانے پر خدا تعالی کے ہاں جواب دہی کرنی ہوگی، سوچ لیجیئے روز قیامت کیا حجت پیش کریں گے؟

حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہٗ کی تحقیق:

امام حاکم کی شیعیت کے ثبوت میں ایک بات یہ بھی کی گئی کہ انہوں نے حدیث بیان کی ہے **من کنت مولاہ فعلی مولاہٗ**، گویا یہ حدیث صحیح ثابت نہیں، حالاں کہ یہ حدیث اصول حدیث کے مطابق خبر واحد ہی نہیں حدیث متواتر ہے جس کا انکار شدید تر گمراہی کہا جاتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے عظیم محقق فرماتے ہیں کہ جو حدیث دس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو وہ متواتر ہوتی ہے (بیان القرآن ج ا ر) اور حدیث **من کنت مولاہٗ فعلی**

مولاہ بھی دس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں، یہ حدیث (۱) حضرت جابر بن عبداللہ، (۲) ابوایوب انصاری، (۳) سعد بن ابی وقاص، (۴) ابوہریرہ، (۵) براء بن عازب، (۶) بریدہ (۷) ابوسریحہ یازید بن ارقم (۸) ابن عباس (۹) خود حضرت علی (۱۰) عبداللہ بن عمر (۱۱) طلحہ (۱۲) حبشی بن جنادہ (۱۳) ابوسعید خدری (۱۴) ابوبسطام مولیٰ ابی اسامہ (۱۵) مالک بن الحویرث (۱۶) انس بن مالک (۱۷) عمر بن خطاب (۱۸) حبیب بن ابی ثابت (۱۹) عباس بن عبدالمطلب (۲۰) ذی مر (۲۱) عمارہ (۲۲) جریر (۲۳) جندع انصاری (۲۴) حذیفہ بن اسید وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اس لئے علامہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متواتر شمار کیا ہے، اور فرمایا کہ علامہ عبدالرؤف مناوی نے علامہ سیوطی کی تیسیر اور شارح مواہب لدنیہ سے اس کا متواتر ہونا نقل کیا ہے، اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو ترمذی، نسائی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی بہت زیادہ سندیں ہیں، ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب میں ان سندوں کو جمع کیا ہے، اور اس کی اکثر سندیں صحیح یا حسن ہیں (نظم المتناثر ۱۹۴/۱۹۵، رقم ۲۳۲) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے (تاریخ الاسلام ۱۴/ ۳۳۸) اس حدیث کی مختلف سندوں کو جمع کرنے کے لئے امام ذہبی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے (**رسالة فی طرق من کنت مولاہ فعلی مولاہ**) علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح الحسنی الکحلانی (م ۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں ائمہ نے اس حدیث کو متواتر شمار کیا ہے (توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار ۱/ ۲۱۹، اصول الفقہ المسمی اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل/ ۹۸)

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند کے راوی مطلب بن زیاد اور عبداللہ بن محمد بن عقیل سچے راوی ہیں اور حضرت جابر صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، یہ ثلاثی حدیث ہے، اس کو امام ذہبی حدیث حسن کہتے ہیں، اور حضرت ابن عباس و بریدہ رضی اللہ عنہم کی سند کے راوی فضل بن دکین، عبدالملک بن حمید ابن ابی غنیۃ، اور حکم بن عتیبہ کندی اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ ثقہ اور فقہاء صحاح ستہ کے راوی ہیں،

اور ترمذی میں ابوسریحہ یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی حدیث کے راوی محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، سلمہ بن کہیل ثقہ و صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں (تقریب) یہ صرف تین سندوں کا حال ذکر کر دیا، جب یہ حدیث متواتر ہوئی تو متواتر حدیث کی سندوں پر بحث کی ضرورت نہیں ہے، یہ درست بات نہیں ہے بلکہ عاجزی کی دلیل بن سکتی ہے کہ جواب نہ بنے تو صحیح حدیث کو من گھڑت یا ضعیف ثابت کرنے پر زور صرف

کیا جائے، ہاں کسی طرح نصوص میں موافقت نہ رہے، اور صحیح توجیہ نہ بن سکے تو محقق اور راسخ فی العلم صاحب بصیرت کے لئے حدیث پر ایسی گفتگو کی گنجائش ہوسکتی ہے،

رہی یہ بات کہ شیعہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت بلافصل کی دلیل لیتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ جواب آسان ہے کہ اس حدیث کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کی ترغیب ہے مولیٰ کا معنیٰ خلیفہ بلافصل نہیں ہے ورنہ نبی کریم ﷺ کس کے خلیفہ بلافصل ہیں **من کنت مولاہ** کے مطابق کیا نبی کریم ﷺ ہر مؤمن کے خلیفہ بلافصل ہیں کہ **فعلی مولاہ** سے ہر مؤمن علی کو خلیفہ بلافصل مانے؟ ہرگز نہیں بلکہ مولیٰ بمعنی محبوب (محبت کیا ہوا) تو حضور ﷺ جس کے محبوب ہیں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے محبوب ہونے چاہیئں، اب اس میں کیا اشکال رہا اور شیعہ کے استدلال کی کیا گنجائش رہی؟

ایک بحث یہ رہ گئی کہ امام حاکم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کو خطاء پر کہتے ہیں، اس بارے اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے اور کیا امام حاکم اس سے رافضی ٹھہرتے ہیں اور کیا یہ بھی سَبّ میں داخل ہے؟ یہ بحث آگے مستقل عنوان میں ذکر ہوگی انشاءاللہ، اُسی سے حقیقت کا انکشاف ہوکر امام حاکم سے رافضیت کی تہمت صاف ہوجائے گی، انشاءاللہ ، ذرا انتظار فرمائیں،

آمدم برسر مطلب:

بات حدیث کلاب حوأب سے چلی تھی، مذکور بحث سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث کلاب حوأب کی صحت کا مدار مستدرک حاکم کی روایت پر نہیں ہے، امام حاکم کچھ بھی ہوں حدیث کلاب حوأب کی متعدد سندیں ہیں اور بالکل صحیح ہیں،

حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟

قاضی طاہر علی صاحب نے کہا کہ اگر بالفرض حدیث کلاب حوأب صحیح ہو، تو اس کا مصداق ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نہیں ہیں بلکہ ام زمل سلمی ہیں، لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ طبری کی جس روایت سے ام زمل کو مصداق بناتے ہیں، وہ روایت اس قابل نہیں کہ صحیح مانی جائے، یہ صاحب کمزور اخباری راویوں کی روایات لے رہے ہیں اور ثقہ راویوں کی روایات رد کررہے ہیں، بیشک روافض کی مخالفت بتقاضائے ایمان عین ایمان ہے مگر یہ کیسے درست ہے کہ ان کی مخالفت اور رد میں طرز اُنہی کا لے لیا جائے؟ اس بارے میں منقول طبری کی روایت ذرا بھی درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے

اور اپنی طرف سے صحت کا دعویٰ نہیں بلکہ خود حدیث نبوی سے اور محدثین وشارحین حدیث سے منقول اور ثابت ہے کہ حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں،

حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت سیدہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں:

چاہے قاضی صاحب کا ام زمل سلمٰی کو حدیث کا مصداق بنانا کتنے ہی خلوص پر مبنی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مصداق ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں، کیوں؟

اول: اس وجہ سے کہ خود حدیث کلاب حوأب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ام زمل مصداق نہیں بن سکتیں، مثلاً **قال لها** (حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا) **قال لنا** (ہم ازواج مطہرات کو فرمایا) **قال لازواجہ ،قال لنسائہ** (اپنی بیویوں کو فرمایا) **کان یوم من السّنة تجمع فیه نساء النبی ﷺ عندهٗ قال رسول ﷺ وهو عندازواجہ لیت شعری ایتکن تنبحها کلاب الحوأب** (سال میں ایک دن ہوتا تھا جس میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہوتیں تو بیویوں کے پاس موجودگی کے وقت آپ نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم میں سے کونسی ہوگی جس کو حوأب کے کتے بھونکیں گے) **لعلک صاحبة الجمل الادبب تنبحها کلاب الحوأب** (اے عائشہ! شاید تو بکثرت بالوں والے اونٹ کی سوار ہے جس کو حوأب کے کتے بھونکیں گے) (**معجم مااستعجم من اسماء البلاد والمواضع**) یہ متعدد روایات کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مخاطب آپ کی ازواج مطہرات تھیں اور ام زمل ازواج میں سے نہیں تھی،

خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا **انی لهیه ،اناواللہ صاحبة ماء الحوأب** میں اللہ کی قسم اس بیوی کا مصداق بن گئی ہوں (جس پر حوأب کے کتے بھونکے) (**امتاع الاسماع،البدایة**)

دوم: ہمارے اکابرین اسلاف بھی یہی سمجھے ہیں کہ حدیث کلاب حوأب کا مصداق ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں،

امام سیوطی نے حدیث کا عنوان دیا **نبح الکلاب علی بعض ازواجه** (کتوں کا نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات پر بھونکنا) (**مناهل الصفا**)

امام بیہقی نے عنوان دیا **ماجاء فی اخبارہ بان واحدة من امهات المؤمنین تنبح علیها کلاب الحوأب** (باب اس بیان میں جو آپ ﷺ نے خبر دی کہ امہات المؤمنین میں سے ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں

گے)(دلائل النبوۃ)

امام قاضی عیاض نے عنوان دیا وبنباح کلاب الحوأب علی بعض ازواجہٖ (آپ ﷺ نے خبر دی بعض ازواج مطہرات پر حوأب کے کتے بھونکنے کی)اور فرمایا فنبحت علی عائشۃ عند خروجھاالی البصرۃ (تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس وقت کتے بھونکے جب وہ بصرہ کی طرف نکلیں)(الشفاء ومن ذالک مااطلع علیہ من الغیوب)

علامہ تقی الدین مقریزی (م ۸۴۵ھ) نے یوں ذکر کیا وامامصدق اخبارہٖ ﷺ بان احدیٰ نسائہٖ تنبح علیھا کلاب الحوأب (اور آپ ﷺ کی اس خبر کا سچا ہونا کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)اور ذکر فرمایا(وانذر)ان بعض نسائہ تنبحھا کلاب الحوأب (آپ ﷺ نے ڈرایا کہ آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)(امتاع الاسماع)

امام طحاوی نے عنوان دیا ماروی عن رسول اللہ ﷺ من قولہٖ لنسائہٖ (باب اس کے بیان میں جو منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)(شرح مشکل الآثار)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں

ومما اخبربہ ﷺ من المغیبات نباح کلاب الحوأب علی بعض ازواجہٖ یعنی عائشۃ رضی اللہ عنھا(نسیم الریاض ۱۶۵/۳)

آپ ﷺ نے جن غیب کی باتوں کی خبر دی ان میں سے ایک آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر جس سے آپ ﷺ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حوأب کے کتوں کا بھونکنا ہے،

ملا علی قاری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ مراد ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (شرح شفاء ۱۶۵/۲،۱۶۶)

یہ سب عبارات اس بارے میں واضح ہیں کہ حدیث حوأب کا مصداق نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے بعض یعنی ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں،

ام زمل کے مصداق بننے کی روایت کی حیثیت:

جس روایت کے سہارے قاضی جی نے ام زمل کو حدیث حوأب کا مصداق بنایا وہ روایت تاریخ کی مختلف کتابوں میں ذکر ہے، باسند صرف طبری میں ہے باقی کتابوں میں بے سند ہے، طبری میں ہے،

قال السری حدثناشعیب عن سیف عن سھل و ابی یعقوب قال .....

سیف سہل وابویعقوب سے روایت کرتے ہیں کہ سہل وابویعقوب کا بیان ہے کہ غطفان کے مفرورظفر آئے یہاں ام زمل سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ بن بدرتھی، یہ اپنی ماں ام قرفہ بنت ربیعہ بن فلاں بن بدر کے مشابہ تھی، ام قرفہ مالک بن حذیفہ کے پاس تھی کہ اس کے فلاں فلاں ۔۔۔بچے ہوئے، یہ بھگوڑے اس سلمی کے پاس جمع ہوئے جوعزت میں ماں جیسی تھی، اس کے پاس ام قرفہ کا اونٹ تھا، یہ لوگ اس کے پاس ٹھہرے تو اس نے اِن کو غیرت دلائی اور جنگ کا حکم دیا، قبائل میں گھومی اور حضرت خالد بن ولید کے خلاف جنگ کی دعوت دیتی تھی، تو لوگ جمع ہوگئے اور دلیری کرنا چاہی، ہرطرف سے جدا ہونے والے یہاں آگئے، یہ ام زمل ام قرفہ کے زمانہ میں قید ہوئی تھی، اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملی تھی، اُنہی کے پاس رہا کرتی تھی، پھرقوم کے پاس واپس ہوگئی تھی، نبی کریم ﷺ ایک دن اِن عورتوں پر داخل ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بیشک تم میں سے ایک حوأب کے کتے بھونکائے گی، تو یہ کام سلمٰی نے کیا جب مرتد ہوئی۔۔۔۔(**تاریخ الطبری ۳/۲۶۴ ذکر ردۃ ھوازن وسلیم وعامر، معجم البلدان ۲/۳۱۴، تاریخ ابن خلدون ۲/۴۹۸**)

حدیث کلاب حوأب حدیث نبوی ہے، اورقاضی جی قاضی ہونے کی لاج نہ رکھتے ہوئے اس کو حدیث کی کتابوں کے بجائے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، یہ کیا انصاف ہے؟ پھر دیکھیں کہ اس کہانی کے شروع میں راوی ذکر ہیں کہ سری سیف سے اور سیف سہل وابویعقوب سے روایت کررہا ہے،

اس میں (۱) ابوعبیدہ سَرِی بن یحیی بن السری بن مصعب تمیمی کوفی ہناد بن السری کے بھتیجے ہیں، اُن کی تعریف کی گئی ہے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا اور فرمایا سچا راوی ہے (رجال الحاکم فی المستدرک رقم ۷۵۱)

(۲) وہ شعیب بن ابراہیم تمیمی سے روایت کرتے ہیں، اورشعیب بن ابراہیم تمیمی کوفی جو سیف کی کتابوں کا راوی ہے مجہول ہے (میزان الاعتدال ۲/۲۷۵، رقم ۳۷۰۴، المغنی فی الضعفاء ۱/۴۶۹، رقم ۲۷۶۹)

(۳) شعیب بن ابراہیم سیف بن عمر سے روایت کرتا ہے اور سیف بن عمر تمیمی ضبی کوفی سب محدثین کے ہاں مجروح ہے، امام ابن معین، نسائی، دارقطنی ضعیف کہتے ہیں، ابوحاتم اوردارقطنی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے، ابن حبان کہتے ہیں مضبوط راویوں سے من گھڑت روایتیں کرتا ہے اور محدثین نے کہا حدیث گھڑتا ہے، حاکم وابن حبان

کہتے ہیں زندیقیت سے متہم ہے (تہذیب التہذیب) امام ذہبی فرماتے ہیں بالاتفاق متروک ہے (المغنی فی الضعفاء ۴۶۰/۱، رقم ۲۷۱۶) ابوداؤد کہتے ہیں لیس بشی ء (بے حیثیت) ہے، ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر روایات منکر ہیں، جمیع فرماتے ہیں، حدیثیں گھڑتا تھا اور زندیقیت سے متہم ہے (میزان الاعتدال ۲۵۵/۲، ۲۵۶)

(۴) اور سیف بن عمر سہل وابو یعقوب سے روایت کرتا ہے، یہ سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری ہے ،علامہ ابن حجر کہتے ہیں مجہول الحال ہے ،ابن عبدالبر کہتے ہیں نہ سہل معروف ہے نہ اس کا باپ (لسان المیز ان ۱۲۲/۳) اور ابو یعقوب سعید بن عبید بھی مجہول راوی ہے (المعجم الصغیر لرواۃ الامام ابن جریر ۱۹۷/۱) اس لئے علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والحوأب ایضاًاسم مخلاف بالطائف قتلت فیه سلمیٰ المرادیة عتیقة عائشة وقیل ایضاًانهاالمرادة بالحدیث ایضاًلانهاکانت مع نسائه ﷺ لماحدثهن به کمافی المعجم والصحیح خلافهٔ لمایأتی فی بقیة الحدیث (نسیم الریاض ۱۶۶/۳)

اورحوأب طائف میں بھی ایک علاقے کا نام ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزادکردہ باندی سلمیٰ مرادیہ قتل کی گئی، اور کہا گیا کہ حدیث کلاب حوأب سے مراد بھی وہی ہے کیوں کہ جب نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث بیان کی سلمیٰ ازواج مطہرات کے ساتھ تھی جیسا کہ معجم میں ہے صحیح اس کے خلاف ہے (کہ حدیث سے سلمیٰ مرادنہیں) اس مضمون کی وجہ سے جو حدیث میں آگے آرہا ہے ،

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وفی معجم البلدان مادة حوء ب ان صاحبة الخطاب سلمیٰ بنت مالک الفزاریة وکانت سبیة وهبت لعائشة وهی المقصودة بخطاب الرسول الذی زعموه وقدارتدت مع طلحة وقتلت فی حروب الردة ومن العجیب ان یصرف بعض الناس هٰذه القصة الی السیدة عائشة ارضاء لبعض الاهواء العصبیة ،وفی هٰذاالکلام مؤاخذات (وفیه)وثوقه بماجاء فی معجم البلدان بدون اسنادومؤلفه لیس من اهل العلم بالحدیث وعدم وثوقه بمسندالامام احمدوقدساق الحدیث بالسندالصحیح ولابتصحیح الحافظ النقادالذهبی لهٔ ،الرابعة جزمهٔ ان صاحبة الخطاب سلمیٰ بنت مالک ..بدون حجة ولابرهان سوی الثقة العمیاء بمؤلف المعجم ..وبمثل هٰذه الثقة

لایجوزان یقال قال رسول اللہ ﷺ لسلمیٰ بنت مالک کذاو کذا،الخامسۃ ان الخبر الذی ذکرہٗ ووثق بہٖ لایصح من قبل اسنادہٖ بل واہ جداً (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۱/ ۸۵۱،۸۵۲)

(استاد صدیق کہتا ہے)معجم البلدان میں مادہ حوأب میں ہے کہ حضور ﷺ کی مخاطب سلمی بنت مالک فزاریہ ہے ،یہ قیدی ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملی تھی وہی حضور ﷺ کے اس خطاب سے مقصود تھی جوراویوں نے بیان کیا،اور وہ طلحہ کے ساتھ مرتد ہوئی ،ارتداد کی جنگوں میں ماری گئی ،عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ اس قصہ کو بعض عصبی خواہشات کو پسند کرتے ہوئے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پھیرتے ہیں (مولانا البانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں)اس کلام میں کئی قابل گرفت باتیں ہیں ،ایک یہ ہے کہ معجم البلدان میں جو بغیر سند کے آیا اور اس کا مصنف حدیث کا علم رکھنے والا نہیں اس پر(قائل نے)اعتماد کیا اور مسند احمد پر اعتماد نہیں کیا حالاں کہ انہوں نے صحیح سند کے ساتھ حدیث بیان کی ،اور نہ قائل نے حافظ نقاد ذہبی کے صحیح قرار دینے پر اعتماد کیا،اور یقین کرلیا کہ مخاطب سلمیٰ ہے جب کہ نہ کوئی حجت نہ دلیل ہے،صرف معجم بلدان کے مصنف پر اندھا اعتماد ہے،حالاں کہ ایسے اعتماد سے یہ کہنا جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمیٰ بنت مالک کو یوں فرمایا، پھر جو خبر ذکر کی اور اس پر اعتماد کیا سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ بہت ہی واہی ہے،

دیکھیں کہ قاضی صاحب کی حجت روایت کا یہ حال ہے،جس پر مدار رکھ کر نبی کریم ﷺ کی حدیث کی مراد بدل ڈالی ،ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہوا اور اس سے آپ ﷺ کی جو مراد ہوا اور وہ ظاہر بھی ہو اس سے پھیرنا حدیث نبوی میں تحریف معنوی کے زمرہ میں داخل ہے جس میں کچھ شبہ نہیں،اور ایسا کرنے والا نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والا ٹھہرتا ہے،جو بہت بڑا جرم ہے،

قاضی جی کی خیانت:

قاضی صاحب نے ام زمل کے مصداق ہونے کے لئے زرقانی شرح مواہب کا حوالہ بھی دیا اور ظاہر کیا کہ زرقانی شرح مواہب میں بھی ہے کہ حدیث حوأب کا مصداق ام زمل ہے،قاضی صاحب نے علمی میدان میں بڑی خیانت کی ہے، نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے

کبرت خیانۃً ان تحدث اخاک ھولک مصدق وانت بہٖ کاذبٌ (الجامع الصغیر رقم ۶۲۱۵ مسند احمد وطبرانی وغیرہ)

یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی کو ایسی بات کہے کہ اس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اس کو جھوٹ بول رہا ہو،

قاضی صاحب نے شرح زرقانی کو اپنا مؤید ظاہر کیا حالاں کہ شرح زرقانی میں ہے

وقیل المراد بالحوأب مخلاف بالطائف قتلت بہٖ سلمی مولاۃ عائشۃ وکانت مع نسائه لماحدثھن بذالک وھٰذالایصح لانه صرح بانھا تنجو وتلک قتلت .... (شرح الزرقانی ۱۰/۱۴۶، طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہ بھی کہا گیا کہ حوأب سے مراد طائف کا خاص علاقہ ہے جس میں سلمیٰ قتل ہوئی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ تھی، اور جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت وہ ازواج مطہرات کے ساتھ تھی (لیکن) یہ بات صحیح نہیں کیوں کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ وہ بچ جائے گی جب کہ سلمیٰ قتل ہوگئی ۔۔۔۔،

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حدیث کلاب حوأب کی مصداق ام زمل سلمیٰ ہے تو دونوں قسم کی روایات میں تعارض نہیں بلکہ تطبیق ہوسکتی ہے، اور وہ اس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق فرمایا کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے چنانچہ ان پر بصرہ کے راستہ میں موجود حوأب مقام کے کتے بھونکے، اور سلمیٰ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ حوأب کے کتے بھونکائے گی (نہ کہ اس پر بھونکیں گے) چنانچہ اس نے طائف کے علاقے والے حوأب کے کتے یعنی مرتد لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھونکائے ،اب تعارض والا اشکال بھی ختم ہوگیا، اور دونوں قسم کی روایات درست رہیں، اس بحث کے نتیجہ میں اس بارے میں آنے والی جتنی روایات ہوں سب صحیح ہوجاتی ہیں گو کسی کی سند میں ضعف بھی ہو مثلاً امام حاکم وبیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے

ذکر النبی ﷺ خروج بعض امھات المؤمنین فضحکت عائشۃ رضی اللہ عنھا فقال انظری یاحمیراء ان لاتکونی انت الحدیث

نبی کریم ﷺ نے امہات المؤمنین میں سے کسی ایک کے باہر نکلنے کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں ،آپ ﷺ نے فرمایا اے حمیراء دیکھنا وہ باہر نکلنے والی تو نہ ہونا،

یہ حدیث مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے **صحیح علی شرط الصحیحین** کہا مگر ذہبی نے فرمایا اس کا راوی عبدالجبار بن الورد بخاری مسلم کا راوی نہیں اس لئے **صحیح علی شرط الشیخین** نہیں ہے، امام ابن عساکر نے کتاب **الاربعین فی مناقب امھات المؤمنین** میں اس کو ذکر کرکے حدیث حسن کہا ہے (۷۱) امام

زرقانی شرح مواہب میں (۱۶/۷) فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے، محدثین کی جن عبارات میں ہے کہ حمیراء والی سب روایتیں من گھڑت ہیں، ان سے مستدرک کی اِس روایت کو مستثنیٰ کہا گیا ہے (مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ ۸۲/۳) سنن نسائی کبریٰ میں بھی ایک حدیث حمیراء کی سند صحیح ہے،

اب ایک بات رہ گئی کہ جب حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو تو اس حدیث کو لے کر روافض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جنگ جمل میں غلطی ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث سے ان کا خطاء پر ہونا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق وصواب پر ہونا ثابت ہوتا ہے،

صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعی غلطی سے معصوم ہیں،

تو اس بارے میں یاد رکھیں کہ اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل وقول دو قسم کے ہیں، ایک انفرادی، دوسرے اجماعی، اجماعی قول وعمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم کہے گئے ہیں،

امام نووی شرح مسلم میں اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں تین طلاق کے تین ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ صحابہ کا اجماع خطاء پر ہوا درست نہیں

وهم معصومون من ذالک (شرح مسلم ۱/۴۷۸، فتح الباری ۱۰/۳۵۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خطاء پر اجماع سے معصوم ہیں،

علامہ صدرالدین محمد بن علاؤالدین اذرعی صالحی دمشقی حنفی (م۷۹۲ھ) فرماتے ہیں

وهم معصومون عن الاجتماع علی ضلال (شرح العقیدة الطحاویة ۲۹۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گمراہی پر اکٹھے ہونے سے معصوم ہیں،

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وهم معصومون من الضلالة (مرقات ۱/۴۵۵ تحت رقم ۲۳۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم گمراہی (پر اجماع) سے معصوم ہیں،

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جمع قرآن کی بحث میں فرماتے ہیں

وهم معصومون ان یجتمعوا علی الضلالة (الفتاوی الکبریٰ ۴/۴۱۹، مجموعة الفتاوی ۱۳/۳۹۷)

صحابہ رضی اللہ عنہم گمراہی پر اجماع کرنے سے معصوم ہیں ،

شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ بن الفوزان شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے عقیدہ کی شرح میں فرماتے ہیں

وافرادھم لیسوامعصومین فقدیحصل من افرادھم خطاء ولکن عندھم من الفضائل مایغطی ھذاالخطاء اماامجاعھم فھم معصومون فیہ فالصحابۃ معصومون بجماعتھم (شرح عقیدۃ الامام المجددمحمدبن عبدالوھاب ۱۰۳/)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے افراد(الگ الگ)معصوم نہیں ہیں ، کیوں کہ کبھی کسی فرد سے خطاء ہوسکتی ہے، لیکن ان کے ایسے فضائل ہیں جو ایسی خطاء کو چھپا دیتے ہیں ، رہاان کا اجماع تو وہ اجماع میں (غلطی سے)معصوم ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجتماعی صورت میں معصوم ہیں ،

شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری فرماتے ہیں

واھل السنۃ والجماعۃ یعتقدون بان الصحابۃ معصومون فی جماعتھم من الخطاء ،واماافرادھم فغیرمعصومین (الوجیزفی عقیدۃ السلف الصالح اھل السنۃ والجماعۃ ۱۷۰/)

اہلسنت والجماعت عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماعی صورت میں خطاء سے معصوم ہیں ،لیکن افردا(الگ الگ)معصوم نہیں ہیں ،

معلوم ہوا کہ جس مسئلہ یا عقیدے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا وہ حق اور صواب ہے،اس میں خطاء اور گمراہی ہرگز نہیں ہے،

کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے متعدد فرامین میں ارشاد فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی ،اور اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا،اور امت کا پہلا اور کامل الایمان گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں وہ بطریق اولیٰ گمراہی اور خطاء پر اجماع نہیں کر سکتے تھے،

انفرادی رائے میں صحابی یا صحابیہ سے اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے:

رہا انفرادی قول وعمل ؟ تو اس میں کسی صحابی یا صحابیہ سے خطاء ہوسکتی ہے ،فرداً فرداً کسی صحابی کو معصوم نہیں مانا جاسکتا،حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیات ہی معصوم ہیں ، ان کے بعد کسی فرد کو معصوم ماننا درست نہیں مانا گیا بلکہ روافض کو کافر قرار دینے کی وجوہات میں سے ایک وجہ بارہ ائمہ کو معصوم ماننا ہے ،تو جب اہلسنت اماموں کو

معصوم ماننے پر روافض کو کافر قرار دیتے ہیں تو خود اہلسنت کسی فرد کو کیسے معصوم مانتے ہیں ؟ قاضی صاحب کی تحریر ایسا ظاہر کرتی ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معصوم تھے ،ان سے خطا ہو جانے کا کہنا ان کو سَبّ کرنا ہے،اور ایسا کہنے والا رافضی ہے،اس لئے امام حاکم بھی رافضی ہیں،**لاحول ولا قوۃ الاباللہ** ،آخر سوچنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے اور اہل حق کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ہر مجتہد خطاء بھی کر سکتا ہے اور درست رائے بھی سوچ سکتا ہے،اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان دونوں فریق کے بڑے بھی مجتہد تھے،تو ان کے اجتہاد میں بھی صواب کے ساتھ خطاء کا صدور بھی ممکن ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

اذاحکم الحاکم فاجتھدفاصاب فلہٗ اجران واذاحکم فاجتھدفاخطأفلہٗ اجرواحد (الجامع الصغیر ۵۶۵)

جب کوئی فیصلہ کرنے والا (مجتہد) فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کر کے درست رائے پر پہنچے تو اس کے لئے دگنا اجر ہے،اور جب فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور خطاء کرے تو اس کے لئے ایک گنا اجر ہے،

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مجتہد مخطیء بھی ہو سکتا ہے اور مصیب بھی ،اور بہر صورت مخطیء ہو تو بھی اجر ملتا ہے گناہ نہیں ہوتا مصیب ہو تو بھی اجر ملتا ہے،مخطیء کی صورت میں ایک گنا اور مصیب کی صورت میں دگنا ثواب پاتا ہے،لیجیئے اگر کسی صحابی سے خطاء مانی جائے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس صحابی نے گناہ کیا، بلکہ خطاء کر کے بھی ثواب ہی کمایا،تو خطاء کہنے سے کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ قرآن وسنت کی متعدد تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی بھی اجتہاد میں خطاء کر سکتا ہے، ہاں اللہ تعالی ان کو خطاء پر باقی نہیں رہنے دیتے ،تو صحابی سے اجتہاد میں خطاء کیوں نہیں ہو سکتی؟ بدر کے قیدیوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی رائے اور آپ کی موافقت کرنے والے کئی صحابہ کی رائے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا تھی،اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قتل کر دینے کی تھی،تو اگر چہ فدیہ لے لیا گیا مگر اللہ تعالی کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی

ماکان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ حتی یسخن فی الارض تریدون عرض الدنیاواللہ یریدالآخرۃ واللہ عزیزحکیم ،لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیمااخذتم عذاب الیم ،

جنگ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے پہاڑ کی ایک گھاٹی پر بٹھایا اور حکم دیا کہ جب تک یہاں سے اترنے کا حکم نہ ہو نہ اترنا،ابتداء میں فتح کی صورت ہوئی اور کافر بھاگ گئے ،تو اُن صحابہ رضی اللہ عنہم

میں اترنے سے متعلق اختلاف ہوا، اکثر اتر گئے کہ اب جنگ ختم ہوگئی ،لیکن دس یا کچھ اوپر گھاٹی پر ٹھہرے رہے، آخر حضرت خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر دیا جس سے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے اور کئی دوسرے صحابہ بھی ،اور خود نبی کریم ﷺ زخمی ہوگئے، کیا یہ اترنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاء اجتہادی نہیں تھی؟ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی خاص فرد کے اجتہاد میں خطاء نہ ماننا یہ اہلسنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے، یہ قاضی جی کا کشمیری عقیدہ ہے جو امت کو دینا چاہتے ہیں، ویسے مجھے لگتا ہے کہ قاضی صاحب شاید یہ سننا پسند نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحیح سوچ پر قائم کہا جائے ،جس سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ شاید قاضی صاحب خارجیت سے متأثر ہیں، اب اکابرین کی تصریحات بھی ملاحظہ کر لیں، تاکہ ردوقدح کی کوئی گنجائش نہ رہے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ اور ام المؤمنین وغیرہ رضی اللہ عنہم خطاء اجتہادی پر تھے:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اخرج البزارمن طریق زیدبن وھب قال بینانحن حول حذیفة اذقال کیف انتم وقدخرج اھل بیت نبیکم فرقتین یضرب بعضکم وجوہ بعض بالسیف ؟قلنایااباعبداللہ فکیف نصنع اذاادرکناذالک ؟قال انظروا الی الفرقة التی تدعواالی امرعلی بن ابی طالب فانھاعلی الھدیٰ (فتح الباری ۱۴/ ۴۳۸،ورجالہٗ ثقات مجمع الزوائد۷/ ۲۷۴)

امام بزار نے مسند میں میں زید بن وہب کی سند سے روایت کیا کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آس پاس تھے کہ (پیشین گوئی بیان کرتے ہوئے جو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے سن رکھی ہوگی) فرمایا تمہارا کیسا حال ہوگا جب تمہارے نبی کے گھرانے والے نکلیں گے اور تم دو جماعتیں بن جاؤ گے ایک دوسرے کے چہروں پر تلوار ماروگے، ہم نے عرض کیا اے ابوعبداللہ! جب ایسا ہو تو ہم کیا کریں؟ فرمایا اس جماعت کو دیکھنا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کی طرف بلائے گی وہ صحیح راہ پر ہوگی،

اس حدیث سے جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے معلوم ہوا کہ جنگ جمل میں حضرت سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ اور ان کی جماعت زیادہ صحیح رائے پر تھے ،

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا

انہ سیکون بینک وبین عائشة امر،قال انایارسول اللہ؟قال نعم ،قال انااشقاھم یارسول اللہ

؟قال لاولکن اذاکان ذالک فارددھاالی مأمنھا(مجمع الزوائد ۲۰۲۴ ا رواہ احمدوالبزاروالطبرانی ورجالہ ثقات)

تیرے اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان معاملہ ہوگا،عرض کیایارسول اللہ !میرا؟فرمایاہاں ،عرض کیا پھرمیں صحابہ میں سے انتہائی محروم شخص ہوں گا؟فرمایانہیں،لیکن جب ایسا ہوتو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کواس کی امن کی جگہ پہنچانا،

اس حدیث سے بھی یہی ظاہرہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غلطی نہیں ہوگی ،کیوں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایاتوشقی (یعنی صحیح رائے سے محروم)نہ ہوگا،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل ہے

مرعلی بن ابی طالب فقال الحق مع ذا،الحق مع ذا(ابویعلی ورجالہ ثقات ،مجمع الزوائد ۷/۴۷۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے تو آپﷺ نے فرمایاحق اِن کے ساتھ ہوگا،حق اِن کے ساتھ ہوگا،

امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشادفرمایا

تمرق مارقة عندفرقة من السلمین تقتلھااولی الطائفتین بالحق (الخصائص الکبریٰ ۲/۲۵۰)

مسلمانوں کے اختلاف کے وقت ایک نکلنے والی جماعت نکلے گی اس کومسلمانوں کی دوجماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جوحق کے قریب ہوگی،

اس حدیث میں مسلمانوں کے اختلاف سے مرادحضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسرے حضرات کااختلاف کرنا ہے ،اورباہرنکلنے والی جماعت سے مرادخوارج ہیں جواِسی اختلاف کے نتیجہ میں نکلے،حضورﷺ نے ارشادفرمایااِن دومیں سے جوجماعت خوارج کوقتل کرے گی وہ حق کے زیادہ قریب ہوگی ،اورخوارج کوحضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی جماعت نےقتل کیامعلوم ہواکہ جنگ جمل وصفین میں یہ حضرات زیادہ صحیح رائے پرتھے،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریمﷺ کاارشادنقل ہے کہ فرمایا

اقتدوابالذین من بعدی ابی بکروعمررضی اللہ عنھماواھتدوابھدی عمار(مجمع

الزوائد ۹/ ۴۸۴،مسندابی حنیفة)

میرے بعد ہونے والے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو،اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی راہ پر چلو، حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،اس لئے یہ جماعت زیادہ درست راہ پر تھی کیوں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اِن کے ساتھ تھے،اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی راہ اختیار کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا تو اس جماعت والوں کو آپ ﷺ کے حکم کی اتباع حاصل ہوئی،

اس حدیث کی تشریح میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

واستـدل بـه علی حقية خلافة علي و کون معاوية باغياًلقوله عليه الصلوة وا السلام ويحک ياعماريقتلک الفئة الباغية (شرح مسندابی حنيفة رحمه الله / ۲۴۵)

یعنی اس حدیث سے بھی دلیل لی گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (صورۃً)باغی تھے،حدیث فئہ باغیہ بھی اس کی مؤید ہے،

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے لیکن تلوار نہ چلاتے تھے،جب عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عملاً لڑنا شروع کر دیا(کہ اس حدیث کی وجہ سے ظاہر ہوا کہ عمار کو شہید کرنے والا گروہ غلطی پر ہے)(فتح الباری ۱۴/ ۴۲۶)

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر خطبہ دیا اور حمد وصلوۃ کے بعد اپنے خطبہ میں فرمایا

قاتلو الفئة الباغية الذين نازعواالامر اهلهٔ (الاستيعاب ۲/ ۱۲۹)

اس جماعت باغیہ سے لڑو جنہوں نے خلافت کے اہل سے خلافت میں نزاع کیا،

حضرت جری بن سمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب اہل بصرہ کا اختلاف تھا میں مدینہ طیبہ آیا حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا سلام عرض کیا،۔۔۔۔اور بتایا کہ حضرت علی وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان لڑائی ہوئی میں نے تو آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے ،تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا

فـالـحق بـہٖ فـوالله ماضل ولاضل بہٖ حتی قالتهاثلاثاً (رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح

غیر جری بن سمرة وهوثقة ،مجمع الزوائد ۹/ ۱۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل جا،اللہ کی قسم نہ وہ غلط ہوئے ،نہ اس کے ساتھ ہونے سے (ساتھ ہونے والوں کو)غلطی لگی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرماہیں اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے ہیں میں نے سلام عرض کیااور بیٹھ گیا،میں بیٹھا ہی تھا کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما لائے گئے ،پھرایک کمرے میں داخل کئے گئے اور دروازہ بند کردیا گیا،تھوڑی ہی دیر میں جلدی حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور فرمارہے تھے رب کعبہ کی قسم!اللہ تعالی نے میرے حق میں فیصلہ دیا،پھران کے بعد تھوڑی ہی دیر میں جلدی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے اور فرمارہے تھے رب کعبہ کی قسم!مجھے بخش دیا گیا(کتاب المنامات لابن ابی الدنیا رقم ۱۲۴)

خواب گوحجت قطعی نہیں مگر مردود بھی نہیں ہیں،قرآن وسنت کے مطابق ہوں تو قبول ہیں،اس خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ میرے حق میں فیصلہ دیا گیا دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے،اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ میری بخشش ہوگئی دلیل ہے کہ ان سے خطاء ہوئی اور اللہ کی طرف سے اِس خطاء کومعاف کردیا گیا کیوں کہ اجتہادی غلطی ہے،

حضور ﷺ کے صحابی ہیں حضرت حابس بن سعد طائی رضی اللہ عنہ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کوملک شام کے کسی علاقے کا والی بنایا تھا،اپنی ولایت کے دوران خواب دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑپڑتے ہیں ہرایک کے ساتھ ستارے ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا پھر تو سورج چاند میں سے کس کے ساتھ تھا؟عرض کیا چاند کے ساتھ،فرمایا بس کبھی بھی میرا والی نہ بن کیوں کہ تو دھیمی روشنی والے کے ساتھ ہوگیا،چنانچہ حضرت حابس رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ ہوکرلڑتے ہوئے شہید ہوگئے (الاستیعاب ۱/۱۸۳،ترجمہ حابس)

یہ خواب اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعبیر بھی ظاہر کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے،اور اِس صحابی کواور دوسرے حضرات کوحضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہیئے تھا،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کوگمراہ کہنا،یامعاذ اللہ کافر قرار دے دینا بہت بڑی گمراہی ہے،

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی انتہائی پرہیزگاری کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں میں ان کو شبہ تھا اس لئے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا لیکن وفات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر ان کے مخالفین کے خلاف نہ لڑنے پر افسوس کرتے تھے اور فرماتے

ماآسی علی شیء الانی لم اقاتل مع علی الفئة الباغية (الاستيعاب ۲/ ۱٦٨)

مجھے بس اسی چیز کا افسوس ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دے کر باغی جماعت سے لڑائی نہیں کی،

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی اس پر بہت افسوس کرتے تھے کہ (گو نہ تلوار چلائی ، نہ کسی کو نیزہ مارا، مگر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر (صورۃً) لڑائی میں شامل ہوگیا (کیوں؟) اس پر توبہ استغفار کرتے تھے (الاستیعاب ۲/ ۱۷۰) حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا تھا (اور کنارہ کش رہے تھے مگر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر افسوس کرتے تھے ،اور اس پر توبہ کرکے اس جہان سے گئے ہیں (الاستیعاب ۱/ ۴۱) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے پر لڑنا چھوڑ دیا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تھا کہ اس حدیث کے مطابق ہماری جماعت باغی بنتی ہے،حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو الزامی جواب دے کر چپ کرا دیا تھا (تاریخ الخمیس ۲/ ۲۷۷ ذکر خلافت علی رضی اللہ عنہ)

یہ مختلف احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی ہوئی،

علماء امت کی مختلف عبارات ملاحظہ ہوں

(۱) حضرت امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں

ومذهب اهل السنة والحق احسان الظن بهم والامساک عماشجربينهم وتاويل قتالهم وانهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا بل اعتقد كل فريق انه المحق ومخالفه باغ فوجب عليه قتالهٔ ليرجع الى امر الله وكان بعضهم مصيباً وبعضهم مخطيئاً معذوراً في الخطاء لانه باجتهاد المجتهد والمجتهد اذا اخطأ لا اثم عليه ،وكان علی رضی الله عنه هو المحق المصيب فی ذالک الحروب هذا مذهب اهل السنة (شرح مسلم ۲/ ۳۹۰)

اوراہل سنت اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کریں گے اور جولڑائیاں ہوئیں ان میں بحث نہ کریں گے، اوران کی لڑائیوں کی تاویل کریں گے اور یہ کہ وہ حضرات تاویل کرتے ہوئے اجتہاد کرنے والے تھے انہوں نے گناہ کا اور محض دنیا کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ ہرگروہ نے سمجھا کہ وہ حق پر ہے اوراس کا مخالف باغی ہے اس لئے اُس پر لڑنا لازم ہے تاکہ دوسرا اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، اوران میں بعض درست رائے والے اور بعض خطاء پر تھے مگر خطاء میں معذور تھے، کیوں کہ یہ خطاء مجتہد کے اجتہاد سے تھی، اور مجتہد جب خطاء کرلے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، اوران لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر اور درست رائے پر تھے یہی اہل سنت کا مذہب ہے،

(۲) علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقدصح عن النبی ﷺ انه انذربخارجة تخرج من طائفتین من امة یقتلهااولی الطائفتین بالحق فکان قاتل تلک الطائفة علی رضی الله عنهم فهوصاحب الحق بلاشک و کذالک انذرعلیه السلام بان عماراًتقتله الفئة الباغیة فصح ان علیاًهوصاحب الحق ....وان من نازعه فیهافمخطیء فمعاویة رحمه الله مخطیء مأجورمرة لانه مجتهد (الفصل فی الملل والاهواء والنحل ۴/۷۳)

نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے نکلنے سے ڈرایا جوامت کے دو جماعتوں میں سے نکلے (اورفرمایا) ان کو وہ گروہ قتل کرے گا جواُن دو جماعتوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اوران کے ساتھوں) نے خوارج سے لڑائی کی تو یقیناً وہ حق پر ہوئے، ایسے ہی آپ ﷺ نے ڈرایا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا تو اس سے بھی صحیح ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔۔۔اور یہ کہ جس نے خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی (گوخلافت کے لئے نہ تھی) وہ لڑنے والا خطاء پر ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے ہوئے مگر ایک گنا اجر پائیں گے کیوں کہ مجتہد تھے،

فائدہ: حدیث فئة باغیه سے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (۱) قتادہ بن نعمان (۲) ام سلمہ (مسلم) (۳) ابوہریرہ (ترمذی) (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص (نسائی) (۵) عثمان بن عفان (۶) حذیفہ (۷) ابوایوب (۸) ابورافع (۹) خزیمہ بن ثابت (۱۰) حضرت معاویہ (۱۱) عمرو بن العاص (۱۲) ابوالیسر (۱۳) عمار (طبرانی وغیرہ) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اوراس کی زیادہ تر سندیں صحیح ہیں یا حسن ہیں (فتح

الباری ۲/۸۷)علامہ محمد بن جعفر کتانی نے مزید اور راوی صحابہ بھی بیان کئے ہیں(۱۴)ابن مسعود(۱۵)ابوقتادہ(۱۶)عمرو بن حزم(۱۷)ابوسعید(۱۸)ابوہریرہ(۱۹)انس(۲۰)جابر بن عبداللہ(۲۱)ابن عباس(۲۲)جابر بن سمرہ (۲۳) زیاد بن الفرد(۲۴) کعب بن مالک(۲۵)ابوامامہ(۲۷)ام المؤمنین حضرت عائشہ(۲۸)زید بن ثابت(۲۹)عمار بن یاسر کی آزاد کردہ باندی،(۳۰)ابن عمر رضی اللہ عنہم،اور علامہ ابن حجر اور امام ابن عبدالبر اور محمد بن جعفرالکتانی اور علامہ سیوطی اور ذہبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ متواتر ہے (الاستیعاب ۲/۲۳۹،الاصابۃ ۴/۴۷،نظم المتناثر ۱۹۷/رقم ۲۳۷،خصائص کبری ۲/۲۳۹،تاریخ الاسلام ۳/۵۷۸)

(۳)علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وکانت عائشة وطلحة والزبیرومعاویة رضی الله عنهم ومن اتبعهم مابین مجتهدومقلدفی جوازمحاربة امیرالمؤمنین سیدناابی الحسنین الانزع البطین رضوان الله علیه وقداتفق اهل الحق ان المصیب فی تلک الحروب والتنازع امیرالمؤمنین علی رضوان الله علیه من غیرشک ولاتدافع والحق الذی لیس عنه نزول انهم کلهم رضوان الله علیهم عدول لانهم متأولون فی تلک الخصومات مجتهدون فی هاتیک المقاتلات فانه وان الحق علی المعتمدعنداهل الحق واحداًفالمخطیء مع بذل الوسع وعدم التقصیرمأجور لا مأزور (لوامع الانوارالبهیة ۲/۳۸۶،۳۸۷)

حضرت ام المؤمنین اور طلحہ،زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی جائز سمجھنے میں کوئی مجتہد تھے کوئی ان کے مقلد،اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اِن لڑائیوں میں درست رائے پر امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اس میں نہ شک ہے نہ اشکال،اور وہ حق جس سے اترنا جائز نہیں یہ ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں کیوں کہ وہ اِن لڑائیوں میں تاویل کرنے والے اور مجتہد تھے،بیشک اگرچہ اہل حق کے نزدیک معتبر قول پر حق پر ایک تھا (مگر)خطاء کرنے والا گروہ اجتہاد میں پوری طاقت صرف کرتے ہوئے اور اجتہاد میں کوتاہی نہ کرتے ہوئے اجر پائیں گے گناہ گار نہیں ہوں گے۔

(۴)علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وذهب جمهوراهل السنة الی تصویب من قاتل مع علی لامتثال قوله تعالی وان طائفتان من

المؤمنين اقتتلوافيهاالامربقتال الفئة الباغية وقدثبت من قاتل علياً كانوا بغاة وهؤلاء مع هٰذاالتصويب متفقون على انه لايذم واحدمن هؤلاء بل يقولون اجتهدوافاخطأوا، وذهب طائفة قليلة من اهل السنة وهوقول كثيرمن المعتزلة الى ان كلامن الطائفتين مصيب وطائفة الى ان المصيب طائفة لابعينها(فتح البارى ۱۴/۴۵۰ كتاب الفتن تحت حديث ۷۱۰۹)

جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم درست رائے پر تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر (مخالفین سے) لڑائی کی اللہ تعالی کے اس فرمان کی تعمیل میں **وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا**، کہ اس آیت میں باغی جماعت سے لڑنے کا حکم ہے، اور تحقیق ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی وہ (صورۃً) باغی تھے، اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کو حق پر سمجھتے ہوئے اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک کو بھی برا نہ کہا جائے گا بلکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ (مخالفین نے) اجتہاد کر کے خطاء کی، اور ایک تھوڑا سا گروہ اہل سنت کا اس طرف بھی گیا ہے اور یہی بہت سے معتزلہ کا قول ہے کہ وہ دونوں گروہ درست رائے پر تھے (جیسے قاضی جی کہتے ہیں) اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ دو میں سے ایک گروہ درست رائے پر ہے جو معین نہیں ہے،

(۵) علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الكرمانى على رضى الله تعالى عنه ومعاوية كلاهما كانامجتهدين غاية مافى الباب ان معاوية كان مخطيئاًفى اجتهادهٖ ونحوه ، قلتُ كيف يقال كان معاوية مخطيئاًفى اجتهادهٖ فماكان الدليل فى اجتهادهٖ وقدبلغه الحديث الذى قال ﷺويح ابن سمية تقتله الفئة الباغية وابن سمية هوعماربن ياسروقدقتلهٗ فئة معاوية افلايرضىٰ معاوية سواء بسواء حتى يكون لهٗ اجرواحد؟وروى الزهرى عن حمزة بن عبدالله بن عمروعن ابيه قال ماوجدت فى نفسى من شىء ماوجدت انى لم اقاتل هٰذه الفئة الباغية كماامرنى الله ،فان قلت كان عبدالله بن عمرومن روى الحديث المذكورواخبرمعاوية بهٰذافكيف كان مع فئة معاوية ؟قلتُ روى انهٗ انه قال لم اضرب بسيف ولم اطعن برمح ولكن رسول الله ﷺقال اطع اباك فاطعتهٗ وقيل لابراهيم النخعى مَن كان افضل علقمة اوالاسود؟فقال علقمة لانه شهدصفين وخصب سيفهٗ بها(عمدة القارى ۲۴/۲۸۶ كتاب الفتن)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد وغیرہ میں خطاء کرنے والے تھے، میں (عینی) کہتا ہوں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ نے خطاء اجتہادی کی ہے اوراس کے اجتہاد کی دلیل ہی کیا ہے جب کہ ان کو حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ابن سمیہ عمار پر اس کو (صورۃً) باغی گروہ قتل کردے گا، اوراس کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ نے قتل کیا ہے، کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر خوش نہ ہوں گے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں (کیا) پھر اُن کو ایک گنا اجر بھی ملے؟ (جو مجتہد کو ملتا ہے) اور زہری نے حمزہ بن عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا اتنا میرے دل میں کسی چیز کا افسوس نہیں جتنا اس کا ہے کہ میں نے اِس باغی گروہ سے لڑائی نہ کی جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا، پھر اگر تو کہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو مذکورہ روایت کے راویوں میں سے ہیں اورانہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ حدیث بیان کی تھی تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے ساتھ کیوں تھے؟ میں کہتا ہوں کہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نہ میں نے تلوار ماری نہ نیزہ مارا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے باپ کا کہا مان تو میں نے والد کا کہا مانا (اور محض شرکت کی، لڑائی نہ کی) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت علقمہ افضل ہیں یا اسود رحمہما اللہ؟ فرمایا علقمہ افضل ہیں کیوں کہ وہ جنگ صفین میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) حاضر ہوئے اور تلوار خون سے رنگین کی،

دیکھیئے قاضی جی! علامہ بدرالدین رحمہ اللہ نے تو بہت گراں بات فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی، اگر چہ جمہور اس کو خطاء اجتہادی فرمارہے ہیں علامہ عینی اس کو مطلق خطاء کہہ رہے ہیں خطاء اجتہادی نہیں مان رہے کیوں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک حدیث **ویح عمار تقتله الفئة الباغية** پہنچی تھی تو (فرماتے ہیں) اس کے بعد ان کو اجتہاد کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی، اس لئے ان کو مقابلہ میں نہیں آنا چاہیئے تھا، اب برابر سرابر چھوٹ جائیں غنیمت ہے چہ جائے کہ اِس اجتہاد پر ان کو ایک گنا اجر ملے، بہرحال یہ علامہ عینی کا تبصرہ ہے، راقم وہی کہتا ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ ان سے جو یہ خطا ہوئی ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن کریں گے، اوراجتہادی خطاء پر محمول کریں گے، جس پر مجتہد کو گناہ ہرگز نہیں ہوتا البتہ خطاء اجتہادی پر بھی ایک گنا ثواب ملتا ہے، ہاں مگر دوسری جگہ علامہ عینی رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ بھی ملا کہ فرمایا

والجواب الصحيح في هذا انهم كانوا مجتهدين ظانين انهم يدعونه الى الجنة وان كان في

نفس الامر خلاف ذالک فلالوم علیھم فی اتباع ظنونھم ،فان قلت المجتھداذااصاب فلہ اجران واذااخطأفلہ اجرفکیف الامرھھناقلت الذی قلناجواب اقناعی فلایلیق ان یذکر فی حق الصحابۃ خلاف ذالک لان اللہ تعالیٰ اثنیٰ علیھم وشھدلھم بالفضل (عمدۃ القاری ۳۰۸/۴)

اس بارے میں صحیح جواب یہ ہے کہ وہ حضرات (حضرت معاویہ وعلی رضی اللہ عنہما) مجتہد تھے یہ گمان کررہے تھے کہ وہ دوسرے فریق کو جنت (کے اسباب) کی طرف دعوت دے رہے ہیں اگرچہ واقع میں (ایک جانب) اِس کے خلاف تھا،تو اپنی گمانوں کی اتباع میں اُن پر کوئی ملامت نہیں ہے،پھر اگر آپ کہو کہ مجتہد جب درست رائے پر چل پڑے تو اس کو دگنا اور خطاء کرے تو ایک گنا اجر ملتا ہے،تو یہاں معاملہ کیسا ہے؟ میں کہتا ہوں جو ہم نے گفتگو کرلی وہی کافی جواب ہے (کہ اپنے اجتہاد پر عمل کیا کوئی صواب پر کوئی خطاء پر ہوا،بس) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اس کے خلاف ذکر کرنا مناسب نہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کی گواہی دی ہے،

اوپر کی عبارت میں مزید حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ سے لڑنے والے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کو اسود پر ترجیح دے رہے ہیں کہ اِنہوں نے اچھا کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا،یعنی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے،

علامہ عینی حدیث فئہ باغیہ کی تشریح میں فرماتے ہیں

وفیہ فضیلۃ ظاھرۃ لعلی وعماروردعلی النواصب الزاعمین ان علیاًلم یکن مصیباًفی حروبہٖ (عمدۃ القاری کتاب الصلوۃ ،باب التعاون فی بناء المسجد)

اس حدیث میں حضرت علی وعمار رضی اللہ عنہما کی واضح فضیلت ہے اور اُن ناصبیوں پر رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ اِن جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ درست رائے پر نہ تھے،

خطرہ لگتا ہے کہ شاید قاضی طاہر علی صاحب بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہوں،اس خطرے کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعض سیاسی تسامح ہوئے ہیں،تسامح غلطی ہوتی ہے جو بڑے کے احترام کی خاطر غلطی نہیں کہی جاتی،

(٦) حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی مصری اور امام زرقانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

قال القرطبی وهٰذاالحديث من اثبت الاحاديث واصحهاولمالم يقدرمعاوية على انكارهٖ فقال انماقتلهٗ من اخرجهٗ فاجابهٗ على بان رسول الله ﷺاذن قتل حمزة حين اخرجهٗ ،وقال الامام عبدالقاهرالجرجانی فی كتاب الامامة اجمع فقهاء الحجازوالعراق من فريقی الحديث والرأی منهم مالک والشافعی وابوحنيفة والاوزاعی والجمهورالاعظم من المتكلمين والمسلمين ان علياًمصيب فی قتالهٖ لاهل صفين كماهومصيب فی اهل الجمل ،وان الذين قاتلوه كانوابغاةً ظالمون لهٗ لكن لايكفرون ببغيهم ،وقال الامام ابومنصورفی كتاب الفرق فی بيان عقيدة اهل السنة اجمعواان علياًمصيب فی قتالهٖ اهل الجمل طلحة والزبيروعائشة بالبصرة واهل صفين معاوية وعسكرهٗ (فيض القديرشرح الجامع الصغير ٦/٣٦٦،شرح الزرقانی على المواهب اللدنية ١٠/١٣٥،١٥٤))

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث **(ويح عمارتقتله الفئة الباغية)** سب سے مضبوط اور زیادہ صحیح احادیث میں سے ہے، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کا انکار نہ کرسکے تو فرمایا کہ عمار کو تو اس نے قتل کیا جس نے اس کو باہر نکالا (اور یہاں لایا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل خود رسول اللہ ﷺ ہوئے جنہوں نے ان کو نکالا، امام عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ نے کتاب الامامت میں فرمایا حجاز اور عراق کے محدثین وفقہاء جن میں سے امام مالک وشافعی وابوحنیفہ واوزاعی رحمہم اللہ ہیں اور بہت بڑی تعداد متکلمین اور مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل صفین واہل جمل دونوں سے جنگ کرنے میں صحیح رائے پر تھے، اور جنہوں نے اُن سے لڑائی کی وہ لوگ (صورۃً) باغی اور زیادتی کرنے والے تھے لیکن اپنی بغاوت کی وجہ سے کافر نہیں ٹھہرائے جاسکتے، امام ابومنصور نے کتاب الفرق میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر وعائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر سے لڑنے میں صحیح رائے پر تھے،

فائدہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دو قول منسوب ہیں، اول یہ کہ انہوں نے حدیث عمار پر فرمایا کہ عمار کو تو انہوں نے قتل کیا جو نکال لائے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے

قاتل بھی نبی کریم ﷺ ہوں گے؟ دوسرا قول یہ منسوب ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ باغیہ بمعنی طالبہ یعنی ہم خون عثمان کے قصاص کے طالب ہیں، شیخ اکمل الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اُن پر افتراء ہے، کیوں کہ یہ (باغی بمعنی طالب) حدیث کی تحریف ہے، نیز حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکال نہیں لائے تھے وہ تو خود تشریف لائے تھے، اس پر حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (ظاہری) بغاوت سے بھی باز آتے اور اطاعت اختیار کرتے، اور مخالفت چھوڑ دیتے، (مرقات ۱۱/۱۸) لیکن طبرانی کبیر میں دو سندوں سے اور مسند ابویعلی میں نقل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمار کے قاتل تو اس کو لانے والے ہیں، امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۹/۴۸۸، ۴۸۹)

(۷) علامہ ابوالشکور السالمی رحمہ اللہ تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال اهل السنة والجماعة بان معاوية ومن تابعه من الصحابة فی حال حيوة علی رضی الله عنه كانوا مخطئين فی دعوی الامارة والبيعة معهٗ باغين بالمقابلة مع علی، وانما قلنا انهم كانوا مخطئين لانهم اجتهدوا فی محل الاجتهاد لا فی وقت الاجتهاد لان معاوية كان اهلاً للخلافة بعد علی ولو لم يسبق خلافة علی لكانت تصح خلافتهٗ فی ذالک الوقت لانه كان من قريش ،وقد قال النبی ﷺ لمعاوية حين دخل عليه اذا وليتَ امر هٰذه الامة فارفق بهم فوقع عند معاوية انه مستحق للخلافة فلهٰذا ادعیٰ وقد كان اصاب من وجهٍ لانه كان اهلاً لها واخطأ من وجهٍ لان الخلافة والبيعة لعلی قد سبق وعلی كان افضل منه واحق منه للخلافة فلا يجوز له الخلافة فی ذالک الوقت وانما كان وقته وقت سائر الناس من القريش بعد علی وقولنا انه كان باغياً فيما حارب علياًلان الله تعالی قال وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر الله فالله تعالی سمی احداهما باغياًومن لم يكن علی الحق فانه يكون باغياً،والدليل علی انه كان باغياًان القاضی الجليل بن احمد السنجری السمرقندی روی عن النبی ﷺ انه قال لعمار تقتلک الفئة الباغية وقد قتله جند معاوية فالنبی عليه السلام سماهم باغية وروی عن ابی حنيفة انه قال لاصحابهٖ اتدرون لِمَ

یبغضنااھل الشام فقالوا لا،قال لانانعتقدبانالو کناحضوراًلکنانعین علیاًعلی معاویة ونقاتل معاویة لاجل علی رضی اللہ عنہما(التمھید ۱۸۲، ۱۸۳،)

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اوران کے پیروکار صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حکومت اور بیعت کے دعوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خطاء کرنے والے تھے،ہم خطاء کرنے والااس لئے کہہ رہے ہیں کہ وہ محل اجتہاد میں تواجتہاد کررہے تھے لیکن اجتہاد کے وقت میں اجتہاد نہیں کررہے تھے (بے وقت تھا) کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے اہل تھے،اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ ہوتی تو اُس وقت ان کی خلافت صحیح ہوتی،کیوں کہ وہ قریش میں سے تھے،اور نبی کریم ﷺ کے پاس جب ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تجھے امت کی حکومت ملے تو ان سے نرمی برتنا،تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آ گیا کہ وہ مستحق خلافت ہیں،اس لئے دعوی کیا،اور ایک طرح تو درست سوچا کہ خلافت کے اہل تھے،مگر دوسرے پہلو سے خطاء کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت پہلے ہو چکی تھی،اور وہ اُن سے افضل بھی تھے،تو اُس وقت ان کے لئے خلافت درست نہ تھی، بلکہ ان کا وقت دوسرے لوگوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد تھا،اور ہم نے جو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی میں (صورۃً) باغی تھے تو اس لئے کہ اللہ تعالی نے مذکورہ آیت میں ایک گروہ کو باغی کہا ہے،اور جو حق پر نہ ہوگا وہی باغی ہوگا، پھر اس کی دلیل کہ وہ باغی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا تجھے باغی گروہ قتل کرے گا اور اس کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے ان کا نام باغی رکھا،اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ شام والے ہم سے کیوں بغض رکھتے ہیں ؟ ساتھوں نے عرض کیا معلوم نہیں،فرمایا وہ اس لئے کہ ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم موجود ہوتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑتے،

یہاں مولانا سالمی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی خود خلیفہ بننے کے لئے تھی،جمہور علماء کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے،مگر ہمارا مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ لڑائی کی جو وجہ بھی ہو بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے،

(۸) علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ولفظ مسلم قال النبی ﷺ لعمار تقتلک الفئة الباغیة وروی وقاتله فی النار [فقتله اصحاب معاویة] وکان هومع علی بصفین وهو صریح فی ان الخلیفة بحق هوعلی رضی الله عنه وان معاویة مخطیء فی اجتهادهٖ کمافی حدیث اذااختلف الناس کان ابن سمیة مع الحق وابن سمیة هوعماررضی الله عنه کان مع علی وهٰذاهو الذی ندین الله بهٖ وهوان علیاً کرم الله وجههٗ علی الحق ومجتهدمصیب فی عدم تسلیم قتلة عثمان ومعاویة رضی الله عنه مجتهدمخطیء فدع القیل وقال فماذابعدالحق الاالضلال (نسیم الریاض ۱۶۶/۳)

مسلم شریف کے لفظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفرمایا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا ایک روایت میں ہے کہ اس کا قاتل جہنمی ہوگا، تو اُن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا، اور وہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، یہ حدیث صریح ہے کہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے تھے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب لوگ اختلاف کریں گے ابن سمیہ یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ حق کے ساتھ ہوں گے، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ہم اسی عقیدہ کو اللہ تعالی کے سامنے ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حق پر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل حوالے نہ کرنے میں درست رائے رکھنے والے مجتہد تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے مجتہد تھے باقی چوں وچرا چھوڑو، حق کے بعد سوا گمراہی کے کیا ہے؟

(۹) مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ جنگ صفین کے متعلق فرماتے ہیں:

یہی بدنصیب جنگ تھی کہ جس نے اسلام کی چمکدار تلوار کو اسلام ہی پر الٹ دیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ (حضرت) معاویہ غلطی پر تھے لیکن اس بات پر نہ تو خوارج کی طرح فریقین کو تبرا کرنا چاہیئے، نہ شیعہ کی طرح معاویہ اور ان کے لشکر کو کافر ومرتد بنانا چاہیے (عقائد الاسلام/۲۳۲)

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں:

کہ صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاعات پیش آئے جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا وہوس اور حب ریاست اور طلب رفعت اور منزلت سے اس کو دور سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نفس

امارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس حضرات خیر البشر ﷺ کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہوا و ہوس اور حرص اور کمینہ اور حب مال اور حب جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاروں ہزار جنید اور ہزاروں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنی صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے صحابہ کرام کے نفوس اگرچہ حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے نفس امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہو چکے تھے ،لیکن صحابہ کرام بشر اور انسان تھے ملائکہ اور انبیاء نہ تھے جو غلطی سے معصوم رہتے ،بتقاضائے بشریت اجتہادی خطاء کا واقع ہو جانا شان تقوی اور ورع کے منافی نہیں ،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پس مشاجرات صحابہ کو اس آیت کے ماتحت سمجھو،دونوں گروہ متقی تھے،دونوں جنت میں جائیں گے،ان کی صلح بھی حق کے لئے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لئے تھی،ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو مصیب ہے اس کے لئے دو اجر ہیں،اور جو مخطیء ہے،اس کے لئے ایک اجر ہے،بہر حال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دور ہے،درجات ثواب اور اجر میں فرق ہے،

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں

علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطاء خطاء اجتہادی تھی ،جس پر طعن اور ملامت ہرگز ہرگز جائز نہیں چہ جائے کہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے (عقائد الاسلام حصہ اول ص ۱۶۷،۱۶۸)

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ (صحابہ کرام کے)دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطاء یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے،اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے،اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حق پر تھے ،ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر تھے،اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خطاء پر،البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں

،جس پر اللہ تعالی کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہوگئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ،ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے(مقام صحابہ ۷۳/)
ان عبارات کے علاوہ بھی بکثرت عبارات ہیں، فی الوقت اِنہی پر اکتفاء کی جاتی ہے،

خلاصہ مطلب:

دیکھیں یہ سب اکابرین اسلاف اہلسنت والجماعت کا اجماع نقل کر رہے ہیں اور اسی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ اگر چہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ہر ایک کے گروہ میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و احترام بہت ضروری ہے ،اور ان سے حسن ظن کیا جائے ،تنقید و تنقیص نہ کی جائے ،مگر ان حضرات کی باہمی لڑائیوں میں ہر ایک مجتہد ہے، اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا ہے، اور جیسے مجتہد سے خطاء بھی ہوسکتی ہے اور صواب بھی ،ایسے اِن حضرات کے اجتہاد میں خطاء وصواب ہوسکتا ہے ،اور یہ خطاء بیان کرنا تنقیص نہیں ہے ،اور یہ کہ اِن دو میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر اور حضرت معاویہ اور ام المؤمنین وغیرہم رضی اللہ عنہم خطاء پر تھے، اِسی پر اجماع ہے ، یہی جمہور کا مسلک ہے، یہی راجح ہے، قاضی طاہر علی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء کہنے سے امام حاکم شیعہ ہی نہیں رافضی ہیں تو کیا یہ سب اسلاف اکابرین مجتہدین ائمہ کرام، مفسرین، متکلمین، حنفی، شافعی، حنبلی ، مالکی ،علماء دیوبند کُل کے کُل رافضی ہیں؟ اگر یہ اہل حق ہو کر رافضی ہیں تو امام حاکم رافضی بن کر قابل نفرت نہیں بنتے، اور اگر یہ حضرات رافضی نہیں بنتے تو امام حاکم بھی ہرگز رافضی نہیں بنتے؟

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ:

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ باقی رہ گیا، جو قاضی صاحب کے خیال میں وزنی ہے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات مجروح ہوتی ہے، قاضی صاحب لکھتے ہیں
روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حوأب کے کتے بھونکنے کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے پچاس آدمیوں کو پیش کیا جنھوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام حوأب نہیں ہے ،بعض نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ جھوٹی شہادت منسوب کی ہے،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف یہ کہ قصداً اور عمداً جھوٹ بولا بلکہ وہ جھوٹے گواہ بھی تیار کر لائے ،اس الزام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کس قدر گھناؤنا کردار سامنے آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔الخ (مصداق کون؟ ص ۳۵)

قاضی صاحب !آپ کی اس ساری تقریر کا مدار(صحابہ رضی اللہ عنہم کا جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی مہیا کرنا) تاریخ طبری کی اس روایت پر ہے جس کے راوی آپ کے تبصرہ کے مطابق بھی رافضی ضعیف، مجہول الحال ،مجہول النسب وغیرہ ہیں،تو آپ ایسی روایت کو سامنے رکھ کر خوامخواہ مغز خوری کر رہے ہیں، جھوٹی گواہی کی اِس روایت کو بیشک جھوٹا کہیں اور یہ واقعی جھوٹی ہے،مگر سوچیں کہ یہ جھوٹی گواہی اصل حدیث میں اور حدیث کی کسی کتاب میں تو نہیں ہے تو آپ اصل حدیث کو کیوں من گھڑت ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں؟ تاریخ طبری کی روایت کے مقابلہ میں حدیث کی کتابیں دیکھیں تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حوأب کے حوأب ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ام المؤمنین آپ کے جانے میں خیر ہے،مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو آپ کی وجہ سے اختلاف وانتشار ختم ہو کر صلح واتفاق کی صورت پیدا ہونے کی امید ہے ،

ترجعین ؟عسی الله عزوجل ان یصلح بک بین الناس (مجمع الزوائد)

آپ واپس ہوتی ہیں؟(واپس نہ ہوں) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے ذریعہ لوگوں کے درمیان صلح کی صورت پیدا فرمادیں،

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اُن کو واپس نہ ہونے پر اصرار کرنا بھی اِس خاص دینی مصلحت کے لئے تھا،انہوں نے یہ کہہ کر ام المؤمنین کو نہیں روکا تھا کہ یہ حوأب نہیں ہے اور جس نے حوأب کہا اس نے جھوٹ بولا ہے ،اور پھر اِن حضرات نے اس کے لئے پچاس جھوٹی گواہیاں بھی جمع کر لیں ، یہ کہانی بنانے والا جھوٹا ہے،مگر قاضی صاحب کونسا پیمانہ لئے پھرتے ہیں کہ کہتے ہیں

بہر حال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چشمہ حوأب کی تردید فرمائی جس میں وہ بجا طور پر حق بجانب ہیں (علمی محاکمہ ص ۳۱۶)

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر کی تردید صحیح ثابت مان رہے ہیں جو صحیح ثابت نہیں اور اصل حدیث کلاب حوأب کو غلط ثابت کرنے کے درپے ہیں جو صحیح ثابت ہے؟

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت:

امام ذہبی فرماتے ہیں

فانها ندمت ندامة كلية وتابت من ذالک علی انها مافعلت ذالک الا متأولة قاصدة

للخیر (سیر اعلام النبلاء ۳/۲۶۲)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اِس پر بہت ہی ندامت تھی اور اِس سے توبہ کی باوجود اس کے کہ انہوں نے یہ سفر کیا تاویل کرتے ہوئے خیر کا ارادہ کرتے ہوئے ،

متعدد روایات ہیں جن سے حضرت ام المؤمنین کا اپنے نکلنے پر نادم ہونا ثابت ہوتا ہے ،مثلاً حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دل میں تو یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہوں مگر فرمایا

انی احدثت بعد رسول اللہ ﷺ حدثاً ادفنونی مع ازواجہ (مستدرک حاکم ۶۸۴۲/، طبقات ابن سعد الکبریٰ ۵۹/۸)

میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کیا ہے اس لئے مجھے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن کر دینا،

اس حدیث کی ایک سند تو وہ ہے جو قاضی صاحب جانتے ہیں ،جس پر آگے بحث آرہی ہے ،ایک اور صحیح سند بھی ہے،

کتاب **تخریج احادیث احیاء علوم الدین** میں ہے

قال محمود بن محمد حدثنا المیمونی حدثنا سریج بن یونس حدثنا اسماعیل بن مجالد عن الشعبی قال حضرت عائشۃ الحدیث

امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام المؤمنین کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کر لیا نا معلوم آپ ﷺ کے پاس میرا کیا حال ہوگا اب میں ناپسند کرتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں ،اورنہیں جانتی کہ آپ کے پاس میرا کیا حال ہوگا؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی قمیص کا ایک ٹکڑا منگوایا اور فرمایا یہ میرے سینے پر رکھ دینا اور میرے ساتھ دفن کر دینا شاید اس کی برکت سے میں عذاب قبر سے نجات پالوں **(تخریج احادیث احیاء علوم الدین، بحث احوال المحتضرین ۲۸۱۸/۶)**

اس میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے براہ راست سننے والے (۱) امام شعبی ہیں ،یہ عامر بن شراحیل شعبی کوفی ہیں ،سب محدثین نے ان کی تعریف کی ہے ،البتہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے روایت نہیں سنی ،مگر یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اس روایت میں ام المؤمنین سے سماع کیا ہے،(۲)امام شعبی سے روایت کرنے والے اسماعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی کوفی ہے،صحیح بخاری کا راوی ہے،امام احمداور بخاری سچا راوی بتاتے ہیں،امام ابن معین،ابن شاہین ثقہ کہتے ہیں بعض نے اُن پر جرح کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے (۳)اسماعیل بن مجالد سے سریج بن یونس بن ابراہیم بغدادی روایت کرتے ہیں ،بخاری ،مسلم کے راوی ہیں،سب محدثین نے اِن کی تعریف کی ہے(۴)سریج سے روایت کرنے والے عبدالملک بن عبدالحمید بن عبدالحمید بن میمون جزری میمونی ہیں ، یہ امام احمد کے خاص شاگرد ہیں،سب محدثین اِن کی تعریف کرتے ہیں،(۵)اُن سے روایت کرنے والے ابوالعباس محمود بن محمد بن الفضل رافقی الادیب ہیں ،اِن کا تذکرہ تاریخ دمشق میں (۲۶۰؍۷)اور ذہبی کی تاریخ الاسلام (۶۴۳)میں موجود ہے، بڑے محدثین میں سے ہیں،ان کی ایک کتاب ہے تاریخ الجزیرۃ،جبش بن موسی سے حدیث روایت کرتے ہیں (الاکمال فی رفع الارتیاب۴؍۱۵۳)

قاضی طاہر علی صاحب اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے کیوں؟اس کے متعلق کہتے ہیں کہ کئی وجوہ ہیں

جہاں تک حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو وہ بوجوہ صحیح نہیں (۱)اس حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم ہیں ۔۔۔۔۔خبر واحد ہے ،۔۔۔اخبار احاد میں مقبول بھی ہوتی ہیں ،اور مردود بھی ،۔۔۔۔۔۔زیر بحث حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم میں مردودیت کے اوصاف موجود ہیں (یعنی لہٰذا حدیث مردود ہے)(مصداق کون؟ص۱۲۴)

جواب یہ ہے

(۱)امام حاکم نے **صحیح علی شرط الصحیحین** کہا ہے کہ بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے

(۲)امام ذہبی نے تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے کہ واقعی یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے ،

دوم :بیچارہ قیس بن ابی حازم اس حدیث کا اکیلا راوی نہیں ہے ، بلکہ امام قیس رحمہ اللہ کے ساتھ امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ بھی راوی ہیں،

پھر قاضی صاحب کی قیس پر جرح مردود ہے قیس میں مردودیت کے اوصاف موجود نہیں ہیں،اس پر ہم بھی پہلے بحث کر آئے ہیں،

مزید قاضی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ

(۲)امام حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم شیعہ ہیں اور حدیث میں متساہل ہیں(خلاصہ ،مصداق کون

ص۱۲۴،۱۲۵)

جواب: امام حاکم کی شیعیت کی گفتگو ہو چکی ہے، یا بالکل شیعہ نہیں ہیں، یا شیعہ ہیں تو ایسے جن کی شیعیت کا روایت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا (میزان الاعتدال، لسان المیزان، تہذیب التہذیب، ترجمہ ابان بن تغلب) پھر ان کے تساہل کی بات بالکل مضر نہیں کیوں کہ امام ذہبی نے بھی ان کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ حدیث صحیح علی شرط البخاری ومسلم ہے ،اس کے بعد ان کے تساہل کا تذکرہ بیکار ہے،

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے فعل پر بدعت کا اطلاق کیا گیا جب کہ صحابہ کرام کے فعل پر بدعت کا اطلاق درست نہیں (ص۱۲۵)

اول: بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل پر بدعت شرعی کا اطلاق نہیں ہوتا ہاں بعض اوقات بدعت لغوی کا اطلاق ہوا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول **نعمت البدعۃ ھٰذہٖ** میں ہے اور جمعہ کی پہلی اذان کو (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بدعت کہا (فتح الباری ۴۴/۳)

دوم: یہاں احداث کا ترجمہ بدعت نہ کریں بلکہ نیا کام سے ترجمہ کر لیا جائے ،اور ہر نیا کام گناہ نہیں ہوتا ،تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے نیا کام کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا مگر اس پر ان کو گناہ نہیں ہوگا ،اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نئے کام تو کرتے تھے،

مزید کہتے ہیں کہ بخاری میں تو ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی کہ مجھے نبی کریم ﷺ وشیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا اور ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا کہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے برتری حاصل ہو یا میری تعریف کی جائے ،اس حدیث کے تحت ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہوں نے بطور تواضع وکسر نفسی کے فرمایا ہے،

اول: ایک روایت یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو وصیت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ دفن نہ ہونے کے لئے تواضع کا اظہار کیا، دوسری روایت قیس کی ہے قیس بھی تو ام المؤمنین سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں (تہذیب التہذیب) پھر امام شعبی نے تو سنی اور سننے کی صراحت کی ،تو اگر ابن زبیر ان سے براہ راست سننے والے ہیں تو امام شعبی بھی براہ راست سننے والے ہیں، آپ کو دونوں سننے والوں پر اعتبار کیوں نہیں؟

قاضی صاحب کی خیانت:

دوم: یہاں قاضی صاحب نے علامہ ابن حجر کی بات نامکمل ذکر کر کے خیانت کی ہے، آگے کی عبارت قاضی صاحب کا شبہ ختم کرنے والی تھی، مگر قاضی صاحب کو ناپسند تھی اس لئے نقل نہ کی، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں

وهٰذامنهاعلی سبیل التواضع وهضم النفس بخلاف قولهالعمر کنت اریدهٗ لنفسی ،فکان اجتهادهافی ذالک تغیر اولماقالت ذالک لعمر کان قبل ان یقع لهاماوقع فی قصة الجمل فاستحیت بعدذالک ان تدفن هناک (فتح الباری ۳/۴۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا (میری تعریف نہ کی جائے، مجھے برتری حاصل نہ ہو) بطور تواضع وکسر نفسی تھا، اس کے برخلاف جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ (نے جب روضہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی تو ان) کو فرمایا کہ میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی (اب آپ کو ترجیح دیتی ہوں، بخاری حدیث ۱۳۹۲، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ کئی صحابہ ام المؤمنین سے وہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے تھے، فرماتیں میں انکو (اپنے اوپر) ترجیح نہیں دے سکتی، الریاض النضرۃ) تو اس بارے میں ام المؤمنین کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فرمایا تو واقعہ جنگ جمل میں پیش آنے والے حال سے پہلے تھا واقعہ جنگ جمل کے بعد تو وہاں دفن ہونے سے شرم کی،

معلوم ہوا کہ ان کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی پہلے خود وہاں دفن ہونے کا خیال تھا بعد میں یہ خیال چھوڑ دیا،

روضہ مبارکہ میں ایک اور قبر کی گنجائش:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن التین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں

قال ابن التین قول عائشة فی قصة عمر کنت اریدهٗ یدل علی انه لم یبق مایسع الاموضع قبر واحدفهو یغایر قولهاعندوفاتهالاتدفنی عندهم فانه یشعربانه بقی من البیت موضع للدفن ،والجمع بینهماانهاکانت اولاًلاتظن انه لایسع الاقبراًواحداًفلمادفن ظهر لهاانه هناک وسعاًلقبر آخر(فتح الباری ۳/۴۸۸)

امام ابن التین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ''میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی'' دلالت کرتا ہے کہ وہاں صرف ایک قبر کی جگہ باقی رہی تھی، اور یہ فرمان وفات کے وقت کے اِس فرمان کے خلاف ہے کہ ''مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرو'' یہ بتاتا ہے کہ کمرے میں دفن کی جگہ باقی تھی، دونوں میں تطبیق اس طرح

ہے کہ پہلے ان کا یہ گمان تھا کہ صرف ایک قبر کی گنجائش ہوگی ، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو ان کے سامنے ظاہر ہوا کہ وہاں ایک اور قبر کی گنجائش بھی ہے،

یہاں ذہن میں رہے کہ علامہ ابن التین رحمہ اللہ دراصل بخاری کی دو حدیثوں میں تطبیق دے رہے ہیں ایک ام المؤمنین کا فرمان ہے **كنتُ اريدهٗ** (میں خود روضہ مبارکہ میں دفن ہونا چاہتی تھی ، بخاری ۱۳۹۲) یہ ظاہر کرتا ہے کہ صرف ایک قبر کی گنجائش تھی جس کی انہوں نے اپنے لئے خواہش کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دفن کی اجازت دی تو گویا اب اور جگہ (سوائے عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے) باقی نہیں ، دوسرا ان کا فرمان ہے **لاتدفنی معهم وادفنی مع صواحبی** (مجھے حضور ﷺ و شیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا بخاری ۱۳۹۱) جو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد قبر کی جگہ باقی تھی اور ام المؤمنین دفن ہوسکتی تھیں ، مگر فرمادیا کہ مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرنا ، تو دونوں میں تعارض کو امام ابن التین نے ختم کرنا چاہا کہ حل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن سے پہلے ام المؤمنین سمجھتی تھیں کہ صرف ایک قبر کی گنجائش ہے ، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد مزید ایک اور قبر کی گنجائش معلوم ہوئی تب فرمادیا کہ مجھے اُس باقی جگہ میں دفن نہ کرنا ،

امام ابن التین کی پوزیشن شیخ چلی جیسی ہے : قاضی جی کا تبصرہ :

نا معلوم قاضی جی کو اس تطبیق سے کیا خار آئی کہ کہتے ہیں

(ابن التین نے جو تطبیق کی ہے) اس کی علمی دنیا میں تو کوئی حیثیت نہیں ہے البتہ شیخ چلی کی دنیا میں اس قسم کی تطبیق کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے (علمی محاکمہ ص ۵۸۹)

حالاں کہ امام ابن التین اکیلے نہیں ہیں بلکہ علامہ خطیب قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی تطبیق ذکر کی ، پھر ابن التین بیچارے نے جنگ جمل کی بحث ہی نہیں کی ، تو قاضی جی کے نزدیک ان کی حیثیت گویا شیخ چلی جتنی کیوں ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** ؟ ، دراصل امام ابن التین کی بات سے خود بخود واضح ہوتا تھا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا چاہتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد بھی دفن ہوسکتی تھیں ، مگر اظہار عاجزی کرتے ہوئے (یا حیاء کرتے ہوئے) اپنے دفن کئے جانے سے روک دیا ، اس میں امام ابن التین بیچارے کا قصور کیا ہے ؟ کیا قاضی جی کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ؟ یا اُن کے مقابلہ میں قاضی جی کی بڑی حیثیت ہے ؟ آپ مطالعہ کے زور میں اتنے گھمنڈ میں آگئے کہ اب ابن التین آپ کی زبانی شیخ چلی ٹھہرا افسوس ؟ پھر جب خود قاضی صاحب نے امام ابن التین کی

ایک توجیہ ذکر کردی کہ انہوں نے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت اس لئے کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجنبی تھے تو وہاں دفن ہونا مناسب نہیں سمجھا، اب اس توجیہ کو سامنے رکھنے کے بعد قاضی جی کے دل میں ابن التین کا احترام ہونا چاہیئے تھا مگر جناب کا یہ تبصرہ ان کے احترام کے خلاف ہے، اسلاف کی بے احترامی کا نتیجہ سخت نقصان ہے، قاضی جی کو یہ بے ادبیاں چھوڑ دینی چاہئیں،

قاضی جی کی ایک اور خیانت:

یہاں امام ابن التین کی دوسری توجیہ میں (لامع الدراری سے نقل کرتے ہوئے) قاضی صاحب نے لکھا کہ "علامہ ابن التین نے یہ روایت بھی بیان فرمائی کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے ان کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہاں تو میری، ابوبکر، عمر اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی قبروں کے علاوہ کسی اور کی قبر کی گنجائش ہی نہیں (علمی محاکمہ ص ۵۹۲)

حالاں کہ حضرت علامہ گنگوہی رحمہ اللہ نے ابن التین سے نقل کرتے ہوئے یہ لفظ بھی تحریر کئے ہیں

فی حدیث لایثبت (علمی محاکمہ ص ۵۹۱، **الکنز المتواری ۳۲۰/۷**)

روایت ثابت نہیں ہے،

اس کو قاضی جی نے ہضم کردیا اور ترجمہ تک چھوڑ دیا، اور کہہ دیا کہ جی اس ممانعت کے بعد وہاں دفن ہونے کا ارادہ ہی کیونکر کرسکتی تھیں؟ جناب جب یہ حدیث ہی ثابت نہیں تو آپ کی اس عقلی تقریر میں کتنا وزن ہے؟

امام ابن التین سے ایک اور توجیہ و تطبیق میں نقل ہے کہ فرماتے ہیں

اوان الذی آثرته به المکان الذی دفن فیه من وراء قبر ابیها بقرب النبی ﷺ وذالک لاینفی وجود مکان آخر فی الحجرة (وفاء الوفاء ۱۲۱/۲)

یا یہ تطبیق ہے کہ جس جگہ ان کو ترجیح دی وہ جگہ ہے جس میں وہ دفن ہوئے جو اُن کے والد کی قبر کے پیچھے نبی کریم ﷺ (کی قبر) کے قریب ہے، اور یہ بات حجرہ میں مزید جگہ باقی ہونے کی نفی نہیں کرتی،

یعنی بہر حال اُن کی قبر کی گنجائش بھی تھی مگر انہوں نے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت فرمائی،

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے متعلق متعدد کتابوں میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تھی اور انہوں نے اجازت بھی دی تھی، مگر دفن نہ ہوسکے

(الاستیعاب ا/۱۹۲،۱۹۳، اسد الغابۃ ۲/۱۳، تاریخ الخمیس ۲/۲۹۳، الکامل لابن اثیر ۳/۵۸، جس کو بغیر ثبوت کے قاضی جی من گھڑت کہتے ہیں، علمی محاکمہ ص ۵۹۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہونا چاہیں تو تشریف لائیں، فرمایا میں آپ کا گھر آپ پر تنگ نہیں کرتا (وفاء الوفاء ۲/۱۲۱، الریاض النضرۃ ۴/۳۱۴، ۳۱۵، شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۲/۴۶۷ محمد بن احمد تقی الدین فاسی م ۸۳۲ھ) یہ واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں کہ مزید ایک قبر کی گنجائش تھی، مگر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے غلبہ خشیت وحیاء کی وجہ سے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت فرمائی، اس کو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت پر محمول کیا گیا ہے،

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نصب الرایہ (۴/۶۹، ۷۰) سے نقل کرتے ہیں کہ امام زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وقداظهرت عائشة الندم كمااخرجه ابن عبدالبرفي كتاب الاستيعاب عن ابن ابي عتيق وهوعبدالله بن محمدبن عبدالرحمن بن ابي بكر الصديق قال قالت عائشة لابن عمريااباعبدالرحمن مامنعك ان تنهاني عن مسيري ؟قال رئيت رجلاًغلب عليك يعني ابن الزبير [وظننت انك لاتخالفينه يعني ابن الزبير]فقالت اماوالله لونهيتني ماخرجتُ ،ولهٰذاالاثرطريق اخرىٰ فقال الذهبي في سيرالنبلاء (۷۸ ، ۷۹)وروى اسماعيل بن علية عن ابي سفيان بن العلاء المازني عن ابن ابي عتيق قال قالت عائشة اذامرابن عمرفارنيه فلمامربها قيل لهاهذاابن عمر،فقالت يااباعبدالرحمن مامنعك ان تنهاني عن مسيري ؟قال رئيتُ رجلاًقدغلب عليك يعني ابن الزبير(سلسلة الاحاديث الصحيحة ۱/۸۸۴، ۸۸۵،الاستيعاب ۲/۴۸ ا ترجمه عبدالله بن زبيرتاريخ دمشق لابن عساكر ۳۱/۱۱۰)

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ندامت کا اظہار کیا تھا جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب میں ابن ابی عتیق سے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ابوعبدالرحمٰن؟ آپ نے مجھے (جنگ جمل میں) جانے سے کیوں نہ روکا تھا؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ آپ پر ایک آدمی یعنی عبداللہ بن زبیر غالب آ گیا اور میرا خیال تھا کہ آپ اس کے خلاف نہ کریں گی، فرمایا اللہ کی قسم اگر آپ مجھے روکتے تو میں نہ نکلتی، اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں (اور تاریخ ابن عساکر میں) ذکر کیا ہے،

اس روایت سے بھی ان کا نادم ہونا ثابت ہوتا ہے، اوراس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مدینہ طیبہ سے نکلنے کے لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے مغلوب ہوئی ہوں یا نہ، مگر حوأب مقام سے ان کی رائے بدل گئی تھی، اور واپسی کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے کی وجہ سے واپس نہیں ہوسکیں، ان کی رائے تھی کہ آگے چلنے میں مصلحت ہے، گو اس رائے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی خطاء ہوئی اگر چہ نیت درست تھی،

محمد بن قیس سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جنگ جمل کا تذکرہ ہوا تو اس کو یوم الجمل کہا گیا تو پوچھا کہ لوگ اس کو یوم الجمل کہتے ہیں؟ حاضرین نے بتایا جی ہاں، فرمایا

وددت انی کنت جلستُ کماجلس اصحابی فکان احب الی من ان اکون ولدت من رسول اللہ ﷺ بضعة عشر رجلاً کلهم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن هشام اومثل عبدالله بن الزبیر(تاریخ دمشق ۳۴/۲۷۴)

میری تمنا ہے کہ (کاش) میں بیٹھی رہتی جیسے میرے ساتھ والے (اہل بیت) بیٹھے رہے یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے رسول اللہ ﷺ سے دس سے اوپر بچے پیدا ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام یا عبداللہ بن زبیر جیسے ہوتے،

ایک روایت میں ہے کہ فرماتی تھیں

لان اکون قعدت فی منزلی عن مسیری الی البصرة احب الی من ان یکون لی من رسول اللہ ﷺ عشرة من الولد کلهم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن هشام (طبقات ابن سعدالکبریٰ ۵/۳،سیر اعلام النبلاء ۳/۴۸۴،تاریخ اللطیفة للسخاوی ۲/۱۲۱)

میں بصرہ جانے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھی رہتی یہ مجھے اس سے بھی زیادہ پسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میرے دس بیٹے ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جیسے ہوتے ،

اس قسم کی روایات اُن کی ندامت کی دلیل ہیں، گوندامت کی وجہ کچھ بھی ہو چاہے یہ مانی جائے کہ انہوں نے اپنی خطاء سمجھ لی، یا جانے کے نتیجہ میں جو نامناسب حالات پیش آئے ان کی وجہ سے ندامت ہو، اتنی بات ہے کہ انجام سے ظاہر ہوا کہ گو اچھی نیت سے سفر تھا مگر مصلحت سفر کرنے میں نہ تھی ، بلکہ مصلحت گھر کے اندر رہنے میں تھی ، مگر چوں کہ

انجام ظاہر ہونے سے پہلے تک سوائے اللہ تعالی کے کسی کو انجام معلوم نہیں ہوتا اس لئے انسان معذور ٹھہرتا ہے، اس لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اس سفر کرنے میں معذور تھیں، یہ ایسی خطاء نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن پر طعن کیا جائے جیسا کہ روافض کی عادت سیئہ ہے، یہ واقعی ایسے ہے جیسے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کا سفر کیا، نیت اچھی تھی، مگر انجام کے اعتبار سے امت کا نقصان ہوا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو شہادت کا عظیم درجہ ملا جوان کے حق میں نقصان نہیں نفع ہے،

بہر حال حدیث کلاب حوأب صحیح حدیث ہے، اور اس کا مصداق ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضور ﷺ کے اس کے متعلق پیشین گوئی سے مقصود آئندہ ایسا واقعہ پیش آنے کی خبر دینا تھا، اور وہ ہو کر رہا، قاضی طاہر علی صاحب بیشک اس کے متعلق ہونے والے طعن کا اچھے ایمانی جذبہ کے تحت جواب دیں، اچھی توجیہات کریں، مگر ایک ثابت بات کو جھٹلانا بالکل نامناسب ہے۔



کتبہ: حضرت مولانا مجیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

وٹسپ رابطہ: محمد عمر فاروق ڈیروی:

مدرس دار العلوم الاسلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان: 0342-6624427

نوٹ: فی الحال اس مضمون پر کام جاری ہے جو ساتھی بھی اسکو پڑھیں اور اگر اس میں کوئی غلطی پائیں تو ہمیں ضرور اطلاع کریں۔ جزاکم اللہ

ہماری کتب

﴿1﴾ راہ حق

﴿2﴾ راہ جنت

﴿3﴾ عقیدہ ایصال ثواب

﴿4﴾ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم

﴿5﴾ تسہیل بیضاوی اردو شرح بیضاوی

﴿6﴾ علم الصیغہ اردو

﴿7﴾ دعا بعد نماز جنازہ کا شرعی حکم

﴿8﴾ پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنتیں

نوٹ: دیگر کتب پر کام جاری ہے آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست ہے

ہمارے دیگر مضامین

﴿1﴾ حدیث اصحابی کالنجوم کی تحقیق:

﴿2﴾ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم:

﴿3﴾ سورۃ الفیل اور امین احسن اصلاحی و غامدی کی تفسیر:

﴿4﴾ غامدی اجتہادات:

﴿5﴾ غامدی نظریات اور حکم:

﴿6﴾ مروان بن حکم اور اس کی صحابیت:

﴿7﴾ اللہ کیلئے لفظ خدا کا اطلاق:

نوٹ: دیگر مضامین پر کام جاری ہے آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست ہے۔



